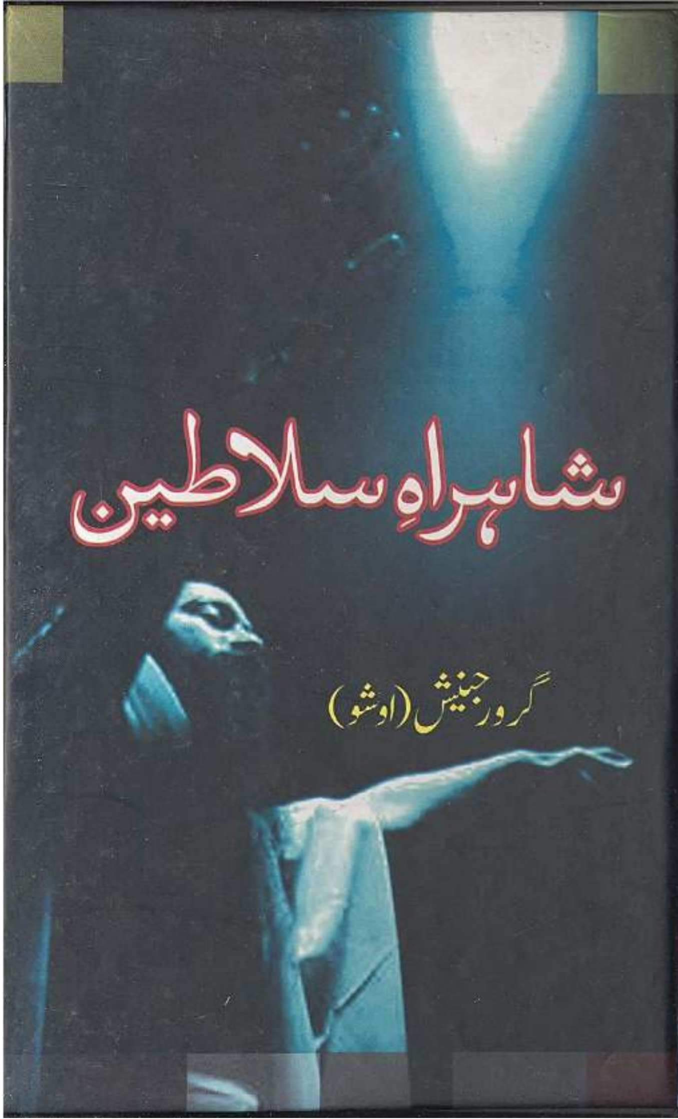


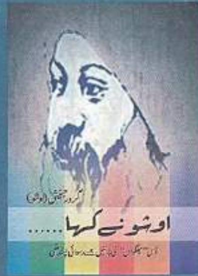
شاہراہِ سلاطین

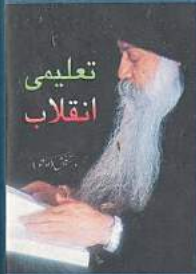
گرو رجنیش (اوشو)

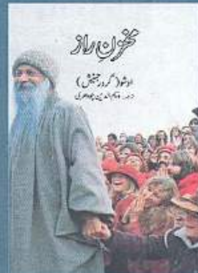
شاہراہِ سلاطین

گرو رجنیش (اوشو)

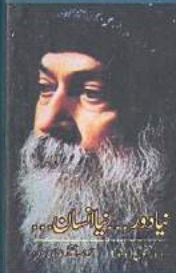




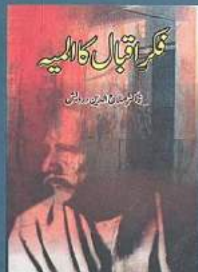


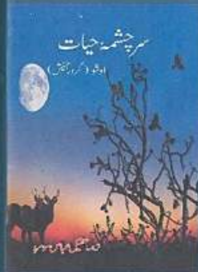












فکشن ہاؤس

بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور
فون: 042- 37249218, 37237430

52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدرآباد
فون: 022-2780808

E-mail:fictionhouse2004@hotmail.com

ISBN 978-969-562-106-6

شاہراہِ سلاطین

شاہراہِ سلاطین

گرو رجنیش (اوشو)

ترجمہ: ریاض محمود انجم

فِکشن ہاؤس
بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، پاکستان
Ph: 042- 37249218, 37237430
E-mail:fictionhouse2004@hotmail.com

An Urdu Translation of

"The Royal Way"

By: Osho

نام کتاب : شاہراہ سلاطین
مصنف : گرورجنیش (اوشو)
ترجمہ : ریاض محمود انجم
پبلشرز : فکشن ہاؤس
بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ، لاہور
فون: 37249218-37237430
اہتمام : ظہور احمد خاں
کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق : ریاض ظہور
اشاعت : 2011ء
قیمت : -/300روپے

فہرست

پہلا باب

مرشد کا لمس

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک صوفی شدید بیمار ہو گیا اور مرض کی شدت نے اسے بسترِ مرگ تک پہنچا دیا۔ اب اس کی صرف یہی خواہش تھی کہ اس کی موت کے بعد، اس کے مرید یقینی طور پر اپنے لئے ایک ایسے راہ نما اور اتالیق کو پانے میں کامیاب ہو جائیں جو انہیں سیدھے راستے سے بھٹکنے نہ دے۔

لہٰذا اس نے اپنے مال و اسباب (ترکے) کو قانونی طور پر تقسیم کر دیا اور اس طرح اس کے مریدوں کے حصے میں سترہ (17) اونٹ آئے اور اس نے اپنی وصیت میں ان اونٹوں کی اپنے مریدوں میں مزید تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ تحریر کیا:

> ''تم تینوں، اپنے درمیان یہ اونٹ اس طرح تقسیم کرو گے کہ سب سے بوڑھے شخص کو اونٹوں کا نصف، ادھیڑ عمر شخص کو ایک تہائی اور سب سے کم عمر شخص کو 1/9 حصہ ملے۔''

جیسے ہی اس صوفی نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا، وصیت پڑھی گئی۔ پہلے تو یہ تینوں مرید اپنے مرشد کے ترکے کی اس عجیب و غریب تقسیم اور حصہ داری کا طریقہ پڑھ کر بہت حیران ہوئے، لیکن پھر ان میں سے کچھ کہنے لگے، ''ہمیں چاہئے کہ ہم سب اکٹھے اور مل جل کر اونٹوں کو استعمال کریں اور یہ ہماری مشترکہ ملکیت میں رہیں۔'' کچھ مرید کہنے لگے: ''ہم نے دوسرے لوگوں سے مشورہ کیا ہے''، اور پھر کہا: ''لوگوں نے ہمیں یہ مشورہ دیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے، اونٹوں کی اس تقسیم کو زیادہ سے زیادہ قریب ترین حصوں کے مطابق کیا جائے۔'' اور پھر کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ وصیت ناقابلِ عمل اور نامعقول ہے کیونکہ ان شرائط پر عمل درآمد ممکن نہیں ہے۔

پھر وہ تمام مرید سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور غور وفکر کرنے لگے کہ ان کے مرشد کی وصیت میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہے، لہٰذا وہ لوگوں سے پوچھنے لگے کہ کیا کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس لاینحل مسئلے کو حل کر سکے۔

اس دوران وہ بے شمار لوگوں کے پاس گئے، سب نے اپنی سی کوشش کی لیکن ناکام رہے، حتیٰ کہ یہ مرید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپؓ نے فرمایا ''تمہارے مسئلے کا حل میرے پاس موجود ہے۔ میں ان سترہ اونٹوں میں اپنی طرف سے ایک اونٹ شامل کروں گا، اس طرح اونٹوں کی تعداد اٹھارہ (18) ہو جائے گی۔ ان میں سے نصف، یعنی نو (9) اونٹ، تم میں سے سب سے بوڑھے مرید کو ملیں گے۔ پھر دوسرے مرید کو ان اونٹوں کی کل تعداد کا ایک تہائی حصہ یعنی چھ اونٹ ملیں گے، اور پھر تیسرے مرید کو اونٹوں کی کل تعداد کا 1/9 حصہ ملے گا، اور جو اونٹ باقی بچے گا، وہ مجھے واپس لوٹا دیا جائے۔''

اس طرح یہ مرید اپنے لئے ایک اتالیق، راہ نما اور معلم تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

صوفیانہ مسلک یا صوفی مت کے نظریے کا انحصار مکمل طور پر ''مرشد'' کے تصور پر ہے۔ ''مرشد'' کے بغیر صوفیانہ مسلک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صوفیانہ مسلک کے نزدیک کتابی علم قطعی طور پر بے کار اور فضول ہے اور اس مسلک کے نزدیک تمام قسم کے علوم کا منبع اور سرچشمہ ''زندہ و سلامت مرشد'' ہے۔ کسی طالب کو اس شخص کے پاس آنا چاہئے جس میں اس کے طالب کے متعلق از خود جاننے کی صلاحیت موجود ہو۔ ممکن ہے کہ کتابیں، علم و حکمت کے خزانوں سے بھرپور ہوں لیکن ان کتابوں میں تحریر علم و حکمت کی باتوں کی تشریح کسی کے بس کی بات نہ ہو۔ اگر آپ ان باتوں کے معنی سمجھ لیتے ہیں، تو پھر آپ ان باتوں کی تشریح اپنی ذہنی استعداد، صلاحیت اور انداز کے مطابق کریں گے، اور اس طرح، اس کتاب میں موجود تمام نظریات غلط ثابت ہو جائیں گے۔

اسلام کی بنیاد، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ''قرآن'' پر ہے۔ ہندومت کی بنیاد بھی ایک کتاب ''وید'' سمجھی جاتی ہے اور مسیحیت کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ انگریزی زبان میں ''بائبل'' (انجیل) کے مفہوم محض ایک کتاب کے ہیں۔

لیکن صوفیانہ مسلک کا عقیدہ یہ ہے کہ کتاب، آپ کی مددگار ثابت نہیں ہو سکتی، کوئی بھی کتاب آپ کی مدد نہیں کر سکتی۔ بلاشبہ صوفیوں کی بھی ایک کتاب ہے جسے وہ ''کتابوں کی کتاب''

کہتے ہیں، لیکن اس کتاب کے صفحے خالی ہیں، ان پر کچھ تحریر نہیں، حتیٰ کہ ایک لفظ بھی اس کتاب میں موجود نہیں۔ کتابوں کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کتابیں، بے شمار نظریات سے مزین ہوں، لیکن آپ کے لئے یہ کتابیں سادہ اوراق کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ آپ صرف اسی چیز کا مطالعہ کر سکتے ہیں جسے آپ جانتے ہیں۔

پھر ایک دن، میں نے کسی کو مُلّا نصر الدین سے یہ کہتے ہوئے سنا: ''یسوع مسیح نے یہ کیوں فرمایا کہ ''مبارک ہیں وہ غریب (محروم) لوگ جنہیں جنت کے حصول کی امید میسر ہے۔''

مُلّا نے کچھ دیر سوچا اور کہنے لگے: ''مبارک ہیں وہ غریب (محروم) لوگ جنہیں جنت کے حصول کی امید میسر ہے کیونکہ ان کے پاس شراب خریدنے کے لئے رقم نہیں ہے۔''

ایک اور موقع پر کسی نے مُلّا نصر الدین سے پوچھا: ''اور پھر ''گیارھواں حکم'' کیا ہے؟

مُلّا نصر الدین نے جواب دیا: ''اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔''

جب آپ کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف ہوتے ہیں تو پھر آپ کا ذہن، آپ کے مرشد کے ذہن کے مطابق ہو جائے گا، اور اصل مسئلہ ہی ''ذہن'' ہے۔ ایک کتاب کی تشریح اور اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے ذہن نہایت تسلسل کے ساتھ اپنی صلاحیت بخوبی طور پر استعمال کر سکتا ہے، اب کتاب کے الفاظ، اس کے اپنے الفاظ نہیں بلکہ آپ کے ذہن کے ذریعے کتاب کے الفاظ کی تشریح اور مفہوم کو بیان کیا جا سکتا ہے لہٰذا جب آپ ایک کتاب پڑھ رہے ہوتے ہیں، تو پھر آپ بلاواسطہ طور پر اپنے ہی ذہن کا مطالعہ کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ کتاب آپ کے خیالات، آپ کو واپس لوٹا دیتی ہے۔

کتاب کے مطالعے کے ذریعے آپ عالم و فاضل تو بن سکتے ہیں لیکن آپ کبھی بھی ایک ایسے شخص کی حیثیت حاصل نہیں کر سکتے جسے واقعی کچھ علم ہو۔ ممکن ہے کہ آپ کو خدا کے بارے بہت سی چیزوں کا علم ہو جائے لیکن آپ کبھی بھی خدا کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتے، اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ سچ اور سچائی کے متعلق بہت سی چیزوں بارے باخبر ہو جائیں لیکن آپ کو کبھی بھی یہ علم نہیں ہو سکے گا کہ سچ اور سچائی کیا ہے۔ اور پھر معلومات اور علم کا حصول محض بے معنی ہے۔ کسی چیز کے متعلق علم اور معلومات حاصل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے اس چیز کے متعلق مکمل معلومات اور علم حاصل کر لیا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ابھی بھی بے شمار

معلومات اور علم سے آگاہی نہیں۔ لیکن کتابوں کے مطالعے کے ذریعے آپ کو یہ قوی احساس میسر ہوسکتا ہے کہ کچھ نہ جاننے کے باوجود، آپ کو سب کچھ علم ہے، اور آپ کا یہی احساس، آپ کے سیکھنے، معلومات اور علم حاصل کرنے میں عظیم ترین رکاوٹ ہے۔ یہ احساس آپ کے گرد ''دیوارِ چین'' کھڑی کردے گا، خدا کے ساتھ آپ کے تمام رابطے منقطع ہو جائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے اور خدا کے درمیان موجود خلیج کیسے عبور کی جاسکتی ہے؟ یہ تعلق کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے؟ اور خدا کے ساتھ رابطے کا سلسلہ کیسے برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

بظاہر، خدا ہم سے کوسوں بلکہ کہیں دُور معلوم ہوتا ہے، اور اس کی موجودگی کا علم بھی تقریباً ناممکن معلوم ہوتا ہے کیونکہ خدا عیاں نہیں ہے اور بظاہر قریب بھی نہیں ہے۔ آپ اپنے اردگرد نظر ڈالتے ہیں اور آپ کو ہر چیز خدا کی موجودگی سے تقریباً خالی معلوم ہوتی ہے۔ اسی کیفیت کو مارٹن ہیڈ اگر نے یوں بیان کیا ہے: ''میں نے اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں دیکھی جس پر مجھے مقدس اور الہوی ہونے کا گُمان ہو۔''

عمومی نقطہء نظر کے لحاظ سے اس کی یہ بات درست ہے۔ آپ یہ تقدیس اور الوہیت کہاں تلاش کرسکتے ہیں؟ اس کائنات میں یہ تقدیس اور الوہیت، آپ کو اس لئے نظر نہیں آتی کہ یہ یہاں موجود نہیں ہے بلکہ آپ کو اس لئے نظر نہیں آتی کہ آپ کو علم نہیں ہے کہ اس تقدیس اور الوہیت کو کیسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ آپ ابھی تک خود میں وہ وجدانی کمال پیدا نہیں کرسکے جس کے ذریعے آپ کو یہ تقدیس اور الوہیت محسوس ہوسکے۔ بظاہر، خدا آپ سے بہت دور ہے، دنیا آپ کے بہت نزدیک ہے۔ مادی مال واسباب آپ کے اردگرد بکھرا پڑا ہے اور آپ کو کبھی روحانی تجربے اور واردات سے واسطہ نہیں پڑا۔ اور پھر مذہب، محض ایک نظریے کی حیثیت سے موجود رہا ہے اور کبھی بھی قابلِ عمل حیثیت اختیار نہیں کرسکا۔

صوفیانہ مسلک کے عقیدے کے مطابق، خدا تعالیٰ کی قربت و رفاقت، صرف ''مرشد'' ہی کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے اور ''مرشد'' ہی یہ راہ نمائی مہیا کرسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کس طرح قائم کیا جائے۔

مرشد، وہ شخص ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے قیام کے ضمن میں ''مواصلاتی اور ابلاغی ذریعے'' کے کردار ادا کرسکتا ہے، وہ شخص جو آپ کے اور آپ کے خدا کے درمیان اس دروازے

کی حیثیت سے موجود ہوگا جس میں سے جھانک کر آپ خدا تعالیٰ کی تجلیوں اور نشانیوں کا دیدار کرسکتے ہیں اور اس ذاتِ باری کی جھلک سے شرف یاب ہوسکتے ہیں۔ اس ضمن میں، مرشد، محض علم کے لحاظ سے نہیں بلکہ تجربے کے لحاظ سے ہر قسم کے علم اور معلومات سے مزین ہوتا ہے۔ وہ جس قسم کے روحانی تجربے اور واردات میں سے گزرا ہوتا ہے، اس کے ذریعے اس کی کایا کلپ ہوچکی ہوتی ہے، اس کی شخصیت میں تبدیلی واقع ہوچکی ہوتی ہے، اور وہ ایک دوسری دنیا سے آشنا ہوچکا ہوتا ہے اور اس نئی دنیا کے اسرار و رموز اس پر عیاں اور آشکار ہوچلے ہوتے ہیں۔ ایک ''مرشد'' دو حقیقتوں میں بیک وقت زندہ رہتا ہے اور وہ بظاہر بعید العقل نظر آتا ہے۔ اس کا ایک پاؤں اس دنیا میں ہوتا ہے اور دوسرا پاؤں خدا تعالیٰ کی مِلک میں ہوتا ہے۔ ایک پہلو کے اعتبار سے وہ آپ کی شخصیت کے مطابق ہوتا ہے اور دوسرے پہلو کے اعتبار سے وہ آپ کی شخصیت کے اُلٹ ہوتا ہے۔ آپ اپنی فہم اور عقل کے ذریعے مرشد کی ماورائی حیثیت کا احاطہ نہیں کرسکتے اور مرشد کی اسی حیثیت کے ذریعے آپ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور رفاقت قائم کرسکیں گے، اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

لہٰذا، ثابت ہوا کہ طالب کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ وہ ایک ''مرشد'' کی محبت والفت میں گرفتار ہو جائے، صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے ''مرشد'' کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ اپنے لئے مرشد تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے تو پھر یوں سمجھئے کہ نصف راستہ اور سفر طے ہوا۔ درحقیقت، اس مرحلے پر آپ کے سفر کا سب سے مشکل مرحلہ ختم ہوچکا ہے۔ خود کو ایک صوفی کی شخصیت میں تبدیل کرنے کے لئے، مرشد کی تلاش، بنیادی ضرورت ہے۔ جو لوگ، صوفیانہ مسلک اختیار کرنا چاہتے ہیں اور صوفی بھی بننا چاہتے ہیں، وہ اپنے لئے مرشد کی تلاش میں ہزاروں میل کا سفر اختیار کرتے ہیں، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر کی خاک چھانتے ہیں، یہ مرشد وہ شخص ہے جس کے ساتھ وہ ہم آہنگ ہوسکیں، جس کے ساتھ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر قدم سے قدم ملا کر چل سکیں، اور پھر کسی نتیجے اور خطرے کی پروا کئے بغیر اس کی رفاقت میں پہلا قدم اٹھاسکیں۔

اس لئے، پہلا مرحلہ، سب سے پہلا اور اہم ترین مرحلہ، ''مرشد کی تلاش'' ہے۔ صوفیوں کا کہنا ہے کہ زندگی کی ایک عظیم ترین نعمت مرشد کی رفاقت و قربت ہے۔ اگر آپ مرشد کی

رفاقت وقربت سے محروم ہیں تو آپ نے سنہری موقع ہاتھ سے گنوا دیا ہے۔ پھر آپ اپنی زندگی ایک اہم ہنر کے بغیر بسر کر رہے ہیں، اور پھر آپ کبھی بھی اپنی زندگی کے لئے اس ضروری اور اہم چیز سے تعلق قائم نہیں کر سکیں گے جس کے ساتھ رابطہ اور تعلق آپ کے لئے ناگزیر ہے۔

اس صورت حال کی مثال تقریباً یوں دی جا سکتی ہے...... کیا آپ نے کبھی کسی سرکس، کسی قافلے یا کسی نمائش میں کسی شخص کو "برقی کرسی" پر بیٹھے دیکھا ہے؟ یہ کرسی، بظاہر ایک عام کرسی دکھائی دیتی ہے۔ آپ یہ نہیں دیکھ سکتے کہ یہ ایک برقی کرسی ہے جو برقی رو کے ذریعے مرتعش ہے۔ آپ یہ سب کچھ تو نہیں دیکھ سکتے کیونکہ یہ آپ کی آنکھ کے سامنے عیاں نہیں ہے کہ برقی کرسی پر بیٹھے شخص کے تمام بدن میں برقی رو دوڑ رہی ہے، لیکن اگر آپ اس شخص کو چھوتے ہیں تو آپ کو برقی جھٹکا محسوس ہوتا ہے۔ جو شخص اس برقی کرسی پر بیٹھا ہے، اس کے بدن میں برقی رو موجود ہے اور جب آپ اس شخص کو چھوتے ہیں، تو پھر اس برقی رو کے ساتھ آپ کا تعلق بھی قائم ہو جاتا ہے۔

تو پھر ایک مرشد کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی تجلی، نور اور چاہت کی لہریں موجود ہیں اور یہ سب کچھ ان لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا جو محض تماشائی ہیں، خدا تعالیٰ کی تجلی، نور اور چاہت کے متعلق ان لوگوں کو معلوم ہوتا ہے جو اپنے مرشد کی رفاقت اور قربت حاصل کرتے ہیں۔

جب ایک دفعہ آپ نے اپنے مرشد کو چُھو لیا یا مرشد نے آپ کو اپنے لمس سے سرفراز کر دیا تو پھر ایک ایسی واردات رونما ہوتی جو آپ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ اور پھر یہ شعور اور آگہی حاصل کرنے کے بعد واپسی کا کوئی راستہ کھلا نہیں، واپسی ممکن ہی نہیں۔ پھر جب آپ اس صورت حال کو محسوس کر لیتے ہیں، آپ کو اس کے متعلق تمام آگہی اور ادراک حاصل ہو جاتا ہے اور پھر آپ کو یہی تجلی اور نور، درختوں، دریاؤں اور لوگوں میں نظر آئے گا۔ ممکن ہے کہ یہ تجربہ زیادہ عیاں نہ ہو، یہ دھند کے بادلوں میں پوشیدہ ہو، بے حس وحرکت ہو، لیکن اس کے باوجود اس کی حقیقت قائم ہے۔ یہ وہی تابندگی شعلہ نوائی ہے، خواہ آپ نے اپنے مرشد کو چُھو لیا یا مرشد نے آپ کو اپنے لمس سے سرفراز کیا ہو۔

جب مائیکل اینجلو نے سسٹین نامی گرجا گھر میں "یوم تخلیق" (Day of Creation) کی تصویر کشی کی تو اس نے تمام قصے یعنی انجیل میں مذکور قصے کو ہی بدل دیا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس

گرجا گھر کو بنا رہے تھے، جو مالی مدد فراہم کر رہے تھے، حتیٰ کہ پوپ کو بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ اینجلو نے تو ایک بہت ہی مختلف تصویر بنا دی ہے، جس کا ذکر بھی انجیل میں موجود نہیں ہے۔

انجیل کے مطابق، خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تخلیق کیا۔ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو مٹی گارے اور تلچھٹ سے بنایا۔ پھر خدا تعالیٰ نے آدمؑ کے نتھنوں میں زندگی کی روح پھونکی۔ اب مائیکل اینجلو لازمی طور پر سوچ میں پڑ گیا ہوگا...... میں اس کے روزناموں کا مطالعہ کر رہا تھا اور ان میں اس ضمن میں بہت سے حوالے اور اشارے موجود تھے۔ وہ کئی دنوں تک اسی سوچ میں غلطاں رہا ہوگا، اس منظر کی تصویر کشی کس قدر بڑی اور بھونڈی محسوس ہوگی کہ خدا، آدمؑ کے نتھنوں میں زندگی کی روح پھونک رہا ہے؟ اس لئے اس نے یہ تمام منظر ہی تبدیل کر دیا۔ اس طرح یہ شاہکار اور شہرہ آفاق تصویر تخلیق ہوئی کہ خدا، آدمؑ کے نتھنوں میں پھونک نہیں رہا ہے، بلکہ اُسے چُھو رہا ہے۔ کسی نامعلوم مقام سے خدا کی انگلی، آدم سے مس ہو رہی ہے۔ خدا تعالیٰ تو آسمانوں کی بلندیوں اور عرش پر موجود ہے اور آدمؑ، فرش یعنی زمین پر موجود ہے۔ ایک انگلی نمودار ہوتی ہے، آدم کو مس کرتی ہے، اور یہ لمس، آدم میں زندگی کی روح بھر دیتا ہے اور وہ زندہ ہو جاتا ہے۔

کسی کے ذہن وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ مائیکل اینجلو نے تمام قصہ ہی تبدیل کر دیا ہے۔ انجیل میں تو اس طرح تحریر نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لمس کے ذریعے آدمؑ کو زندگی بخشی۔ لیکن مائیکل اینجلو صوفی مسلک کا ایک طالب علم تھا اور اسے صوفیانہ عقیدے سے گہری دلچسپی تھی، اور اسی تناظر میں اسے "مرشد کے لمس" کا نظریہ، اپنے ذہن میں پیدا کر لینا چاہئے تھا کہ مرشد کے ایک ہی لمس سے مرید، زندگی بخش توانائی سے معمور ہو جاتا ہے۔

بالکل درست! یہ لمس کا کرشمہ ہے، یہ ایک ایسا شعلہ تاباں ہے جو ایک چراغ سے دوسرے چراغ کو منتقل ہو جاتا ہے جب آپ کو اس شعلہ نوائی کا ادراک واحساس ہو جاتا ہے تو آپ اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ جب آپ کو اس شعلہ نوائی کا ادراک واحساس ہو جاتا ہے تو پھر آپ اس مقدس اور الوہی چیز سے بھی آشنا ہو جاتے ہیں، پھر ہر چیز معدوم ہو جاتی ہے اور ہر طرف یہی تقدیس اور الوہیت چھا جاتی ہے۔

اسی لئے تو صوفی کہتے ہیں کہ زندگی کی عظیم ترین نعمت اس مرشد کی تلاش ہے، جس میں بصیرت بھی ہے اور وہ بصارت سے بھی سرفراز ہے۔ آپ کی ذات کی تکمیل صرف اس وقت ہوتی

ہے جب خدا تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق قائم ہو جاتا ہے، اس سے پہلے آپ کی ذات نامکمل تھی، اس سے پہلے آپ ایسے گھر میں رہ رہے تھے جہاں مرشد موجود نہ تھا، اس سے پہلے آپ ایک ایسے گھر میں رہائش پذیر تھے جو کسی بھی مکین سے خالی تھا، اس سے پہلے آپ اپنی ذات کو مکمل سمجھتے تھے حالانکہ آپ کی ذات نامکمل تھی۔ آپ کی شخصیت لمحاتی اور وقتی ہے، آپ ایک بلبلے کے مانند ہیں، آپ کی کوئی پہچان نہیں ہے، آپ کسی مرکز سے وابستہ نہیں ہیں، آپ میں کسی بھی قسم کی روح بھی موجود نہیں ہے۔

گردجیف، جو صوفیانہ خیالات سے بہت زیادہ متاثر تھا، اور جو درحقیقت ایک صوفی مرشد تھا، اس نے مغربی دنیا میں ایک نیا تصور متعارف کروایا۔ درحقیقت اس سے قبل کسی نے بھی اس طرح کی بات نہیں کی تھی۔ گردجیف نے یہ نظریہ پیش کیا کہ آپ کے اندر روح موجود نہیں ہے بلکہ روح پیدا کرنا پڑتی ہے، روح تخلیق کرنا پڑتی ہے۔ اس خیال میں مگن مت رہئے کہ آپ کے اندر روح موجود ہے۔ دنیا کے تمام بڑے مذاہب نے آپ کو بتایا ہے کہ آپ کے اندر روح موجود ہے، اور یہ روح، آپ کے اندر پہلے ہی مقیم ہے ___ لیکن گردجیف نے ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ آپ کے اندر روح موجود نہیں ہے، محض اس کی موجودگی کا امکان موجود ہے۔ آپ یہ روح تخلیق کر سکتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ آپ اس سے محروم ہو جائیں۔ اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، آپ کو اپنی یہ روح تخلیق کرنا پڑتی ہے۔ بالکل درست، اگر آپ روح کے حصول کے خواہاں ہیں تو آپ اسے تخلیق کر سکتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھئے کہ یہ آپ کے پاس پہلے ہی سے موجود ہے۔ یہ مت سوچئے کہ روح، آپ کے اندر پہلے ہی سے مقیم ہے۔

یہی صوفی کا عرفان ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ ان کی ذات تحلیل ہو چکی ہے اور اب انہیں ہر طرف مرشد ہی نظر آتا ہے۔ جس شخص نے پہلی بار خدا کی موجودگی کے احساس کو محسوس کر لیا تو پھر اس شخص نے یہ سمجھ لیا کہ اس کی ذات صرف اس صورت میں قائم رہتی ہے جب خدا آپ کی آنکھوں میں جھانکتا ہے اور آپ خدا تعالیٰ سے نظریں ملاتے ہیں۔ آپ کی ہستی اس وقت قائم رہتی ہے جب خدا تعالیٰ آپ کو اپنے لمس سے سرفراز کرتا ہے اور آپ خدا تعالیٰ سے مَس ہوتے ہیں۔ اس روحانی واردات سے قبل، آپ کی ہستی محض ایک کھوکھلا پن تھا اور آپ کی روح پر تاریکی کا راج تھا۔ آپ امید اور انتظار میں مبتلا ہچکولے کھا رہے تھے، آپ کا وجود، بے وقعت تھا، یہ محض

ایک خواب تھا، اور آپ کا وجود، عدم کے دھندلکوں میں گم تھا۔

مرشد وہ ہستی ہے جس کا وجود کھوکھلے پن سے مبرا اور ماوراء ہے، اس کی موجودگی محسوس کی جا سکتی ہے۔ وہ ایک قسم کی روشنی، تابندگی اور ضیاء ہے، اور آپ اس ضیاء کو پا سکتے ہیں اور آپ اسے دیکھ بھی سکتے ہیں۔ کسی وقت ایک ہوٹل کے قریب یا پھر سڑک کے کنارے بیٹھ جایئے اور لوگوں کو گزرتے ہوئے دیکھئے۔ صرف ایک چیز محسوس کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کیجئے۔ کیا آپ لوگوں کے مابین کچھ فرق محسوس کر سکتے ہیں؟ اکثر لوگ کھوکھلے خولوں کے مانند چلتے ہیں، ایسے بہت سے لوگ ہیں، اور ان جیسے لوگوں کی اکثریت ہے۔ لیکن کسی وقت آپ کو ایک ایسا شخص نظر آتا ہے جس کا وجود، واقعی حقیقت محسوس ہوتا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ ایک نورانی ہالے میں مقید ہے اور اس میں سے نوری شعاعیں خارج ہو رہی ہیں۔ آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ اس میں کشش اور مقناطیسیت موجود ہے۔ آپ نے بعض اوقات بے خبری کے عالم میں محسوس کیا ہوگا کہ آپ دوستوں کی محفل میں بیٹھے ہیں...... ایک شخص آتا ہے اور اچانک یہ تمام محفل جگمگا اٹھتی ہے، اس محفل کے تن مردہ میں جان پڑ جاتی ہے...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نووارد نے آپ میں زندگی کی روح پھونک دی ہے۔ صرف ایک لمحہ قبل یہ محفل بیزاریت میں مبتلا تھی، آپ پر افسردگی طاری تھی، اور آپ یونہی بے خیالی کے عالم میں واہی تباہی بکے جا رہے تھے، وقت گزارنے کے لئے انسان کو باتوں کا سہارا چاہئے اور آپ بھی وقت کو دھکا دے رہے تھے۔ پھر ایک نووارد خاتون یا مرد، اس محفل میں داخل ہوتا ہے، اور پھر اچانک اس محفل میں تروتازگی آجاتی ہے، سب کے چہرے خوشی سے کھل جاتے ہیں، محفل میں روشنی اور تابندگی پیدا ہو جاتی ہے، ہر شخص کی کایا کلپ ہو جاتی ہے، کوئی بھی شخص بیزار یا افسردہ نہیں رہتا کیوں کہ اس محفل میں ایک ایسا شخص داخل ہوا ہے جس کا وجود، واقعی ایک حقیقت ہے۔

ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کے اشخاص بھی عنقا ہوتے ہیں۔ کسی ایک محفل میں اس قسم کے دو افراد کی موجودگی انتہائی مشکل ہے اور نہ ہی کسی محفل میں اس قسم کے ایک سے زیادہ اشخاص مل پاتے ہیں۔ لیکن جب بھی کسی محفل میں اس قسم کا کوئی شخص موجود ہوتا ہے، اس کی شخصیت ازخود اس کی موجودگی کا واضح اور صاف اعلان کر رہی ہوتی ہے۔ اگر آپ کے شعور و ادراک کی آنکھ ذرا سی بھی کھلی ہے تو آپ اس خصوصیت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اپنی ہستی سے محروم ایک

کھوکھلا شخص آپ کو بھی آپ کی ہستی سے محروم کر دیتا ہے۔ اپنی ہستی سے محروم اگر یہ شخص آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے تو وہ پھر آپ کی تمام توانائی نچوڑ کر خود میں سرایت کر لیتا ہے اور اس توانائی سے خود بھی محروم ہو جاتا ہے۔ وہ ایک سیاہ سوراخ کے مانند ہے۔

ماہرین طبیعات کا کہنا ہے کہ اس کائنات میں بہت سے سیاہ سوراخ موجود ہیں۔ اگر کوئی چیز ان سیاہ سوراخوں کی حدود کے اندر داخل ہو جاتی ہے تو یہ چیز اس سوراخ میں جذب ہو کر صفحہ ہستی سے غائب ہو جائے گی۔ یہ سیاہ سوراخ، ایک تباہ شدہ ستارہ ہے اور ستارہ ایک بہت بڑی چیز ہے، زمین بہت چھوٹی ہے۔ سورج، زمین سے ساٹھ ہزار گنا بڑا ہے اور ہمارا سورج نہایت معمولی ستارہ ہے۔ اس کائنات میں ایسے سورج اور ستارے بھی موجود ہیں جو لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ جب ایک ستارہ تباہ ہوتا ہے، وہ صفحہ ہستی سے نابود ہو جاتا ہے، ہر چیز کی قسمت میں موت لکھی ہے۔ جو چیز بھی پیدا ہوتی ہے، اس کی موت ناگزیر اور اٹل ہے۔ جب کوئی ستارہ تباہ ہوتا ہے، تو یہ اپنے مرکز کی طرف جا کر غائب ہوتا ہے، اس میں بہت زیادہ کشش موجود ہے، اسی کشش کے باعث ہر چیز اپنے مرکز میں غائب ہو جاتی ہے، پھر زمین کے گرد منفی حلقہ نمودار ہو جاتا ہے جو چیز بھی اس حلقے کے قریب آتی ہے، یہ حلقہ اس چیز کو ہڑپ کر جاتا ہے۔

آئن سٹائن نے کہا تھا کہ سورج کی روشنی، حتیٰ کہ سورج کی شعاعیں بھی اس حلقے کے قریب آ جائیں تو واپس نہیں جا سکیں گی۔ عمومی طور پر سورج کی روشنی کو قید کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، یہ منعکس ہو جائے گی لیکن سیاہ سوراخ میں سے یہ منعکس نہیں ہو گی، اور یہ یہیں رہ جائے گی، اور صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی۔ جو بھی چیز اس سیاہ سوراخ کے قریب آئے گی، صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائے گی۔

ایک شخص جو کھوکھلا ہے، ایک چھوٹے سیاہ سوراخ کے مانند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کبھی شخص سے ملتے ہیں تو آپ خود کو نہایت درماندہ اور تھکا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ پھر آپ کوشش کرتے ہیں کہ آپ کی ملاقات اس سے نہ ہو، سرِ راہ اس سے علیک سلیک بھی آپ کے لئے اذیت کا باعث ہے اور آپ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی نے آپ کی توانائی نچوڑ لی ہے۔ آپ کے پاس سے گزرتے ہوئے بھی وہ آپ کو آپ کی توانائی سے محروم کر دیتا ہے اور آپ اپنی طاقت و قوت سے محروم ہونے کے بعد نڈھال ہو جاتے ہیں۔ آپ سرِ راہ، اس شخص سے علیک

سلیک کرنے کے ذریعے اپنی تمام جمع پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، یہ شخص ایک کھوکھلا اور منفی حلقہ ہے۔ جو چیز بھی اس کے نزدیک آتی ہے، یہ اس میں غائب ہو جاتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی توانائی نچوڑ لیتے ہیں، دوسروں کو تھکا دیتے ہیں اور دوسروں کے سہارے زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن خود بھی زندہ نہیں رہ پاتے۔

اس شخص کی حالت، بالکل اُلٹ ہے جس کی ہستی واقعی موجود ہے۔ جب یہ شخص اپنی موجودگی کا اظہار کرتا ہے تو وہ اپنی توانائی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے، اس میں بہت زیادہ توانائی موجود ہوتی ہے، وہ توانائی سے لبریز ہوتا ہے۔ جب آپ اس شخص کا قرب اور رفاقت حاصل کرتے ہیں تو آپ بھی اسی توانائی اور تابندگی سے سرفراز ہو جاتے ہیں۔ اچانک آپ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بارش میں کھڑے ہیں، آپ ایک آبشار کے نزدیک کھڑے ہیں، آپ سکون، اطمینان اور خود کو توانا محسوس کرتے ہیں۔ آپ خود میں ایک قسم کی قوت ابھرتی ہوئی محسوس کرتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں سے شاعری پھوٹ رہی ہے۔ آپ اس شخص کی رفاقت بار بار حاصل کرنا چاہیں گے، اور پھر آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ محض اس شخص کے حلقے میں آ جانے کے ذریعے زندگی بخش توانائی آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

اپنی ہستی میں موجود شخص، اپنی توانائی ہر طرف پھیلا دیتا ہے۔ وہ از خود لوگوں کے پاس جاتا ہے اور اس کے پاس لوگوں کو کچھ دینے کے لئے ہوتا ہے۔ وہ فیاض ہے، وہ سخی ہے، وہ شہنشاہ ہے، یہی وجہ ہے ہم مشرق میں، سنیاسیوں کو ''سوامی'' کہتے ہیں، جس کے معنی ''مرشد'' کے ہیں، ایک ایسا سخی اور فیاض اور شہنشاہ جو صرف دوسروں کو دیتا ہی ہے، ان سے کچھ طلب نہیں کرتا۔

اس کے برعکس جو شخص محض ایک خول ہے، اندر سے کھوکھلا ہے، جس کے اندر روح موجود نہیں ہے، ایک بھکاری اور منگتا ہے، وہ مسلسل بھیک مانگتا رہتا ہے وہ سراپا کشکول ہے، وہ آپ سے کچھ نہ کچھ ہتھیا لے گا۔ جب آپ کسی محفل میں جاتے ہیں، اور آپ کو اپنی زندگی اور اپنی توانائی کی کارفرمائی بارے مکمل شعور و ادراک ہوتا ہے تو پھر آپ ہمیشہ یہ محسوس کریں گے آپ قدرے تشنہ اپنے گھر واپس لوٹتے ہیں۔ اس محفل نے آپ کے وجود کا کچھ حصہ چرا لیا ہے۔ یہ محفل ہمیشہ درماندہ، بیزار اور افسردہ ہوتی ہے کیونکہ آپ کو اس محفل میں کوئی قابلِ ہستی شخص نظر نہیں آئے گا، آپ کو اس محفل میں ہمیشہ وہ لوگ نظر آئیں گے جو درحقیقت اپنی ہستی سے محروم ہیں، یہ لوگ

خوابیدہ ہیں اور محض ایک ایسے خول کے مانند ہیں جو اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔

مرشد، ایک ایسا شخص ہے جو بھرپور وجود اور ہستی کا مالک ہوتا ہے، اس میں مکمل استعداد اور اختیار موجود ہوتا ہے اور وہ بھرپور توانائی اور روشنی کا مظہر ہوتا ہے۔ روح، آپ کو تخلیق کرنا ہوتی ہے، کیونکہ آپ محض اس روح کے مکین ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ مہمان کو اپنے پاس آنے پر آمادہ کریں، آپ کو لازمی طور پر مہمان کو مدعو کرنا چاہئے۔ مکان تیار ہے لیکن مہمان کی آمد ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔

صوفی کہتے ہیں: ''آپ اپنی ہستی کی موجودگی معلوم کرنے کے لئے کس طرح بہت سے طریقے سے معلوم کر سکتے ہیں جب تک آپ اس شخص کی رفاقت اختیار نہیں کرتے جس کی ہستی واقعی موجود ہے؟'' اسی کو تو مُرشد کہتے ہیں۔ مرشد کوئی استاد یا اتالیق نہیں ہے، وہ ایک مقناطیسی قوت ہے، مثبت توانائی پر مشتمل ایک مقناطیسی میدان ہے۔

صوفی کہتے ہیں کہ جب بھی آپ اپنے مرشد کی رفاقت اور قربت اختیار کرتے ہیں، آپ میں ایک قسم کا وقار اور دبدبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ کا مرشد، آپ کو وقار اور شان عطا کرتا ہے اور آپ شکر گزاری کے ساتھ اس کا یہ تحفہ قبول کر لیتے ہیں کیونکہ اگر آپ وہاں موجود بھی نہ ہوتے تو پھر بھی مرشد آپ کو یہ سب کچھ عطا کر دیتا۔ اور یہ ایک نہایت فطری عمل ہے، جس طرح فطری انداز میں دریا بہتا ہے، پھول کھلتا ہے اور اس کی خوشبو ہر طرف پھیل جاتی ہے، لہٰذا مرشد کا یہ عمل بھی ایک فطری فعل ہے۔ مرشد پر بھی پھول کے مانند نکھار آ چکا ہے اور اس کی خوشبو چار سُو پھیل چکی ہے اور ہواؤں میں اس کی مہک محسوس ہو رہی ہے۔ یہ خوشبو اور مہک ہر طرف موجود ہے خواہ اسے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر کوئی اس خوشبو اور مہک کو قبول کر سکتا ہے تو اسے اس نعمت سے سرفراز کیا جائے گا، اگر کوئی شخص اس خوشبو اور مہک کو قبول نہیں کرتا تو تب بھی مرشد اپنا ہاتھ نہیں روکتا۔ اس کا فیض اور عرفان جاری رہتا ہے۔ اس کا یہ فیض اور عرفان، خاص طور پر صرف آپ کے لئے نہیں ہے، اس کا یہ فیض اور اور عرفان جاری رہتا ہے کیونکہ مرشد کا اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور اس نے یہ فیض اور عرفان ہر قیمت پر پھیلانا ہی ہوتا ہے، جس طرح ایک چراغ سے روشنی سب کو فیض یاب کرتی ہے اور جس طرح، ایک پھول، اپنی خوشبو اور مہک سے بلا تخصیص سب کو معطر کرتا ہے، اور مرشد کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔

صوفیوں کا یہ موقف بالکل درست ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرشد وہ شخص ہے جو بصیرت اور بصارت دونوں سے مالا مال ہے۔ یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مرشد ہی یہ شخص ہے۔ صوفیوں کے راستے چلنے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ طالب اپنے مرشد کو پہچان لے۔ اس سے قبل ہر چیز بے کار و بے سود ہے۔ اس سے قبل ہر چیز پریشان کن تھی۔ آپ کو بھرپور طمانیت اور سکون اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آپ ایک ایسے شخص کے ساتھ منسلک ہو جائیں جسے اطمینان اور سکون کی دولت پہلے ہی سے میسر ہے۔ اور پھر مرشد اور مرید کے درمیان، یہ ربط اور تعلق، عشق کی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ عشق، کسی منطق اور عقل کے تابع نہیں ہے۔ یہ سوچنے کی نہیں بلکہ محسوس کرنے کی بات ہے۔

لہٰذا وہ لوگ جو لوگ غیر ضروری طور پر استدلال اور منطق میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کے بھٹک جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ جو استدلال اور منطق کے بجائے احساس کا راستہ اختیار کرتے ہیں، وہی اپنے مرشد سے رفاقت اور قربت اختیار کر سکتے ہیں۔ یاد رکھئے، آپ کو اپنا رویہ تبدیل کرنا ہوگا، سوچنے کے بجائے محسوس کرنے کا راستہ اپنانا ہوگا۔ احساس، آپ کے اندر موجود ایک ایسی چیز کے بہت نزدیک ہے جسے وجدان کہتے ہیں، اسی طرح، سوچ آپ کے اندر موجود وجدان سے کوسوں دور ہے۔ سوچنے کا عمل، ایک قسم کی تدریس اور آموزش کے مانند ہے۔ آپ دوسرے لوگوں کی سوچ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ یہ تدریسی اور آموزشی عمل ہے۔ کوئی ایسی چیز جو آپ کو سکھائی نہیں جا سکتی اور نہ ہی آپ کے اندر پیدا کی جا سکتی ہے، وہ وجدان ہے۔ آپ۔ نہ کسی شخص سے بھی کچھ نہیں سیکھا اور نہ ہی کسی سکول، کالج یا یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی، اس چیز کے متعلق کسی شخص نے آپ کو کچھ نہیں بتایا، یہ آپ کے اندر خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، یہ آپ کے اندر خودرَو پودے کے مانند از خود پھوٹ پڑتی ہے، یہ وجدان ہے، آپ کو کہیں اِدھر اُدھر دیکھنے کی نہیں بلکہ اپنے اندر جھانکنے کی ضرورت ہے لہٰذا محسوس کرنے کا عمل، وجدان کے بہت قریب ہے۔

مجھے ناممکنات کی توقع نہیں ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ محض وجدانی کیفیت کے تابع ہو جائیں۔ کیونکہ آپ کے لئے ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت، اگر آپ صرف ایک چیز پر عمل کر سکیں تو وہ یہ ہے کہ آپ سوچ سے نکل کر احساس کی طرف آ ئیں، یہی آپ کے لئے کافی ہوگا۔ پھر

احساس سے وجدان کی طرف مراجعت، نہایت آسان ہے لیکن سوچ سے براہ راست وجدان کی طرف مراجعت، بہت ہی مشکل ہے۔ ان دونوں کا کوئی میل نہیں، یہ آپس میں متوازی ہیں اور محسوس کرنے کا عمل ان دونوں کے درمیان ہے۔ احساس سے، سوچ اور وجدان، دونوں یکساں فاصلے پر ہیں، اگر آپ یہ راستہ اختیار کریں گے تو سوچ واستدلال تک پہنچ پائیں گے اور دوسرا راستہ اختیار کریں گے تو وجدان تک پہنچ جائیں گے۔

جب آپ احساس کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو پھر سوچ اور وجدان کے مابین تعلق قائم رہ جاتا ہے اور بعض اوقات یہ ایک دوسرے میں مدغم بھی ہو جاتے ہیں۔ سوچ کا کچھ حصہ احساس میں باقی رہ جاتا ہے اور وجدان کا کچھ حصہ بھی احساس میں باقی موجود رہ جاتا ہے۔ پھر انتخاب کے فیصلے کا انحصار آپ پر ہے۔

مرشد کی تلاش سے مراد ذہنی کیفیت میں تبدیلی ہے..... اور آپ کو احساس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ منسلک ہو جانا چاہئے۔ اگر آپ اپنے ذہن میں سوچوں کے انبار لئے مرشد کے پاس جائیں گے تو یہ خیالات، آپ کو وہاں نہیں پہنچنے دیں گے۔ یہ خیالات، مرشد کے پاس پہنچنے کے لئے پل کی حیثیت نہیں، بلکہ دیوار کی حیثیت اختیار کر جائیں گے۔

لوگ، اس قدر بے پروا اور تنہا ہوتے ہیں کیونکہ وہ پل تخلیق نہیں کرتے بلکہ دیواریں کھڑا کرتے ہیں، اور پھر یہ لوگ نقصان اٹھاتے ہیں اور یہ دیواریں خود آپ ہی کھڑا کرتے ہیں۔ جب آپ مرشد کی تلاش میں مصروف ہوتے ہیں، تو پھر یاد رکھیے کہ آپ کو سوچ سے احساس کی طرف مراجعت کرنا ہوگی۔ جب آپ ایک ایسے شخص کے پاس آجاتے ہیں جس کی موجودگی آپ محسوس کر سکیں، تو پھر خواہ آپ اپنے خیالات کے انبار تلے دبے ہوئے ہوں، اس کی موجودگی آپ کو محسوس ہوگی۔ یہ ایک ایسی اہم چیز ہے کہ آپ اسے محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے لیکن اس مقصد کے حصول کی خاطر آپ کو احساس کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہوگا اور احساس کی طرف زیادہ سے زیادہ مراجعت کرنا ہوگی۔ جب اس تعلق کا آغاز ہوتا ہے، پھر آپ اپنی زندگی کے عظیم سفر، مہم اور وجد آفرینی کی طرف گامزن ہو جاتے ہیں۔

صوفیوں کا کہنا ہے کہ پہلا قدم، اس شخص کی رفاقت وقربت کا حصول ہے، جس کی ہستی محض کھوکھلی نہیں ہے بلکہ بھرپور حقیقت سے مزین ہے۔ اس رفاقت وقربت سے قبل ہر چیز بے کار اور

فضول ہے اور زندگی بے حقیقت ہے۔ حقیقی زندگی کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب آپ ایک مرشد کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں، اس رفاقت وقربت سے قبل زندگی محض خواب تھی، ایک سراب و دھوکا تھی۔ اس سے قبل، زندگی خیالات کا ایک مجموعہ تھی، زندگی ایک ویرانہ تھی۔ صرف احساسات ہی نکھرتے ہیں، خیالات میں کبھی بھی نکھار پیدا نہیں ہوتا۔ خیالات تو غیر تعمیری اور غیر تخلیقی ہوتے ہیں کیونکہ یہ آپ کے اپنے نہیں ہوتے، یہ اصلی نہیں ہوتے۔ کسی ایک بھی حقیقت کو خیال نہیں کہا جا سکتا۔ خیال، انتہائی کمزور چیز ہے ہر چیز احساس کے ذریعے معلوم کی جاسکتی ہے، ہر چیز احساس کے ذریعے دریافت کی جاسکتی ہے اور ہر چیز احساس کے ذریعے تخلیق کی جاسکتی ہے۔

دوسرا مرحلہ اور قدم، اطاعت گزاری اور پیروی کا ہے..... اور اس کے بعد مزید اور کوئی مراحل نہیں ہیں۔ یہ تمام سفر اور راستہ محض دو سادہ مراحل پر مشتمل ہے۔ پہلا مرحلہ اور قدم، اس شخص کے ساتھ رفاقت اور قربت کا حصول ہے جسے پہلے ہی سے خدا تعالیٰ کی قربت و رفاقت حاصل ہے اور دوسرا مرحلہ اور قدم، اس کی اطاعت گزاری اور پیروی کا ہے۔ صوفیوں کا کہنا ہے یہی دونوں مراحل کافی ہیں۔ ان دو مراحل ہی میں لاکھوں میل کا سفر طے ہو جاتا ہے۔ پہلا مرحلہ نہایت مشکل اور مشقت طلب ہے، جیسے ہی آپ مرشد کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں تو پھر آپ کی طرف سے اطاعت گزاری اور پیروی کے سلسلے کا آغاز ہو جاتا ہے، اور آپ اس عمل سے زیادہ دیر تک رُک نہیں سکتے۔ اصل چیز، مرشد کے ساتھ رفاقت اور قربت کا قیام ہے۔

بعض اوقات تو اس طرح ہوتا ہے کہ آپ مرشد سے منسلک بھی نہیں ہوتے لیکن اطاعت گزاری اور پیروی کے سلسلے کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہ اطاعت گزاری اور پیروی، محض دکھاوا ہوتی ہے، آپ کی طرف سے یہ اطاعت گزاری اور پیروی آپ کی سوچ کا نتیجہ ہوتی ہے جو محض ایک سراب اور دھوکا ہے۔ اس وقت آپ محض یہ اداکاری کر رہے ہوتے ہیں کہ آپ اطاعت گزاری اور پیروی میں مصروف ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ محض آپ کی مصلحت ہوتی ہے، آپ اپنے سامنے موجود شخص سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ اسے اپنے دام میں نہیں لا سکتے۔ آپ اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنے ذہن میں منصوبہ بناتے ہیں: ''ٹھیک ہے، اگر اطاعت گزاری اور پیروی ہی شرط ہے تو پھر میں اطاعت اور پیروی کروں گا۔'' لیکن آپ کی یہ اطاعت گزاری اور پیروی، محض نمائشی ہے اور اسے کسی طور پر اطاعت

اور پیروی نہیں کہا جاسکتا۔ اطاعت گزاری اور پیروی، ایک دانستہ عمل ہے، اسے رونما کرنا پڑتا ہے اور آپ اس کی خواہش بھی نہیں کر سکتے۔ اگر یہ آپ کی خواہش ہوتی تو آپ اس خواہش سے دستبردار ہو سکتے ہیں، اگر آپ اطاعت گزاری اور پیروی کا عمل اختیار کرتے ہیں تو آپ اس کے الٹ بھی کر سکتے ہیں، لہٰذا اطاعت گزاری اور پیروی، ایک ایسا عمل ہے جو رونما ہوتا ہے۔

اس لئے آپ کو چاہئے کہ آپ قدم بہ قدم چلیں۔ مرحلہ وار قدم اٹھائیں اور اس ضمن میں صرف دو قدم اور مراحل ہیں۔ سب سے پہلے تو مرشد کی رفاقت وقربت کا جام پی لیجئے، اس کے تعلق میں گم ہو جایئے، اور پھر اطاعت گزاری اور پیروی کے لئے آپ کو کوشش کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آپ میں یہ احساس پیدا ہونا شروع ہوگا کہ آپ اپنا سرِ تسلیم خم کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں جلد بازی کا مظاہرہ مت کیجئے۔ بعض اوقات تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ سب کچھ جلدی میں کر رہے ہیں، خاص طور پر زمانہء حال میں ''جلد بازی'' ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ہر شخص، جلدی میں ہے اور ہر کام تیزی اور جلدی سے کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ مرشد کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں اور آپ یہ سنتے ہیں کہ اطاعت گزاری اور پیروی درکار ہے، تو پھر آپ اطاعت اور پیروی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں: ''کیوں نہیں، تجربہ کر ہی لیتے ہیں، اگر مجھے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے تو بہت خوب ورنہ اگر کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو کوئی بات نہیں، میرا کیا نقصان ہوگا۔'' لیکن یہ اطاعت و پیروی، کسی کام کی نہ ہوتی۔ یہ وہ اطاعت گزاری اور پیروی نہیں ہے جس کے متعلق صوفی بات کرتے ہیں، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ دوسرا قدم ہے، پہلا نہیں ہے۔ پہلا قدم تو یہ ہے کہ مرشد کی ہستی کی حقیقت کو تسلیم کیا جائے اور اس کی رفاقت وقربت حاصل کی جائے۔

پراگوش نامی سنیاسی، جو مجھے اکثر لکھتا رہتا ہے، اپنی ایک تحریر کے ذریعے مجھ سے پوچھتا ہے: ''اوشو، کیا وجہ ہے، تم تو مجھے ایک عام شخص دکھائی دیتے ہو!'' پہلے تو میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اب اسے جواب دینے کا صحیح وقت آن پہنچا ہے۔ میں عام شخص دکھائی نہیں دیتا بلکہ میں تو ہوں ہی ایک عام شخص، لیکن مسئلہ کیا ہے؟ میں اپنی معمولی اور عام حیثیت کے متعلق فکر مند نہیں ہوں، اور میں اپنی اس حیثیت ہی میں بہت خوش ہوں، اب پراگوش کو کیا تکلیف ہے؟ اسے یہ فکر ہے کہ وہ مجھے بہت ہی زیادہ غیر معمولی شخص دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کے ہاتھوں معجزے رونما ہوتے ہیں یا پھر وہ مجھے اسی قسم کا شخص دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے ذہن میں کوئی احمقانہ

بات بیٹھ چکی ہے۔ وہ مجھے شعبدہ باز دیکھنا چاہتا ہے...... جو اپنے شعبدوں کے ذریعے راکھ یا سوئٹزرلینڈ کی بنی ہوئی گھڑیاں نکال کر دکھائے، یا پھر کسی قسم کے معجزات کا مظاہرہ کرے۔ اسے کسی مرشد کی نہیں بلکہ جادوگر کی تلاش ہے۔

یہ تلاش 'اَنا' کی تلاش ہے۔ وہ مجھے ایک نہایت ہی غیر معمولی شخص دیکھنے کا خواہشمند ہے تاکہ اس کی اَنا کو یہ تسکین حاصل ہو سکے کہ وہ ایک غیر معمولی شخص کا مرید ہے۔ اگر میں اپنے لمس سے بیمار لوگوں کو تندرست کر دوں، اگر میں اپنے لمس سے مردوں کو زندہ کر دوں تو پھر پراگوش بہت خوش ہوگا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی اطاعت گزاری اور پیروی کی جاسکتی ہے۔ پھر یہ اطاعت اور پیروی میری اطاعت و پیروی نہیں ہوگی بلکہ یہ تو آپ کی اَنا کی تسکین کا سامان ہوگا۔ آپ بہت خوشی اور اطمینان محسوس کریں گے کہ آپ ایک نہایت غیر معمولی شخص کے مرید ہیں۔

صوفی، معجزوں پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ معجزہ آرائی کے حامل لوگ احمق ہیں، اور صرف احمق لوگ ان کے معجزات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مرشد ایک عام انسان ہوتا ہے، مرشد ایک فہیم اور باشعور انسان ہوتا ہے۔ ایک مرشد، اس قدر معمولی اور عام انسان ہوتا ہے کہ اس میں کسی بھی قسم کی اَنا اور خود پرستی موجود نہیں ہوتی۔ تمام قسم کے غیر معمولی انسان، کسی نہ کسی قسم کی اَنا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مرشد، انتہائی عاجز اور منکسر المزاج ہوتا ہے۔ اس کی خاکساری، اس کی منکسر المزاجی ہوتی ہے۔ احساس کمتری میں مبتلا لوگ ہی لوگوں میں غیر معمولی پن ڈھونڈتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو خود پر اعتماد ہے تو وہ کسی غیر معمولی پن کو نہیں تلاش کرتا، کسی خاص مہارت کے حامل شخص کی تلاش میں نہیں ہوتا۔ معمولی اور عمومی حیثیت کی اپنائیت، غیر معمولی خوبصورتی اور مہارت ہے۔

مگر مجھے معلوم ہے کہ اسے کیا مشکل درپیش ہے۔ وہ میرے ذریعے اپنی اَنا کی تسکین چاہتا ہے، اسی لئے وہ پریشان ہے کہ اوشو تو کسی قسم کے معجزے پیش نہیں کر رہا ہے، وہ تو ایک سنیاسی ہے۔ لیکن یہ اطاعت گزاری اور پیروی کس قسم کی ہے؟ یہ اطاعت گزاری اور پیروی نہیں ہے، اس نے ابھی تک میری ہستی کو قبول ہی نہیں کیا، اس نے ابھی تک میری رفاقت وقربت حاصل ہی نہیں کی۔ نہ تو اس کو میں نے اپنا لمس عطا کیا ہے اور نہ ہی ابھی تک اس نے مجھے چھُوا ہے اور وہ پھر بھی ایک سنیاسی ہے، وہ جلدی میں ہوگا لیکن اسے تھوڑا سا انتظار کر لینا چاہئے۔ اور پھر دوسرے ہی دن اس کی بیوی، جی ہاں اس کی بیوی، اُرمی میرے پاس آئی، وہ رو اور چلا رہی تھی، مجھے کہنے لگی:

''اوشو، میں کیا کروں، پراگوش نے مجھے بہت اونچے مرتبے پر چڑھادیا ہے، وہ تقریباً مجھے یہ سمجھتا ہے کہ میں ایک دیوی ہوں اور پھر وہ مجھے احساسِ ندامت میں مبتلا کر دیتا ہے کیونکہ میں تو ایک انسان ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں دیویوں جیسا طرزِ عمل اختیار کروں، اور اگر میں دیویوں جیسا طرزِ عمل اختیار نہیں کرتی تو وہ احساسِ ندامت میں مبتلا کر دیتا ہے۔'' جب وہ اپنی پریشانی اور مصیبت کا ذکر کر رہی تھی اور اپنا قصہ مجھے سنا رہی تھی، تو میں سوچ رہا تھا: ''اور وہ تمہارے ساتھ بھی وہی رویہ اپنائے ہوئے ہے، جس طرح وہ اپنی اَنا کی تسکین کے لئے مجھے ایک غیر معمولی انسان دیکھنا چاہتا ہے۔'' یہی کچھ اب وہ میرے ساتھ بھی دہرانا چاہتا ہے۔ وہ مجھے ایک بہت ہی اونچے مرتبے پر چڑھا دینا چاہتا ہے، ایک ایسا شخص جو معجزات دکھائے یا پھر کوئی مافوق الفطرت کام کر کے دکھائے۔

اگر ایک دفعہ وہ مجھے اونچے مرتبے پر چڑھانے میں کامیاب ہو گیا تو پھر میری باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہو گی، میں اس کے اشاروں پر کٹھ پتلی کے مانند ناچوں گا۔ پھر اگر وہ مجھے اس بلند مقام سے نیچے گرانا چاہے گا تو اسے کوئی نہیں روک سکے گا۔ یہی طرزِ عمل اور رویہ، اس نے اپنی بیوی کے ساتھ بھی اپنا رکھا ہے، پہلے وہ اسے اونچے مرتبے پر چڑھائے گا، اور پھر وہ اسے احساسِ ندامت اور اذیت میں مبتلا کرے گا، کیوں اس کی باگ ڈور پراگوش کے ہاتھ میں ہو گی۔

آپ دیکھئے، اس کی اَنا، یہ مکارانہ کھیل کیسے کھیلتی ہے...... بظاہر یہ سب کچھ نہایت اُلٹ دکھائی دیتا ہے...... وہ ایک بہت ہی منکسر المزاج شخص ہے اور اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنے کی خاطر کہ وہ اپنی بیوی کو دیوی جیسے اونچے مرتبے پر چڑھا دیتا ہے۔ آپ اسے نہایت منکسر المزاج سمجھ رہے ہوں گے۔ وہ ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ بہت مکار و عیار ہے، وہ سیاست و مصلحت سے کام لے رہا ہے اور ممکن ہے کہ وہ یہ سب کچھ شعوری طور پر نہ کر رہا ہو اور وہ غیر شعوری طور پر اپنی اَنا کی تسکین میں مصروف ہو۔ جب آپ نے اپنی بیوی کو دیوی کے مرتبے پر چڑھا دیا، اب وہ آپ کے اشاروں کے تابع ہو گی، پھر وہ دیوی سے انسان کے درجے تک نہیں آ سکے گی، پھر آپ اس میں نقص نکال سکتے ہیں، اس کی غلطیاں نکال سکیں گے، پھر وہ آپ سے خوفزدہ ہو جائے گی، خوفزدہ کیوں کہ آپ کسی بھی وقت اسے اس مرتبے سے نیچے گرا سکتے ہیں اور وہ یہی تمام کچھ میرے ساتھ بھی کرنا چاہتا ہے۔

پہلے تو اس کی خواہش ہے کہ وہ مجھے اونچے منصب پر متمکن کر دے، اور پھر میری باگ ڈور خود سنبھال لے۔ اب یہ کھیل ملاحظہ فرمائیے، اگر مرید، اپنے مرشد پر غالب آنا چاہتا ہے اور اگر میں ایک عام انسان ہوں، پھر وہ مجھ پر غالب نہیں آ سکے گا، پھر وہ مجھے اپنی اصلی حیثیت سے نیچے نہیں گرا سکے گا...... پھر میں ہموار زمین پر کھڑا ہوں گا۔ جہاں سے وہ مجھے نیچے گرا سکے گا؟ ہرگز نہیں! پھر میری باگ ڈور اس کے ہاتھ میں نہیں ہو گی، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو وہ میرے پاس آئے گا اور کہے گا: ''اوشو! تم تو اس قدر مرتبے پر فائز ہو، فلاں کام کرو، اس طرح مت کہو!''

عرصہ دراز سے میں یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ ان بیس سال کے دوران لاکھوں افراد سے میری ملاقات ہوئی...... اور میں نے یہی ایک بات محسوس کی، بلکہ بچشم خود دیکھی کہ ہر شخص، اپنے مرشد کو اپنے اشاروں پر نچانا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ مرشد اس کی مرضی کے خلاف نہ تو کچھ کر سکے اور نہ ہی کچھ کہہ سکے۔ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: ''تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہئے کیوں کہ تمہارا مرتبہ کم ہو جائے گا، تمہیں اس طرح بات نہیں کرنا چاہئے!''

چند دن پہلے ایک ہندوستانی شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اگر آپ سے کوئی پوچھے بھی تو آپ کو ہم جنس پرستی کے متعلق بات نہیں کرنا چاہئے، اور اگر یہ غلط بھی نہیں ہے تو پھر بھی آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہئے، ورنہ لوگ سمجھیں گے کہ آپ ہم جنس پرستی کے حق میں ہیں۔'' اس کے کہنے سے مراد یہ تھی کہ اس طرح میرا مقام لوگوں کی نظروں سے گر جاتا۔

ان بیس سال کے دوران، لوگ مجھے قسم قسم کے مشورے دیتے رہتے ہیں۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، آپ کو ویسا نہیں کہنا چاہئے! عام طور پر میں جین (مذہب) خاندان کے ساتھ رہتا ہوں۔ وہ مجھے کہتے: ''تمہیں رات کو کھانا نہیں کھانا چاہئے کیونکہ اگر آپ رات کے وقت کھانا کھاتے ہیں، اور کسی کو اس کا علم ہو جاتا ہے، تو وہ حیران ہو گا کہ آپ کس قسم کے لوگ ہیں۔'' اب اگر میں ان کے بلند معیار تک پہنچنا چاہتا ہوں تو پھر مجھے بھوکا رہنا پڑے گا!

میں کسی زمانے میں ونوبا کے آشرم میں رہتا تھا اور میں صبح چھ بجے بیدار ہوتا تھا۔ ونوبا صبح تین بجے بیدار ہو جایا کرتا تھا۔ ایک دن اس کے چیلے میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ''آپ یہ کیا کر رہے ہیں، آپ کو صبح تین بجے بیدار ہو جانا چاہئے، ورنہ اس آشرم میں رہنے والے لوگ حیران ہوں گے کہ آپ کس قسم کے بزرگ ہیں، کیونکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ بزرگ تین بجے صبح

بیدار ہو جاتے ہیں۔

میں نے جواب دیا: "مجھے تم کوئی بزرگ مت سمجھو۔ میں تو چھ بجے تک ہی سوؤں گا، تم جو کچھ سوچ رہے ہو، اس کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے، میں محض تمہارا بزرگ بننے کی خاطر اپنی نیند خراب نہیں کرسکتا، اب اس کے متعلق سب کچھ بھول جاؤ!"

پھر بہت سے مشورے اور ہدایتیں، آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے، آپ کو اس طرح نہیں ہونا چاہئے، آپ کو اس کے متعلق بات نہیں کرنا چاہئے! اور وہ سب یہی سمجھتے ہیں کہ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور وہ سب یہی سمجھتے ہیں کہ وہ میرے چیلے ہیں، میرے پیروکار ہیں۔ وہ تو یہ کوشش کر رہے ہیں کہ عوام کی نظروں میں ان کے مرشد کا مقام بلند ہو اور پھر وہ اس امر پر اصرار کرتے ہیں، "ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ غلط ہیں، ہم تو محض عوام میں آپ کے مقام کے باعث کہہ رہے ہیں۔"

اب پراگوش مجھے ایک بلند منصب پر چڑھا دینا چاہتا ہے، اور پھر وہ میری باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے گا، اور پھر اگر میں اسی بلند مرتبے پر برقرار رہنا چاہوں گا، مجھے پراگوش کے اشاروں اور ہدایات کا منتظر رہنا پڑے گا کہ پراگوش کہاں ہے کہ وہ مجھے ہدایات جاری کرے، ورنہ میں اس بلند منصب پر برقرار نہیں رہ سکوں گا۔ اب کون شخص ہے جو مجھے بلند منصب عطا کرے گا؟ یاد رکھئے، پراگوش ہی وہی شخص ہے جو صرف اپنی اَنا کی خاطر اونچے مقام پر دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ایک غیر معمولی شخص کا چیلا بننا چاہتا ہے، پھر اس کی اَنا، انتہائی تسکین وطمانیت محسوس کرے گی۔

میں درحقیقت ایک عام اور معمولی شخص ہوں، لیکن میں ایسا نظر نہیں آتا ہوں، پھر یہ بھی ایک چال ہے۔ وہ مجھ سے بدستور پوچھ رہا ہے، "آپ اس قدر معمولی اور عام شخص کیوں نظر آتے ہیں؟" وہ یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ "آپ تو ایک معمولی اور عام انسان ہیں۔" وہ یہ یقین نہیں کرسکتا کہ میں ایک عام اور معمولی شخص ہوں، ممکن ہے کہ میں محض خود کو معمولی اور عام شخص ظاہر کر رہا ہوں، اب اسے کچھ امید ہے کہ میں کچھ دن بعد اپنے غیر معمولی معجزات پیش کروں گا۔ پراگوش، تمہاری یہ امید پوری نہیں ہوسکتی، ایسا کبھی نہیں ہوگا، میں واقعی ایک معمولی اور عام انسان ہوں اور میں ایک عام اور معمولی شخص کے طور پر اداکاری بھی نہیں کر رہا، میں ایک معمولی اور عام انسان ہوں، اور حتٰی کہ میں ایک عام اور معمولی شخص ہوں، اس لئے تمہارے لئے اطاعت گزاری اور پیروی کا ایک

موقع ضرور موجود ہے۔ پھر میں ایسا کوئی کام بھی نہیں کروں گا جس سے تمہیں یہ اشارہ ملے کہ میں ایک غیر معمولی اور خاص شخص ہوں۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا پھر تمہاری یہ اطاعت گزاری اور پیروی، سچی اور پُرخلوص ہوگی۔

اگر تم کسی عام اور معمولی انسان کی پیرُوی اور اطاعت کرسکتے ہو تو پھر تمہاری یہ اَنا، تحلیل ہو جائے گی۔ صوفیوں نے کبھی معجزے نہیں دکھائے اور وہ تو ہمیشہ نہایت اور معمولی انسان رہے ہیں۔ یہی چیز صوفیانہ مسلک کا ایک بنیادی اصول ہے۔ کیونکہ مرشد صرف اس لئے موجود ہوتا ہے کہ آپ اطاعت اور پیروی اختیار کرسکیں اور یہ صرف مرشد کی معمولی اور عام حیثیت کے باعث ہی ہوسکتا ہے۔ اگر وہ ایک عام اور معمولی انسان نہیں ہے تو پھر آپ خوش ہوں گے کہ آپ ایک عام اور معمولی شخص نہیں ہیں...... آپ ایک غیر معمولی اور خاص شخص کے ساتھ منسلک ہو چکے ہیں، اس لئے آپ بھی ایک غیر معمولی اور خاص شخص ہیں۔

سچی اور پُرخلوص اطاعت اور پیروی، اسی وقت ممکن ہے جب ایک عام اور معمولی شخص کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیا جائے اور پھر اس اطاعت اور پیروی کے ذریعے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ زندگی، خوشیوں، برکتوں اور مسرتوں سے کس قدر بھرپور ہے اور اس میں کس قدر خوبصورتیاں موجود ہیں۔ کائنات میں موجود یہ درخت، پرندے، آسمان و زمین کس قدر سادہ ہیں اور پھر خدا تعالٰی کی ذات بھی تصنع سے پاک ہے۔ ان میں کسی بھی قسم کی اَنا موجود نہیں ہے، تو پھر کون خود کو غیر معمولی اور خاص سمجھ سکتا ہے؟ کائنات میں مظاہرِ قدرت کی موجودگی سادہ نوعیت کی حامل ہے، لیکن یہ سادگی بھی حُسن اور خوشی سے بھرپور ہے۔ مزید یہ کہ سادگی کی اپنائیت، مذہبی اندازِ فکر کی اپنائیت کی علامت ہے کیونکہ تمام مذاہب سادگی کی تعلیم دیتے ہیں۔

جو لوگ اس وقت میرے پاس موجود ہیں، اور جو لوگ جنہیں واقعی میری رفاقت وقربت حاصل ہے، انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ لوگ غیر معمولی اور خاص ہونے کی حسرت اور آرزو میں کیوں مبتلا ہیں؟ پراگوش میں کسی قسم کا احساسِ کمتری موجود ہے، لہٰذا وہ اپنے سے کہیں غیر معمولی اور خاص انسان کی تلاش میں ہے۔ اگر وہ بذاتِ خود ایک غیر معمولی اور خاص انسان بننے کی صلاحیت سے محروم ہے تو پھر کم از کم وہ کسی غیر معمولی اور خاص شخص کا پیروکار تو ہوسکتا ہے لیکن یہ ایک ایسی خواہش اور تمنا ہے جو احساسِ کمتری ہی کا نتیجہ ہوسکتی ہے۔ جب آپ اطاعت

اور پیروی کا عمل اختیار کرتے ہیں تو آپ اپنے تمام امور، اپنا احساسِ کمتری، اپنا احساسِ برتری، اپنی اَنا، اپنی عاجزی سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ اگر آپ نے اطاعت و پیروی اختیار کرنا ہے تو مکمل طور پر کریں، جزوی طور پر نہ کریں۔ آپ خود کو ایک جگہ سمیٹ لیتے ہیں اور خود کو مرشد کے قدموں میں نچھاور کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں: ''میں اس وقت کچھ بھی نہیں ہوں۔'' اور پھر اسی لمحے ہی تمام سوالات تحلیل ہو جاتے ہیں۔

اس لمحے، کسی بھی قسم کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اس لمحے سے سوال و جواب کے تمام سلسلے تمام ہو چکے ہوتے ہیں۔ جب آپ خود کو مکمل طور پر مرشد کے قدموں میں نچھاور کر دیتے ہیں تو پھر مرشد سے کسی بھی قسم کے سوال و جواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر سوال کرنا ہے اور جس قدر زیادہ سوال کرنے ہیں تو پھر مرشد کے سامنے اطاعت اور پیروی کا اظہار کرنے سے پہلے پوچھئے۔ لیکن جب آپ مرشد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر چکیں تو پھر کسی سوال جواب کی ضرورت نہیں رہتی اور اگر ابھی بھی آپ کے ذہن میں سوالات موجود ہیں، آپ کا ذہن ابھی بھی شکوک و شبہات سے بھرپور ہے تو پھر آپ کی طرف سے اطاعت اور پیروی کا عمل رونما نہیں ہوا۔

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ مرشد کے ساتھ رفاقت و قربت کا تعلق قائم ہو، اور دوسرا مرحلہ، اطاعت و پیروی کا ہے، اور پھر صوفیوں کے مطابق تمام سفر طے ہوا!

مرشد کو کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے؟ بلاشبہ، خیال کے ذریعے تو مرشد کی تلاش نہیں کی جا سکتی، اور پھر سوچ کے ذریعے بھی ایسا ناممکن ہے لیکن آپ اسی عمل کو دہراتے جاتے ہیں، ماضی کے اسی پرانے طریقے کو اپنائے جاتے ہیں۔ سوچ کے ذریعے، آپ ماضی ہی میں سفر کرتے رہتے ہیں اور کسی نئی چیز کو اپنانے کے تمام امکانات اور مواقع مسدود کر دیتے ہیں، اور پھر یہ دیکھیں، جب آپ سوچ کے عمل میں مسلسل مصروف رہتے ہیں تو اس آپ کے اندر مسلسل کھد بد مچی ہوتی ہے، ایک لمحے کے لئے غور کیجئے، آپ کے اندر مسلسل کوئی گفتگو جاری ہے، آپ اندرونی طور پر بدستور باتیں کر رہے ہیں۔

یہ اندرونی باتیں، اندرونی خیالات، آپ کو حقیقت سے دور لے جاتے ہیں۔ جب یہ اندرونی گفتگو ختم ہو جاتی ہے، خواہ ایک لمحے کے لئے ہی سہی، تو پھر آپ حقیقت میں واپس آ جاتے ہیں، آپ اپنے مرشد کے نزدیک ہو جاتے ہیں، وہ مرشد جو آپ کا محبوب ہے، اس طرح

آپ اپنے خدا سے بھی قربت اختیار کر لیتے ہیں جو تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ جب بھی آپ کسی شخص، اپنی بیوی، اپنے شوہر، اپنے مرشد، اپنے خدا، اپنی ہستی کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو پھر یہ اندرونی خیالات اور باتیں ختم ہو جانا چاہئیں۔ کسی بھی شخص یا ہستی کے ساتھ رفاقت اور قربت قائم کرنے کی راہ میں یہ اندرونی خیالات اور باتیں حائل ہیں۔

ان اندرونی خیالات سے نجات حاصل کئے بغیر آپ مرشد کو تلاش نہیں کر سکتے۔ اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے: ''مرشد کو کیسے تلاش کیا جائے؟'' اس ضمن میں آپ کو خاموش رہنے کے متعدد طریقے سیکھنا ہوں گے اور جب آپ اس شخص کی خدمت میں حاضر ہو جائیں جو واقعی اپنی ہستی میں موجود ہے، تو پھر خاموش اور باادب بیٹھ جائیے۔ خود کو سمیٹ لیجئے، پُرسکون ہو جائیے، سکوت اختیار کیجئے...... کچھ بھی مت سوچئے کیونکہ سوچنا بھی ایک کام ہے۔ لہٰذا اپنے ذہن میں سے تمام خیالات نکال دیجئے، یہ آپ کے لئے مشکل ہو گا، لیکن جب آپ کوشش کریں گے، پھر چند لمحے بعد آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ مختصر لمحے بار بار آپ پر وارد ہوں گے، لیکن پھر روشنی کے ایک جھپاکے کے مانند کوئی چیز آپ پر طاری ہو جائے گی، آپ اپنے مرشد کے ساتھ منسلک ہو جائیں گے، پھر آپ کا رابطہ ٹوٹے گا، پھر آپ کا رابطہ جُڑ جائے گا، پھر رابطہ منقطع ہو گا، لیکن ایسا ضرور ہو گا۔ اور جب آپ کسی سے، خواہ ایک لمحے ہی کے لئے بھی، مَس ہو گئے تو پھر اس لمس کا ذائقہ محسوس کریں گے، حتیٰ کہ اس لمس کا ایک ذرہ و قطرہ، آپ کو اس کے ذائقے سے روشناس کرا دے گا، پھر تمام بقیہ ہر قسم کے ذائقے غائب ہونا شروع ہو جائیں گے، اور پھر یہی ذائقہ، آپ کا پسندیدہ ذائقہ بن جائے گا۔ پھر تمام خواہشیں، اس ایک ہی خواہش میں ڈھل جائیں گی کہ اس شخص کے ساتھ تعلق کیسے قائم کیا جائے اور کس طرح، مکمل طور پر اس کی رفاقت و قربت حاصل کی جائے؟ اور ہر روز، آپ کی یہ خواہش بڑھتی ہی جائے گی۔ پھر ایک دن دفعتاً آپ کو احساس ہو گا کہ آپ اطاعت اور پیروی کا عمل اختیار کر چکے ہیں۔ بالکل درست، ایک دن آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ اپنا سرِ تسلیم خم کر چکے ہیں۔ یہ تمام کچھ آپ کی بے خبری کے عالم میں ہوتا ہے، آپ اس اطاعت اور پیروی کے لئے دانستہ کوشش نہیں کر رہے ہوتے، بلکہ آپ از خود اطاعت گزار اور پیروکار بن چکے ہوتے ہیں۔

اندرونی خیالات کی موجودگی اور ان میں غلطاں رہنے کا عمل آپ کی پرانی عادت ہے، اور یہ

ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ساتھ آپ ماضی ہی میں اٹکے رہتے ہیں، یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے آپ اپنی اَنا اور شعور خودقدری کے جال میں پھنسے رہتے ہیں، اور پھر مسلسل اور مستقل رات دن سوچتے ہی رہتے ہیں، یہ تمام عمل آپ کی طرف سے ایک محض چال بازی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب ایک دفعہ یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو آپ پھر دنیائے وجدان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

آپ کی وجدانی دنیا، آپ کے اندرونی خیالات کی تہہ کے نیچے پوشیدہ ہوتی ہے، اس لئے اندرونی خیالات سے نجات پانے کے لئے طریقے سیکھ لیجئے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے مرشد کی تلاش کی جاسکتی ہے اور پھر آپ کے لئے نہایت آسان ہو جائے گا کہ آپ سمندر کے کنارے بیٹھنا، شور مچاتی لہریں دیکھنا، سیکھ جائیں...... کیونکہ اس وقت آپ کے پاس سوچنے کے لئے کچھ نہیں ہوتا، اور آپ یونہی یہ سب دیکھتے رہ سکتے ہیں۔ پھر جب آپ گھاس پر لیٹے ہوئے آسمان کو دیکھتے ہیں...... رات کے وقت ستاروں کی جھلملاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہیں...... درختوں اور پودوں کی سرسبزی اور تازگی سے وہ اپنی آنکھوں کو تراوت بخشتے ہیں...... تو پھر اس وقت آپ کے سوچنے کے لئے کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ آپ کو ستاروں کے متعلق سوچنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، یہ اپنی خوبصورتی کے ساتھ آسمان پر موجود ہیں، اور آپ ان کی خوبصورت جھلملاہٹ میں مگن ان کے ساتھ موجود ہیں۔

سب سے پہلے فطرت کے ساتھ رہنا سیکھئے کیوں کہ فطرت خاموش ہے، یہ کوئی جواب نہیں دیتی، یہ کوئی زبان نہیں جانتی، لہٰذا آپ اپنے اندرونی خیالات سے باہر نکل کر، ان افراد کی تلاش کیجئے جو اپنی ہستی میں واقعی موجود ہیں۔ جب آپ کبھی اس قسم کے کسی شخص کے قریب بھی آتے ہیں تو پھر آپ کو یکدم معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں توانائی سرایت کر گئی ہے، آپ میں ایک نئی امنگ ، ترنگ پیدا ہو گئی ہے۔ آپ کے بدن کا ایک ایک ریشہ ارتعاش میں ہے، اور آپ کسی حیرت انگیز، انوکھی اور ناقابلِ یقین چیز کی قربت میں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جس دن مہاتما بدھ معرفت سے سرفراز ہوا، تو چند گھنٹے پہلے ہی اسے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ کوئی حیرت انگیز، انوکھی اور ناقابلِ یقین چیز اس پر وارد ہونے والی ہے۔ یہ چیز اسے پاگل کئے ہوئے تھی لیکن اسے معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کیا چیز ہے لیکن اسے یقین تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ اچانک نمودار ہونے والی چیز، اس کے ذہن و بدن میں سرایت کئے جا رہی

تھی۔ پھر آخری لمحے بصیرت وعرفان سے مشرف ہونے سے محض چند گھنٹے پہلے، اس کی حالت، ایک حاملہ عورت کی سی ہو گئی تھی، جس کے نو ماہ گزر چکے اور اب کسی بھی لمحے ایک نئی زندگی وجود میں آنے والی ہے، ایک بچہ پیدا ہونے کو ہے۔ لیکن صرف حاملہ عورت ہی کو معلوم ہوتا ہے کہ بچہ اس کے پیٹ میں ٹانگیں چلا رہا ہے لیکن جب آپ ایک نئے مہاتما بدھ میں تبدیل ہو رہے ہوتے ہیں تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا، اور کوئی چیز آپ کے اندر کلبلا رہی ہوتی ہے۔

گوتم بدھ کو جب معرفت سے سرفراز کیا گیا تو وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا، اور پھر ایک خاتون نے ایک پیالے میں اسے کچھ مٹھائی پیش کی۔ اس نے مٹھائی کھالی اور پیالہ دھونے کے لئے دریا کی طرف چل پڑا۔ اور یہ بصیرت ومعرفت اس کے چاروں طرف موجود تھی، وہ اسے محسوس کر سکتا تھا۔ یہ عمل اس قدر اچانک واقع ہوا کہ اس سے وہ کام سرزد ہو گیا جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں انجام دیا تھا۔ اس نے وہ پیالہ دریا میں رکھ دیا اور خاص طور پر کسی کا نام لئے بغیر کہا:

''اگر کوئی حیرت انگیز، انوکھا اور ناقابلِ یقین واقعہ میرے ساتھ رونما ہونے کو ہے تو مجھے کچھ علامتیں اور نشانیاں دکھا دیجئے، مجھے پاگل مت کیجئے۔''

گوتم بدھ کے ذہن میں کسی بھی خدا کا تصور تک نہ تھا، اس لئے وہ خدا تعالیٰ کو مخاطب کر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ خاص طور پر کسی سے مخاطب نہیں تھا، بلکہ وہ تو محض ایک ایسی ہستی اور وجود سے مخاطب تھا جو اس کے خیال کے مطابق تمام کائنات پر محیط تھا یا پھر وہ ''خودکلامی'' میں مصروف تھا، ''اے خدا، مجھے واضح نشانی دکھا دیجئے، اور یہ نشانی یہ ہو کہ اگر یہ پیالہ دریا کے مخالف سمت بہنا شروع کر دے تو پھر میں مطمئن ہو جاؤں گا کہ کچھ ظہور ہونے کو ہے...... کیونکہ یہ بوجھ میرے لئے بہت بھاری ہے۔'' اور پھر اس کہانی کا خوبصورت انوکھا اور حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ یہ پیالہ دریا کے بہاؤ کی مخالف سمت بہنا شروع ہو گیا۔ پھر گوتم بدھ مطمئن ہو گیا، اسے تسکین حاصل ہو گئی اور پھر وہ نہایت سکون اور سکوت کے عالم میں درخت کے نیچے بیٹھ گیا کہ اب اسے یقین ہو چکا تھا کہ ''اب کچھ ظہور ہونے کو ہے'' اور صبح تک اسے معرفت سے سرفراز کیا جا چکا تھا۔

یہ تو محض ایک حکایت ہے، آپ اسے محض مثال بھی کہہ سکتے ہیں، اسے آپ حقیقت نہ سمجھ لیں۔ یہ مت سمجھئے کہ پیالہ واقعی دریا کی مخالف سمت بہنا شروع ہو گیا تھا۔ اس حکایت ومثال سے محض یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ رفاقت وقربت ایک ایسا انوکھا، حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین

امر ہے کہ جس طرح پیالے کا دریا کے مخالف سمت بہاؤ ایک انوکھا، حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین تجربہ ہے۔ یہ فطرتِ قوانین کے بالکل الٹ ہے، یہ کششِ ثقل کے بھی بالکل برعکس ہے۔ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ یہ تجربہ ہر قسم کے قوانین کے اُلٹ ہے، یہ ایک نیا تجربہ ہے، یہ ایک نئی واردات ہے، یہ مروجہ قانون کی نئی اختراع ہے، مختلف امور اور قوانین الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں۔ جو چیز پہلے کبھی ظہور نہیں ہوئی تھی، اب اس کا ظہور ہونے جا رہا تھا۔ انسانی شعور ہمیشہ سے ہی خالی تھا، اور اب اس میں کوئی چیز داخل ہونے جا رہی ہے، انسانی شعور ہمیشہ سے ہی بے مقصد رہا تھا، اب اس میں مقصدیت کی آمد ہو رہی ہے۔ پیالے کے دریا کی مخالف سمت بہنے سے یہی مراد ہے، انسانی شعور جو ہمیشہ سے ہموار اور پُرسکون تھا، اب ہچکولے کھا رہا ہے، پیالے کے دریا کی مخالف سمت بہنے سے یہی مراد ہے، ایک جدید اور نیا قانون عالمِ ظہور میں آ رہا ہے۔

ایک مرشد کے ساتھ تعلق و ربط کی استواری ایک نئی دنیا، ایک نئی کائنات کے آغاز کے مترادف ہے۔ اس مقصد کی خاطر آپ کو اپنا ماضی قربان کر دینا ہوگا...... اور پھر ماضی کو قربان کرنے کے لئے، کسی مزید چیز کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اپنے اندرونی خیالات قربان کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی خیالات ہیں جو آپ کو ماضی کی حقیقتوں میں قید رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جسے آپ کو ترک کر دینا ہوگا، یہ ایک ایسی دنیا ہے جس سے آپ کو دستبردار ہونا ہوگا، یہی تو اطاعت و پیروی ہے۔ جب آپ نے کسی ایسی چیز کا مشاہدہ کیا، جو اس سے پہلے کبھی آپ کے مشاہدے میں نہیں آئی، جب آپ نے کسی ولی اللہ کی موجودگی محسوس کی، پھر تو ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ اپنے تمام خیالات فراموش کرتے ہوئے اطاعت گزاری اور پیروی اختیار کریں، اپنا سرِ تسلیم خم کر دیں۔

مشرق میں یہ ایک علامتی نشانی ہے کہ مُرید اپنا سر مرشد کے قدموں میں رکھ دیتا ہے، یہ محض علامتی اظہار ہے، اس کا آپ کے ٹھوس اور حقیقی سر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سر، سوچ اور ذہن کی علامت ہے۔ اب مُرید اپنا ذہن اپنے مرشد کے قدموں میں رکھ دیتا ہے اور یوں عرض کرتا ہے:

''اب تمام کچھ آپ کے ذمے ہے اور پھر مرشد سب کچھ اپنے ذمے لے لیتا ہے۔''

درحقیقت، جب آپ مرشد کے سامنے اطاعت گزاری کا اظہار کرتے ہیں تو آپ کے [illegible] نچھاور کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں۔ یہ کبھی نہ سمجھئے کہ اس اطاعت گزاری کے اظہار کے [illegible] آپ نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، دراصل مرشد ہی اس قدر رحم دل اور ہمدرد

ہے کہ اس نے آپ کی ہستی کو قبول کر لیا، کیونکہ اب تمام ذمہ داری اس کی ہے، یہی سب کچھ اس کہانی سے مراد ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک صوفی کی صرف یہی خواہش تھی کہ اس کی موت کے بعد، اس کے مُرید یقینی طور پر اپنے لئے ایک ایسے راہ نما اور اتالیق پانے میں کامیاب ہو جائیں جو انہیں سیدھے راستے سے بھٹکنے نہ دے۔

مرشد، نہ صرف اپنی زندگی میں آپ کی راہ نمائی کرے گا بلکہ اپنی موت کے بعد بھی وہ آپ کی راہ نمائی کا سامان مہیا کرتا رہے گا۔ وہ ایسا انتظام کرے گا کہ جن لوگوں نے اس پر اعتقاد و اعتماد کا اظہار کیا، کہیں منجھدار میں نہ رہ جائیں۔ اب صوفی مرشد اپنے بسترِ مرگ پر ہے، چند مُرید پہنچ چکے ہیں، محض چند مُرید ابھی پہنچے ہیں لیکن بہت سے مُرید ابھی پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

اب یاد رکھئے کہ اس مرشد کے زیادہ تر مُرید اس کے پاس پہنچ جانا چاہئیں۔ یہ تمام مُرید اساتذہ اور اتالیقوں کا کردار کیوں نہیں ادا کر سکے؟ علم کا حصول ایک علیحدہ بات ہے، اور حصولِ علم میں راہ نمائی اور مدد کی فراہمی، ایک علیحدہ بات ہے۔ ضروری نہیں کہ شعور و آگہی سے سرفراز ہر شخص، مرشد ہو اور ضروری نہیں کہ ہر اتالیق، شعور و آگہی سے سرفراز ہو، اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اچھے اتالیق ہیں، بہترین معلم ہیں اور وہ نہایت شاندار انداز میں پڑھا سکتے ہیں۔ یہ لوگ تعلیم و تربیت کی خاص صلاحیتوں سے مزین بھی ہو سکتے ہیں لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے آپ سے بے خبر ہوں، اپنے آپ سے غافل ہوں، خود فراموشی کے عالم میں ہوں۔ اس صورت میں یہ لوگ جو کچھ پڑھانے اور سکھانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کا اپنا نہیں ہے اور بے کار فضول بھی ہے۔ اور پھر اس دنیا میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں، ممکن ہیں وہ اپنی ذات اور ہستی سے باخبر ہوں لیکن اچھے اتالیق اور معلم نہ ہوں...... کیونکہ محض علم سے شناسائی اور واقفیت کا تدریس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مثال کے طور پر آپ نے ایک صبح طلوعِ آفتاب کا خوبصورت منظر دیکھا، لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ اس منظر کی تصویر کشی بھی کر سکتے ہیں، یعنی آپ طلوعِ آفتاب کا خوبصورت منظر دیکھنے کے بعد آپ گھر واپس آ کر اس منظر کی تصویر کشی کر کے بچوں کو یہ بتا اور دکھا سکتے ہیں کہ یہ وہ خوبصورت صبح ہے جو آپ نے دیکھی ہے۔ مزید برآں، یہ ممکن ہے کہ اگر آپ نے اس خوبصورت

صبح کا منظر کسی دوسرے شخص کے سامنے بیان کیا ہو جس نے اس منظر کو نہیں دیکھا، اور وہ ایک مصور ہے، تو پھر وہ اس منظر کی اسے دیکھے بغیر تصویر کشی کر سکتا ہے، اور اس کی تصویر، آپ کی بنائی ہوئی تصویر سے بہتر ہوگی۔ آپ کی بنائی ہوئی تصویر بے کار اور فضول ہوگی اور اس کے ذریعے قطعاً معلوم نہیں ہوا کہ آپ نے کیا دیکھا یا آپ کس چیز کے متعلق بات کر رہے ہیں۔

یہی صورت حال آپ کے اندرونی سفر پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ ایسے اتالیق اور معلم بھی موجود ہیں جنہیں کچھ معلوم نہیں لیکن وہ نہایت عالم فاضل لوگ ہیں، اور ایسے مرشد بھی ہیں جو علم سے سرفراز ہیں، لیکن عالم فاضل نہیں ہیں۔ کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا ہے جب ایک مرشد، ایک اتالیق اور معلم بھی ہوتا ہے، جب شعور و آگہی سے سرفراز ایک شخص عالم فاضل بھی ہوتا ہے۔ وہ ہر طرح سے باخبر اور باعلم ہوتا ہے اور اس میں یہ صلاحیت اور ہنر بدرجہ اتم ہوتا ہے کہ وہ حصول علم کے ضمن میں دوسروں کو راہ نمائی فراہم کر سکے۔

صوفی بستر مرگ پر تھا اور اب اس دنیا میں تھوڑی دیر کا مہمان تھا۔ اس کے چند مُرید تو ایسے ہونا چاہیں تھے جو شعور و آگہی سے سرفراز ہو گئے ہوتے اور جنہوں نے عرفان کی منزلیں طے کر لی ہوتیں، لیکن وہ معلم نہیں تھے...... لہٰذا اس صوفی کو لازمی طور پر اپنے ان مُریدوں بارے فکر مند ہونا چاہئے تھا جو ابھی سفرِ معرفت کے درمیان ہی میں تھے؟ لیکن مرشد کو تو یہ راہ نمائی ضرور فراہم کرنا چاہئے، انہیں ان کے لئے ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ وہ اپنے لئے ایسے مرشد کو تلاش کر لیں جو انہیں سیدھے راستے سے بھٹکنے نہ دے۔

اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے صوفی نہایت انوکھے اور عجیب و غریب طریقے کے ذریعے کام کرتے ہیں، لیکن انہیں بخوبی علم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ معاملہ کس طرح طے کرنا ہے۔ لہٰذا بستر مرگ پر موجود صوفی (مرشد) اپنے مریدوں سے یہ بھی کہہ سکتا تھا: ''حضرت علیؓ کے پاس چلے جاؤ۔'' حضرت علیؓ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے۔ ''حضرت علیؓ کے پاس چلے جاؤ۔'' یہ کہنا صوفی کے لئے نہایت آسان ہوتا لیکن یہ بات صحیح نہ ہوتی۔ صوفی کی خواہش تھی کہ وہ خود حضرت علیؓ کو تلاش کریں، کیوں کہ جب آپ کوئی چیز بذاتِ خود تلاش کرتے ہیں تو اس کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جب آپ کسی دوسرے کے کہنے پر کوئی کام کرتے ہیں، اس کام کی اس قدر زیادہ اہمیت نہیں ہوتی اور پھر آپ محض اپنا فرض اور ذمہ داری نبھا رہے ہوتے ہیں۔

اور پھر اگر بستر مرگ پر موجود صوفی اپنے مریدوں سے کہتا: ''جب میں مر جاؤں تو تم حضرت علیؓ کے پاس چلے جانا۔'' تو پھر آپ اس بزرگ کا کہا مانتے۔ آپ کہتے: ''ہمیں اب حضرت علیؓ کے پاس جانا ہوگا۔'' ممکن ہے کہ آپ کو حضرت علیؓ پسند ہوتے یا نہ ہوتے، لیکن اپنے مرشد کی اطاعت آپ پر فرض تھی، اس لئے آپ کو چار و ناچار بخوشی یا مجبوراً، حضرت علیؓ کے پاس جانا ہوتا۔ لیکن پھر اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ آپ کے مرشد کی خواہش ہے کہ آپ اپنے لئے نیا مرشد تلاش کریں۔ مرشد چاہتا ہے کہ آپ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ماریں، کوشش کریں، تلاش کریں، لہٰذا جب آپ اپنی کوشش و جدو جہد سے تلاش کر لیں تو آپ کو یہ احساس طمانیت بخشے کہ آپ کی تلاش کامیاب ہو چکی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم ترین مرحلہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔

جن لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کو تلاش کر لیا تھا، انہوں نے بہت زیادہ فائدہ حاصل کیا اور انہیں دنیاوی و دینوی خیر و برکت سے نوازا گیا۔ لیکن اس وقت لاکھوں مسلمان موجود ہیں، انہوں نے بذاتِ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا بلکہ ان کے والدنے آپؐ کے متعلق آگاہ کیا۔ یہ مسلمانوں کی بذاتِ خود اپنی تلاش نہیں تھی، اس لئے اب یہ مسلمان بھی کچھ زیادہ گرم جوش اور سچے مسلمان نہیں ہیں۔ جس طرح آج کے مسلمان ہیں، اس طرح مسیحی بھی بس نام کے مسیحی ہیں۔ یسوع مسیح کے پہلے حواری، جنہوں نے انہیں تلاش کیا تھا، بہت ہی سچے، پکے اور گرم جوش حواری تھے۔ انہوں نے بذاتِ خود اپنی کوشش و جدو جہد سے واقعی، کسی کو تلاش کر لیا تھا۔ ان کی تمام زندگی تبدیل ہو گئی۔ لیکن اب کے والد آپ سے کہتے ہیں: ''یسوع مسیح، نجات دہندہ ہیں، یسوع مسیح تمام گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں، تم یسوع مسیح کی اطاعت کرو۔'' اور وہ آپ کو گرجا گھر لے جاتے ہیں۔ آپ ہچکچاتے ہوتے گرجا گھر جاتے ہیں کیوں کہ کوئی شخص، کسی دوسرے کی سچی بات کو پسند نہیں کرتا۔ یہ زندگی کا بنیادی اصول ہے، اور یہ انسانی فطرت ہے کہ کوئی بھی شخص کسی شخص کی سچائی کو پسند نہیں کرتا کیونکہ کسی بھی شخص کی سچائی آپ کے لئے جھوٹ ہے۔

لہٰذا بستر مرگ پر دراز صوفی محض یہ کہہ سکتا تھا، اور یہ اس کے لئے نہایت آسان ہوتا کہ ''حضرت علیؓ کے پاس چلے جاؤ۔'' حضرت علیؓ اس علاقے میں موجود تھے اور وہ ایک مشہور شخص

تھے، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثال اور مخلص ترین رفقاء میں سے تھے اور انہیں عظیم علم وعرفان حاصل تھا۔ بستر مرگ پر موجود صوفی کو یہ کہنے میں عار نہیں تھا: ''اب جبکہ میں اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں، اب تمہارے لئے میرے بتائے ہوئے راستے پر چلنا مشکل ہوگا، تم حضرت علیؓ کے پاس چلے جاؤ، وہ تمہاری راہ نمائی کریں گے۔'' لیکن اس طرح اصل مقصد فوت ہو جاتا، مرشد کو تلاش کیا جانا چاہئے، آپ کو خطرہ مول لینا ہوگا، آپ کو کوشش وجدوجہد کرنا ہوگی، آپ کو در بدر کی خاک چھاننا ہوگی، آپ کو اطاعت وپیروی اختیار کرنا ہوگی۔ لیکن یہ سب کچھ کس قدر آسان اور خطرے سے خالی ہوتا جب آپ بستر مرگ پر دراز اپنے مرشد سے حضرت علیؓ کے متعلق سنتے اور پھر کہتے: ''ٹھیک ہے، جب آپ اس دنیا میں نہیں ہوں گے، ہم حضرت علیؓ کے پاس چلے جائیں گے۔'' یہ سب کچھ کس قدر آسان، سادہ اور محفوظ ہوتا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

لہٰذا بستر مرگ پر دراز، اس صوفی نے ایک ترکیب...... نہایت انوکھی اور عجیب وغریب ترکیب وضع کی۔

اس نے قانون کے مطابق اپنا ترکہ تقسیم کرنے کے بعد اپنے مریدوں کے لئے سترہ (17) اونٹ چھوڑ دیئے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا:

یہ تو ایک ایسا درویش تھا جو اپنے اونٹوں کے ساتھ دربدر کی خاک چھانتا تھا، وہ تو ایک ایسا درویش تھا جو اپنے مریدوں کے ساتھ ملک بھر میں گھومتا پھرتا تھا۔ پھر وہ اپنے مریدوں کے لئے سترہ (17) اونٹ چھوڑ دیتا ہے اور اپنی وصیت کے ذریعے انہیں یہ حکم دیتا ہے:

> ''تم تینوں اپنے درمیان یہ اونٹ اس طرح تقسیم کرو گے کہ سب سے بوڑھے شخص کو اونٹوں کا نصف، ادھیڑ عمر شخص کو ایک تہائی اور سب سے کم عمر شخص کو 1/9 حصہ ملے۔''

یہ حکم نہایت ہی انوکھا، عجیب وغریب، مبہم اور غیر منطقی تھا...... لیکن مرشد غیر منطقی ہی ہوتے ہیں، وہ منطق اور استدلال کے متعلق زیادہ فکر مند نہیں ہوتے۔ اس نے ایک ترکیب استعمال کی۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جسے ریاضی کے اصولوں کے مطابق حل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جیسے ہی اس صوفی نے اس دار فانی سے کوچ کیا، وصیت پڑھی گئی۔ پہلے تو یہ تینوں مرید، اپنے مرشد کے ترکے کی اس عجیب وغریب تقسیم اور حصہ داری کا طریقہ پڑھ کر بہت

حیران ہوئے۔

وہ بہت حیران وپریشان تھے۔ انہیں لازمی طور پر قدرے شک کا اظہار کرنا چاہئے تھا کیونکہ یہ تقسیم نہایت عجیب وغریب اور انوکھی تھی؟ سترہ اونٹ، نصف دینے کے بعد...... ایک اونٹ کو لازمی طور پر کاٹنا پڑتا۔ ایک تہائی دینے کے بعد...... چند اونٹوں کو لازمی طور پر ذبح کرنا پڑتا...... اس طریقے کے ذریعے اونٹوں کو زندہ کس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ یہ تو بہت ہی عجیب اور انوکھا طریقہ ہے۔ اب ان مریدوں کے ذہن میں یہ بات لازمی طور پر آنا چاہئے تھی: ''فوت ہونے والا شخص کیا سٹھیا گیا تھا یا پاگل ہوگیا تھا؟ وہ اس وقت ضعیف ہو چکا تھا کہ اس کی عقل یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ چیزوں کا شمار کیسے کیا جاتا ہے۔'' یہ طریقہ انتہائی ناقابل فہم تھا اب شکوک تو لازمی طور پر پیدا ہونا چاہئیں تھے، اور لازمی طور پر پریشان ہو جانا چاہئے تھا۔ صوفی نے یہ ترکیب اس لئے وضع کی تھی کہ اس کے مرید پریشان ہو جائیں، ان کی عقل چکرا جائے۔ اب دیکھئے، آپ حیران تو ہوں گے، ممکن ہے کہ آپ اصل مقصد نہ سمجھ سکے ہوں۔''

نئے مرشد کی تلاش سے پہلے، پرانے مرشد کی صفحۂ ہستی سے غیر موجودگی ضروری ہے...... ورنہ آپ ایک نئے مرشد کا انتخاب کیسے کر سکتے ہیں؟ اس مرد بزرگ نے بہت صحیح ترکیب وضع کی تھی۔ یہ اس قدر ناقابلِ فہم ترکیب تھی کہ وہ ہنس پڑتے، مذاق اڑاتے۔ وہ کہتے: ''وہ بوڑھا سٹھیا چکا ہے، اب یہی بہتر ہے کہ وہ مر جائے اور ہم آزاد ہو جائیں۔ اب ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم کہیں اور تلاش کریں۔ اگر یہ شخص زندہ ہوتا تو ہم ابھی بھی اس کی اطاعت وپیروی کر رہے ہوتے، اور اب وہ پاگل ہو چکا ہے۔'' مرشد اس امر پر خود کو ملامت کرتا تاکہ وہ پرانے مرشد اور اس کی یادوں کے ساتھ نہ چمٹے رہیں، ماضی کا قصہ تمام ہو جاتا، باب ختم ہو جاتا۔ وہ اپنی زندگی کا ایک نیا باب شروع کر سکتے!

ان میں سے کچھ مرید کہنے لگے: ''ہمیں چاہئے کہ ہم سب اکٹھے اور مل جل کر یہ اونٹ استعمال کریں اور یہ ہماری مشترکہ ملکیت میں رہیں۔''

پھر تمام مرید مزید سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ''منطق'' نے ان کے ذہن میں خیال ڈالا: ''یہ حکم ناقابلِ عمل اور نامعقول ہے اور انہیں خود ہی کوئی راستہ تلاش کرنا ہوگا۔ پھر ''استدلال'' نے ان کے ذہن کے دروازے پر دستک دی اور کہا: ''یہ تو نہایت ناقابل فہم حکم ہے۔''

پھر کسی نے کہا: ”ہمیں چاہئے کہ ہم سب اکٹھے اور مل جل کر یہ اونٹ استعمال کریں اور یہ ہماری مشترکہ ملکیت میں رہیں۔ اس طرح یہ مرید کوئی نہ کوئی حل نکالنا چاہتے تھے۔“

پھر کچھ لوگوں نے انہیں یہ بھی مشورہ دیا کہ جہاں تک ممکن ہو، اونٹوں کی اس تقسیم کو زیادہ سے زیادہ قریب ترین حصوں کے مطابق کیا جائے۔

لہٰذا ایک دانا اور عالم فاضل شخص کو انہیں یہی مشورہ دینا چاہئے تھا کہ: ”اس کا حل تو نہایت سادہ ہے، اس تقسیم کو جہاں تک ممکن ہو، قریب ترین حصوں کے مطابق کرو۔ احمق مت بنو، تم اونٹوں کو کاٹ نہیں سکتے، اس لئے اندازے سے زیادہ سے زیادہ قریب ترین حصوں کے حساب سے اونٹ آپس میں تقسیم کرلو۔“

لیکن یاد رہے کہ صوفی نصف یا نیم سچائی پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ بہت مکمل اور کامل لوگ ہوتے ہیں۔ جو وہ کہتے ہیں ان کا وہی مطلب ہوتا ہے، وہ وہی کچھ کہتے ہیں جس کا ایک قطعی اور مطلق مفہوم موجود ہوتا ہے۔

پہلے تو ان مریدوں نے باہمی طور پر یہی سوچا کہ بہتر ہی ہے کہ ان اونٹوں کو اکٹھا اور مل جل کر استعمال کیا جائے اور انہیں اپنی مشترکہ ملکیت میں رکھا جائے۔ اس طرح مشترکہ ملکیت میں رکھنے کے باعث وہ ان اونٹوں کو زیادہ سے زیادہ قریب ترین حصوں میں تقسیم کرلیں گے۔ پھر وہ کسی دوسرے شخص سے پوچھنے لگے۔ اب وہ صورت حال پیدا ہونے لگی تھی جو صوفی کی خواہش اور ارادے کے تقریباً برعکس تھی۔ پھر کچھ لوگوں نے مشورہ دیا:

”ان اونٹوں کو زیادہ سے زیادہ قریب ترین حصوں کے مطابق آپس میں تقسیم کرلو۔“ پھر ایک قاضی نے یہ مشورہ دیا کہ ”اونٹوں کو فروخت کر کے رقم آپس میں تقسیم کرلو۔“

اب معاملات، بہت زیادہ حد تک عقلی طور پر جانچے جا رہے تھے۔ اپنے تئیں دانشور اور عقل مند افراد یہی مشورے دے رہے تھے: ”تم پریشان کیوں ہوتے ہو؟ تم ان اونٹوں کو تقسیم کر سکتے ہو، اونٹوں کو فروخت کردو۔“ ...... کچھ لوگوں کا یہ بھی موقف تھا کہ یہ وصیت ناقابلِ عمل ہے کیوں کہ اس میں درج شرائط پوری نہیں کی جاسکتیں۔

یہ مشورہ تو صوفی کی خواہش اور ارادے سے بعید ترین تھا۔ پھر کچھ لوگوں نے یہ مسورہ دیا: ”یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے، تم کچھ بھی نہ کرو۔ یہ وصیت ناقابلِ عمل اور غیر منطقی ہے کیونکہ اس میں

درست شرائط داخل نہیں کی گئیں۔“

اب صوفی کے حکم کی بے شمار تشریحات ہو چکی تھیں۔ سب مرید پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے۔ درحقیقت جب ایک مرشد حکم دیتا ہے تو پھر اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہئے، بلکہ اسے صحیح طور پر سننا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے اندر کیا حکمت پوشیدہ ہے، ورنہ آپ مرشد کے حکم میں موجود اپنے لئے ہدایت اور پیغام سے محروم ہو جائیں گے۔ آپ کو چاہئے کہ اس حکم کی حکمت کو سمجھیں، اسے اپنے اندر سما لیں، اسے اپنے اندر جذب کرلیں، اور پھر انتظار کریں...... اس حکم کو یاد رکھیں اور انتظار کریں، اس حکم کی تشریحات کرنے کا آغاز مت کیجئے۔ آپ کی تشریحات آپ کی اپنی تشریحات اور خیالات ہیں، اور آپ کے خیالات اور تشریحات بے معنی ہو سکتی ہیں، نہ صرف یہ خیالات اور تشریحات بے معنی ہو سکتی ہیں بلکہ نقصان دہ بھی ہو سکتی ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص کو بیس سال کے لئے قید خانے بھیج دیا گیا، اس شخص نے اپنے ہوش و حواس برقرار رکھنے اور اپنی ذہنی حالت درست رکھنے کے لئے ایک چیونٹی سے دوستی کر لی جو اس کی کوٹھڑی میں رہتی تھی۔ اس نے ماچس کی ایک ڈبیا میں ایک دو منزلہ مکان بھی تعمیر کیا تھا۔ پانچ برسوں کے دوران، وقت گزارنے کے لئے اس نے ایک ننھا سا گٹار تیار کیا، پھر اس نے چیونٹی کو گانا اور گٹار بجانا سکھایا۔ سردیوں کی طویل شاموں میں چیونٹی گٹار بجاتی، نغمے سناتی اور اپنے محسن کو خوش کرتی۔

اگلے پانچ سالوں میں قیدی نے چیونٹی کو رقص بھی سکھا دیا، اور اپنی قید کے بارہویں سال، اس نے اپنی چیونٹی کو ماہر بانسری نواز بنا دیا۔

جب قیدی کی رہائی کا دن قریب آیا تو اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ اب اس کے پاس ٹی وی کی ایک عظیم فنکارہ موجود ہے...... اب وہ دولت مند اور مشہور بھی ہو جائے گا۔

جس دن قیدی رہا ہوا تو سابقہ قیدی اپنی آزادی کا جشن منانے کے لئے نزدیکی شراب خانے چلا گیا۔ اس نے شراب طلب کی، پھر شراب پینے کے دوران اس نے اپنی جیب سے ماچس کی ڈبیا نکالی، چیونٹی کو ویران شراب خانے کی میز پر رکھ دیا اور اس سے گانے کی فرمائش کی۔ چیونٹی نے ایک نہایت ہی پیارا اور سریلا نغمہ سنانا شروع کیا۔ اس نغمے کی تاثیر بہت زبردست تھی، اس کا مالک بے حد خوش ہوا اور شراب خانے کے مالک کو اپنے پاس بلا کر چیونٹی کی طرف دیکھ کر اپنا

سر ہلایا اور کہا:

''تمہارے خیال میں یہ کیا چیز ہے؟''

یہ سنتے ہی شراب خانے کے مالک نے اپنا ہاتھ بلند کیا، میز پر مارا اور چیونٹی کو ہلاک کر دیا۔

اس نے کہا: ''جناب، میں نے جو کچھ کیا میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں، آج کل تو موسم گرم ہے۔''

اس وقت شراب خانے کے مالک نے اس صورت حال کو اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق سمجھا تھا۔ اس نے چیونٹی کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ یہ تو ایک ایسی صورت حال تھی جو روزمرہ معمول کا ایک حصہ تھی۔ ایک گاہک شراب خانے کے مالک کو اپنے پاس بلاتا اور کہتا: ''اس میز پر موجود چیونٹی کو دیکھو۔'' پھر وہ اسے ہلاک کر دیتا اور کہتا: ''آج کل تو موسم گرم ہے۔''

اب اس نے ایک نہایت قیمتی چیونٹی کو ہلاک کر دیا تھا۔ جب آپ کسی معاملے اور صورت حال کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔

بسترِ مرگ پر دراز اس صوفی نے اپنے حکم کے ذریعے اپنے مریدوں کے لئے ایک حکمت آمیز ترکیب وضع کی تا کہ اس کی موت کے بعد وہ اپنے لئے نیا مرشد تلاش کر سکیں۔ لیکن تشریحات نے اس ''چیونٹی'' ہی کو ہلاک کر دیا۔ مختلف لوگوں نے انہیں جو بھی مشورے دیئے تھے، وہ صوفی کی خواہش کے خلاف تھے، اور پھر کسی بھی شخص کو صوفی کے اس حکم پوشیدہ حکمت کا وہم و گمان تک نہ تھا۔

آئرلینڈ کی رہنے والی ایک بوڑھی کیتھولک مسیحی خاتون، بسترِ مرگ پر تھی۔ پادری کو آخری رسومات ادا کرنے کے لئے بلایا گیا۔ پادری نے خاتون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنے لگا:

''میری، اب تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں جا رہی ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے؟''

خاتون نے کہا: ''فادر، مجھے معلوم ہے!''

پادری نے کہا: ''تم نے اپنی تمام زندگی بہت پاکیزہ بسر کی، کوئی گناہ نہیں کیا، عبادت کے لئے ہر روز جاتی رہیں اور ایک نیک بی بی رہیں۔''

میری نے کہا: ''فادر بالکل ٹھیک ہے، میں ایک بہت ہی اچھی کیتھولک عیسائی رہی ہوں۔''

پادری کہنے لگا: ''پھر میرے ایک سوال کا جواب دو، اپنی موت سے پہلے کیا تم میرے ایک سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہو؟''

''اوہ، ہاں، فادر، آپ پوچھئے!''

''بہت خوب، میری، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو، تمہارے تابوت پر کون سے رنگ کی لکیر ہو، سفید یا ارغوانی؟''

میری نے پوچھا: ''فادر، ان دونوں رنگوں کے درمیان کیا فرق ہے؟''

پادری نے جواب دیا: ''بہت خوب، اگر تم اپنی زندگی میں نیک بی بی رہی ہو، کبھی شہوت پرستی نہیں کی، بدکاری نہیں کی، چوری چکاری نہیں کی، کسی سے حسد نہیں کیا، لالچ نہیں کیا، خدا کی جھوٹی قسم نہیں اٹھائی، اور ایک اچھی کیتھولک مسیحی رہیں، تو پھر تمہارے تابوت پر سفید لکیر نمودار ہو جائے گی۔ لیکن اگر تم نے گناہ آلود زندگی بسر کی، شہوت پرستی اختیار کی، بدکاری اختیار کی، لالچ سے کام لیا، دوسروں سے حسد کرتی رہیں، خدا کی جھوٹی قسمیں اٹھاتی رہیں، اور ایک بُری کیتھولک مسیحی کی حیثیت سے زندگی بسر کی، تو تمہارے تابوت پر ارغوانی رنگ کی لکیر نمودار ہو جائے گی۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے تابوت پر کون سے رنگ کی لکیر بناؤ گی۔''

میری نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، ایک لمحے کے لئے سوچا اور کہنے لگی: ''فادر، میں چاہوں گی کہ میرے تابوت پر سفید لکیر ہو اور اس کے اردگرد چھوٹی چھوٹی ارغوانی رنگ کی لکیریں ہوں۔''

آپ کے خیالات آپ کی تشریحات، آپ کے ذہن کا عکس ہیں۔ آپ جو کچھ کہتے ہیں، آپ کے خیالات ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب مرشد آپ کو کوئی حکم دیتا ہے تو اس کے متعلق مت سوچئے، ورنہ آپ اس حکم میں پوشیدہ حکمت سے محروم ہو جائیں گے۔ آپ کو اس حکم میں موجود حکمت پر غور کرنا چاہئے اور یہ غور و فکر، گیان دھیان، سوچنے کا عمل نہیں کہلاتا۔ آپ کو چاہئے کہ اس حکم میں موجود اسرار و رموز پر غور کریں، اور اس غور و فکر سے محض یہ مراد یہ ہے کہ آپ اس حکم کو اپنے شعور میں رکھیں، اسے فراموش مت کریں...... اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ خاموشی سے ایک جگہ بیٹھ جائیں، اس حکم کو اپنے اندر جذب کر لیں، اسے فراموش مت کریں، بس یہی کافی ہے۔ اس کے متعلق کچھ بھی مت سوچیں، اسے اپنے اندر رہنے دیں۔ اور پھر جلد یا بدیر، آپ کے اندر کوئی چیز واضح اور روشن ہو جائے گی اور آپ کو اس حکم میں پوشیدہ حکمت سے آگہی ہو جائے گی۔ اور یہی حکمت اس حکم کا اصل مفہوم ہو گی۔ اس حکمت سے آشنا ہونے کے لئے آپ کو اپنے اندرونی خیالات ترک کر دینے ہوں گے۔ اگر آپ کے اندرونی خیالات بدستور موجود رہتے ہیں تو......!

نہ صرف مرید، اپنے مرشد کے حکم کے متعلق خود سوچنے لگے تھے، آپس میں صلاح مشورہ بھی کیا تھا بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی پوچھا تھا۔ یہ سب کچھ احمقانہ تھا۔ ایک قاضی کو اس معاملے کے متعلق کیا معلوم؟ یہ کوئی قانونی معاملہ نہیں تھا۔ درحقیقت یہ وصیت نہیں تھی۔ مرشد کا اونٹوں یا ان کی تقسیم کے طریقے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ایک مرشد، اس قسم کی غیر ضروری چیزوں سے کس طرح متعلق ہوسکتا ہے؟

پھر وہ ایک وکیل کے پاس گئے، بھلا ایک وکیل کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟ اس معاملے کا تو قانون کے ساتھ دور دور کا واسطہ بھی نہیں ہے، اس معاملے کا اس معمولی دنیا سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں تو ان نام نہاد عقلمند انسانوں کے پاس جانا چاہئے تھا، جو دنیاوی لحاظ سے عقلمند یعنی چالاک، مکار، عیار اور ہوشیار تھے۔ انہوں نے ہی اسے مشورے دیئے لیکن مرید خوش قسمت تھے کہ انہوں نے ان لوگوں کے مشوروں پر عمل نہیں کیا۔

پھر وہ تمام مرید سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور غور و فکر کرنے لگے کہ ان کے مرشد کی وصیت میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہے، لہٰذا وہ لوگوں سے پوچھنے لگے کہ کیا کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس لاینحل مسئلے کو حل کر سکے۔

خاصی پس وپیش کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ مسئلہ بظاہر نا قابلِ حل نظر آتا ہے۔ اب تک جو بھی حل سامنے آئے تھے، مناسب اور معقول معلوم نہیں ہوتے تھے۔ کوئی بھی حل صورت حال کے عین مطابق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اب یہ مسئلہ لاینحل محسوس ہو رہا تھا، اور جیسے جیسے وہ مختلف لوگوں سے مختلف مشورے حاصل کرتے گئے، یہ مسئلہ مزید اُلجھتا چلا گیا۔ پھر انہیں ایک ترکیب سُوجھی کہ وہ کوئی ایسا شخص تلاش کریں جو یہ بظاہر نا قابلِ حل مسئلہ حل کر سکے۔ زین (Zen) مذہب کے پیروکار اسے ''کون'' (Koan) کہتے ہیں یعنی وہ مسئلہ جس کا حل موجود نہ ہو۔ یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہو لیکن یہ منطق یا توجیہہ کے ذریعے حل نہ ہو بلکہ یہ مسئلہ وجدانی توانائی کے ذریعے حل ہو۔ یہ مسئلہ الفاظ، اعداد کے ذریعے نہیں بلکہ غیر محسوس طریقے کے ذریعے حل ہو۔ یہ مسئلہ مکمل اور قطعی، سکوت و سکون کے ذریعے حل ہو۔ اب وہ سب آہستہ آہستہ اس مسئلے کی اصل حقیقت سے آشنا ہو رہے تھے، اس لئے اب انہوں نے ایک ایسے شخص کی تلاش شروع کر دی جو اس لاینحل مسئلے کو حل کر سکے۔

صوفیوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نا قابل مسائل کو حل کر سکتے ہیں، درحقیقت تمام بڑے

مسائل، نا قابلِ حل ہوتے ہیں کیونکہ زندگی ایک معما ہے، ایک اسرار ہے، اسے حل نہیں کیا جا سکتا۔ اور صوفیوں کا تعلق تو اسرار سے ہوتا ہے، معموں سے ہوتا ہے، ان کے حل سے نہیں۔ ہر قسم کے مذہبی افراد ہر قسم کی مذہبی تحقیق، اسرار اور معمے سے منسلک ہوتی ہے۔

سب سے پہلے تو یہ مرید، ایک قاضی، پھر وکیل، صدر بلدیہ اور اس طرح کے مزید لوگوں کے پاس گئے۔ پھر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ بظاہر یہ مسئلہ نا قابلِ حل ہے، اور اس کا اب تک معلوم ہونے والا کوئی بھی حل مناسب اور معقول نہیں ہے۔ لہٰذا وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور انہیں یہ ترکیب سُوجھی: ''اب ہمیں تو ایک ایسے شخص کے پاس جانا ہوگا جو لاینحل مسئلوں کے حل میں ماہر ہو، جو زندگی کی پُراسراریت سے آشنائی رکھتا ہو۔''

وہ جس شخص کے بھی پاس گئے، وہ ناکام ہوئے اور پھر بالآخر، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت علیؓ کے آستانے پر جا پہنچے۔

آپؓ نے فرمایا: ''میرے پاس تمہارے مسئلے کا حل موجود ہے۔ میں ان سترہ (17) اونٹوں میں اپنی طرف سے ایک اونٹ شامل کروں گا، اس طرح اونٹوں کی تعداد اٹھارہ (18) ہو جائے گی۔ ان میں سے نصف یعنی نو (9) اونٹ سب سے بوڑھے مرید کو ملیں گے۔ پھر دوسرے مرید کو ان اونٹوں کی کل تعداد کا ایک تہائی یعنی چھ اونٹ ملیں گے، اور پھر آخری مرید کو 1/9 حصہ یعنی دو اونٹ مل سکتے ہیں، اور باقی بچ جانے والا اونٹ، وہ مجھے واپس لوٹا دیا جائے۔''

اب صوفی یہ کہتے ہیں کہ آپ کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک مرشد، اپنی طرف سے کوئی چیز آپ کو نہ دے۔ اس قصے سے اصل مراد یہی ہے۔

اب سترہ (17) اونٹ موجود ہیں، آپ کو یہ سترہ اونٹ ملنے چاہئیں، یہ مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک آپ کسی ایسے مخلص اور ہمدرد شخص کے پاس نہیں جاتے جو نہ صرف آپ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے تیار ہو، بلکہ آپ کے مسئلے میں شریک ہونے کے لئے بھی تیار ہو، یہی اس سے مراد ہے، یہ قصہ نہایت ہی خوبصورت ہے۔

یہ مرید بے شمار لوگوں کے پاس گئے لیکن کسی نے یہ نہیں سوچا کہ وہ ان اونٹوں میں اپنا ایک اونٹ بھی شامل کر سکتا ہے...... اور پھر اونٹوں کی تعداد اٹھارہ ہو جاتی، تو پھر معاملہ نہایت سادہ ہو جاتا، اور ان اونٹوں کی تقسیم ممکن ہو جاتی۔

مرشد ہی ایک ایسا شخص ہے جو آپ کے مسئلے میں شریک ہونے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ جب آپ اپنے مرشد کی اطاعت اور پیروی کی حامی بھر لیتے ہیں، تو وہ اپنے تمام دروازے آپ کے لئے کھول دیتا ہے، وہ آپ کی ہدایت اور راہ نمائی کے لئے ہر وقت موجود رہتا ہے، وہ آپ کے ہر معاملے میں شریک ہو جاتا ہے۔ آپ نے، اپنے مرشد کی اطاعت و پیروی کا وعدہ کیا ہوتا ہے اور مرشد نے بھی آپ کی ہدایت اور راہ نمائی کا عزم کیا ہوتا ہے۔ اپ اپنی کوئی چیز قربان نہیں کرتے، آپ کے پاس قربان کرنے کے لئے کوئی چیز ہے ہی نہیں، آپ وہ چیز قربان کرتے ہیں جو آپ کے پاس موجود ہی نہیں، اور مرشد آپ کو وہ چیز دینا شروع کر دیتا ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے۔

یہ مرید، اپنا ایک مسئلہ لے کے حضرت علیؓ کے پاس آئے، یہ مسئلہ بذاتِ خود لاینحل تھا۔ لیکن آپؓ نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ اور اس مسئلے کے حل کا طریقہ یہ تھا کہ آپؓ نے اپنی طرف سے ایک اونٹ، ان سترہ اونٹوں میں شامل کر دیا۔ لہٰذا سب سے پہلی چیز یاد رکھنے کی یہ ہے کہ مرشد وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی چیز اپنی ذات، آپ کے حوالے کر سکے، جو آپ کے ساتھ منسلک ہو سکے، جو آپ کے قریب آ کر آپ کا ہاتھ تھام سکے، جو آپ کے مسئلے کو اپنا مسئلہ بنا سکے، مرشد ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو محض تماشائی نہیں ہے بلکہ آپ کے مسئلے میں خود شریک ہو جاتا ہے۔

جب آپ اپنے کسی مسئلے کے ساتھ میرے پاس آئیں تو پھر ایک لمحے کے لئے بھی آپ کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ میں کوئی دانا اور عقلمند شخص ہوں، آپ سے قدرے فاصلے پر کھڑا آپ کو نصیحتیں جھاڑ رہا ہوں...... ایک لمحے کے لئے بھی ایسا مت سوچئے۔ جیسا آپ اپنے کسی مسئلے کے حل کے لئے میرے پاس آتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہوں، آپ کا مسئلہ، میرا مسئلہ بن جاتا ہے، صرف اس وقت ہی میں آپ کے لئے مددگار اور مفید ثابت ہو سکتا ہوں، جب تک میں اور آپ ایک نہیں ہو جاتے، میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا، جب تک میں اور آپ ایک نہیں ہو جاتے، میں یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟ جب تک آپ کا مسئلہ، میرا مسئلہ نہیں بن جاتا، جب تک آپ کا مسئلہ مجھ پر طاری نہیں ہو جاتا، اس مسئلے کو حل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یہی فرق ایک معالج اور مرشد کے درمیان ہے۔

ایک معالج آپ سے دور کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے، وہ اپنے تجربے کو کام میں لاتا ہے، اس کا علم تجربہ اور مہارت آپ کی مدد کے لئے ہوتی ہے۔ اس کے برعکس، ایک مرشد، اپنے تجربے یا

مہارت کا اظہار نہیں کرتا، اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے پاس کوئی ایسا علم بھی نہیں ہوتا کہ جس کے ذریعے وہ آپ کی مدد کر سکے بلکہ وہ اپنی ذات آپ کے لئے وقف کر دیتا ہے، وہ اپنی بصیرت کو کام میں لاتا ہے۔ وہ آپ کو اپنے ادراک، فہم اور شعور سے سرفراز کرتا ہے، وہ ایک لمحے کے لئے آپ کی شخصیت اختیار کر لیتا ہے۔ جن لوگوں نے مجھ سے عقیدت کا اظہار کیا ہے، اس نکتے کو بخوبی سمجھ جائیں گے۔ آپ کا مرشد، آپ کو اپنی آنکھیں بخش دیتا ہے، وہ آپ کا بن جاتا ہے۔ ان سے باتیں کرتے ہوئے میں ان کے مسئلے میں یوں گم ہو جاتا ہوں کہ وہ صرف محض تماشائی بن کر رہ جاتے ہیں، ان کا مسئلہ، میرا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اور پھر جب اور جہاں، آپ کا مسئلہ، مرشد کا مسئلہ بن جاتا ہے تو پھر وہاں خود بخود ''مدد'' کا اظہار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرید کی طرف سے مکمل اطاعت و پیروی درکار ہے، تاکہ مرشد آپ سے منسلک ہو کر آپ کے وجود سے ایک تفصیلی ملاقات کا اہتمام کر سکے۔

انہوںؓ نے کہا: ''تمہارے مسئلے کا حل یہ ہے کہ میں تمہارے اونٹوں میں اپنا ایک اونٹ شامل کر دوں گا۔ ان اٹھارہ اونٹوں میں سے نصف یعنی نو (9) اونٹ، سب سے بوڑھے مرید کو ملیں گے۔ پھر دوسرے مرید کو کل اونٹوں کا ایک تہائی حصہ یعنی چھ اونٹ ملیں گے، اور آخری مرید کو 1/9 حصہ ملے گا۔ پھر یہ تعداد سترہ ہو جاتی ہے۔

اور پھر اس کہانی کا سب سے خوبصورت پہلو سامنے آتا ہے:

''جو اونٹ باقی رہ گیا ہے...... وہ میرا ہے...... اور مجھے واپس لوٹا دیا جائے۔''

...... اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا مرشد جو کچھ بھی آپ کو عطا کرتا ہے، بالآخر، اس کے پاس واپس پہنچ جاتا ہے۔ مرشد کی آپ کے پاس آمد اور واپسی کے دوران ہی آپ کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ لیکن جو کچھ بھی آپ کو دیا جاتا ہے، وہ واپس مرشد کے پاس چلا جاتا ہے کیونکہ چیزوں کی فطرت یہی ہے کہ انہیں کسی کو دیا نہیں جا سکتا، زیادہ سے زیادہ انہیں مستعار لیا جا سکتا ہے۔ مرشد کی تو اپنی ذات اور شخصیت ہے، وہ آپ کو اپنی شخصیت اور ذات کیسے دے سکتا ہے۔ یہ ذات اور شخصیت آپ کو نہیں دی جا سکتی، صرف ایک لمحے کے لئے آپ کو عاریتاً مل سکتی ہے۔ لیکن اسی واحد لمحے میں، آپ بصیرت اور روشنی حاصل کر لیتے ہیں، اور پھر جو کچھ بھی مرشد نے آپ کو دیا ہوتا ہے، اس کے پاس واپس پہنچ جاتا ہے۔

یہ ایک بہت ہی مشہور مثال ہے جو صوفیوں نے وضع کی ہے۔ پہلے مرشد اپنے مرید کو اپنے سے عطا کرتا ہے، پھر مرید کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے، اور پھر مرشد نے جو کچھ عطا کیا ہوتا ہے، اس کے پاس واپس پہنچ جاتا ہے۔ مرشد آپ کو اپنی ذات اور وجود عطا کرتا ہے، اس کے ذریعے آپ کی زندگی میں انقلاب برپا کرتا ہے، آپ کو بصیرت اور روشنی حاصل ہو جاتی ہے، مگر مرشد کسی بھی چیز سے محروم نہیں ہوتا کیونکہ جو چیز بھی وہ آپ کو دیتا ہے، وہ اسے واپس مل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرشد لاکھوں افراد کو اپنے فیض سے سیراب کرتا ہے، اور وہ پھر بھی کسی چیز سے محروم نہیں ہوتا۔

اکثر اوقات آپ کی طرف سے یہ سوال کیا جاتا ہے: ''اوشو، اب تو تمہارے بے شمار چیلے اور پیروکار ہیں، بہت سے سنیاسی ہیں، ان کی تعداد ہزاروں میں ہے، اب تو ہماری مدد تمہارے لئے مشکل ثابت ہو گی؟'' نہیں! بالکل نہیں! کیونکہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے تقسیم کیا جا سکے۔ میں یہ بصیرت اور روشنی ان ہزاروں افراد کو بخش سکتا ہوں جو اسے قبول کرنے اور اپنانے کے لئے تیار ہوں، اور پھر بھی اس بصیرت اور روشنی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ ہمیشہ مجھے واپس مل جاتی ہے، آپ اسے چھین نہیں سکتے، تعداد کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ایک یا ایک لاکھ، اس سے کوئی فرق رونما نہیں ہوتا۔ اسے یاد رکھئے، صرف وہ شخص جو آپ کے دکھ میں شریک ہو، آپ کا دُکھ دور کر سکتا ہے، آپ کی زندگی کے مسائل حل کر سکتا ہے، کوئی دوسرا شخص یہ مسائل حل نہیں کر سکتا، لہٰذا مرشد کو آپ کی ذات کے اندر جذب ہو جانا ہو گا۔

اور پھر یہ امر بھی فراموش مت کریں...... جب آپ بصیرت اور روشنی حاصل کر کے اپنے گھر واپس پہنچیں، آپ کے اندر معرفت و عرفان کا شعلہ بھڑک رہا ہو، عرفان کا نور جگمگا رہا ہو، تو آپ بخیلی سے کام مت لیجئے...... یاد رکھئے، اگر آپ یہ بصیرت اور فیض دوسروں کو عطا کریں گے تو آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا، آپ جس قدر لوگوں کو چاہیں، اپنے عرفان سے فیض یاب کریں گے، اور پھر بھی آپ خالی نہیں ہوں گے۔ یہ تو اب ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کسی چیز سے محروم ہو جائیں، جو چیز آپ کے پاس موجود ہے، جو چیز آپ کی ہے، آپ اس سے محروم نہیں ہو سکتے، اور آپ صرف اسی چیز سے محروم ہو سکتے ہیں جو آپ کی نہیں ہے۔ دولت، ضائع ہو سکتی ہے، چوری ہو سکتی ہے، تقسیم ہو سکتی ہے۔ فطری امر تو یہ ہے کہ اگر ایک باپ کے چار بیٹے ہیں، تو پھر یہ دولت ان چاروں میں تقسیم ہو جائے گی، اگر اس کے سولہ بیٹے ہیں، تو پھر یہ دولت سولہ بیٹوں میں تقسیم ہو

جائے گی، اور اس باپ کے بیٹے جس قدر زیادہ ہوں گے، وہ اسی قدر زیادہ غریب ہوں گے۔

لیکن مرشد کے ہاں ایسا چلن نہیں ہے۔ ایک مرشد کے ایک لاکھ یا دس لاکھ مرید ہو سکتے ہیں، اس سے کوئی فرق رونما نہیں ہوتا، مرید غریب نہیں ہوتے، کیونکہ...... یاد رکھئے...... کہ مرشد ہر شخص کو اپنے فیض سے سیراب کرتا ہے، اور پھر بھی وہ خالی نہیں ہوتا...... لہٰذا، جب آپ بھی مرشد کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں...... آپ ایک دن مرشد کی حیثیت اختیار کر لیں گے...... تو پھر بخیلی اور کنجوسی سے کام نہ لیں، فیاضی اور سخاوت سے کام لیں، اپنے فیض سے ہر ایک کو سیراب کریں۔ آپ جس قدر اپنی بصیرت اور روشنی سے زیادہ لوگوں کو فیض یاب کرتے ہیں، آپ خدا کے زیادہ سے زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں، آپ کو خدا تعالیٰ کی قربت اور رفاقت زیادہ سے زیادہ نصیب ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

دوسرا باب

دلدل اور کیچڑ

پہلا سوال!!

ایک امریکی ماہر نفسیات کی حیثیت سے میں نہایت تربیت یافتہ، تجربہ کار اور ظاہری معیارات کے لحاظ سے کامیاب ہوں...... لیکن...... اب میں کیا کروں؟ مجھے اب محسوس نہیں ہوتا کہ میں اب ایک معالج، طبیب یا نفسیات دان ہوں، صرف ایک شخص اور شاید ایک معلم، ایک اتالیق ہوں۔ اس کے لئے، آپ اور آپ جیسے افراد کو موردِ الزام ٹھہرایا جاسکتا ہے، انہیں قصوروار سمجھا جاسکتا ہے۔ اب تو میں صرف راہ نمائی کے لئے صرف اپنے اندر کی آواز اور وجدان کی صدا سن رہا ہوں، اس سے زیادہ میں اور کیا کرسکتا ہوں؟

سب سے پہلے تو یہ حقیقت سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں تک بیرونی کامیابی کا تعلق ہے، یہ کچھ بھی نہیں ہے، کامیابی تو محض ناکامی پر پردہ ڈالنے کی ایک کوشش ہے۔ اس دنیا میں کوئی مختلف کامیابیاں نہیں، صرف ایک ہی کامیابی ہے، اور یہ کامیابی یہ ہے کہ انسان، اپنی ذات، اپنے وجود، اپنی شخصیت کا شعور وادراک حاصل کرے، اپنے آپ کو پہچانے، اور اپنے بارے فہم وآگہی حاصل کرے۔

مجھے یہ بخوبی علم ہے کہ ''بیرونی معیارات کے مطابق کامیابی'' سے آپ کی کیا مراد ہے، انسان نے کامیابی کے لئے یہ معیارات محض خود کو دھوکا دینے کے لئے تخلیق کئے ہیں۔ آپ دولت حاصل کرسکتے ہیں، نامور ہوسکتے ہیں، شہرت کما سکتے ہیں، لیکن اگر آپ کا وجود ہی عدم وجود ہے تو پھر یہ تمام چیزیں کس کام کی ہیں؟ آپ تمام دنیا فتح کرکے اسے اپنے نام کرسکتے ہیں لیکن اگر آپ کو اپنی ذات اور وجود کی خبر ہی نہیں ہے تو پھر اس فتح کی کیا اہمیت ہے؟

دراصل، یہ دنیاوی مال واسباب، محض اس لئے حاصل کرنے کی تگ ودو کرتا ہے کیونکہ اسے

خود پر قابو نہیں ہے، اسے اپنے اندر موجود ''شخص'' کی پہچان نہیں ہے۔ مال ودولت کا حصول انسان کی ایک ایسی حکمتِ عملی ہے جس کے ذریعے وہ اس حقیقت سے صرف نظر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسے خود کی پہچان نہیں ہے، اس طریقے کے ذریعے وہ اپنے اندر کی تنہائی اور خالی پن کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ وہ یوں محسوس کرتا ہے: ''دیکھو! میرے پاس دنیا بھر کا مال واسباب ہے، اس کے علاوہ انسان کو اور کیا چاہئے؟'' جب آپ بے شمار چیزوں کے درمیان گھرے ہوتے ہیں جسے آپ ''بیرونی معیارات کے مطابق کامیابی'' کہتے ہیں، تو دراصل اس وقت آپ کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ آپ اس وقت اپنے اندر کی تنہائی اور خالی پن کا ''متبادل'' ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کا وجود کہیں غائب ہوتا ہے اور آپ اسے مال واسباب کے حصول کے ذریعے ''واپس'' لانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں لیکن آپ کے اندر کے وجود کی تنہائی اور خالی پن کا کوئی متبادل نہیں ہے۔

انسانی ذہن کی بھرپور اور تمام کوشش کا احوال یہی ہے۔ اس کوشش کے دو پہلو ہیں، یا تو دنیاوی مال واسباب سمیٹا جائے یا پھر اپنے وجود کو ''حاضر'' کرنے کی کوشش کی جائے۔ مغربی دنیا میں آپ نے زیادہ سے زیادہ مال واسباب اکٹھا کرنے کے لئے بہت محنت کی ہے، جبکہ مشرقی دنیا میں ہم نے اپنے وجود کو زیادہ سے زیادہ پہچاننے اور اسے ''حاضر'' کرنے کے لئے بہت زیادہ محنت کی ہے۔ بالکل درست، بعض اوقات، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی دولت مند اور بادشاہ کی نسبت ایک بھکاری کے پاس کہیں زیادہ اپنا وجود موجود ہوتا ہے۔ کوئی شخص جو بالکل مفلس ہوتا ہے، اپنے وجود اور اپنی شخصیت کی پہچان سے مالا مال ہوسکتا ہے، اور جب انسان اپنے اندر کی تنہائی اور خالی پن پر قابو پالیتا ہے، اپنے وجود اور ذات کا ادراک حاصل کر لیتا ہے تو پھر ہر طرف، سکون وطمانیت، روحانی خوشی اور خیر وبرکت کی لہریں رواں دواں ہوتی ہیں۔

لہٰذا سب سے پہلی چیز جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ''بیرونی کامیابی'' کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تو وہ کوشش ہے جو آپ اپنی اندرونی تنہائی اور خالی پن کو دور کرنے کے لئے انجام دیتے ہیں، یہ تو وہ کوشش ہے کہ آپ خود کو یہ دھوکا دے سکیں، آپ کو یہ محسوس ہو کہ آپ ناکام نہیں ہیں۔ اس دنیا میں انسان کی کامیابی کا صرف ایک ہی معیار ہے۔ صرف ایک معیار ہے، کہ وہ اپنے وجود کو پہچان لے، اپنے اندر کی تنہائی اور خالی پن کو دور کرلے، اپنی شخصیت اور ذات کا

شعور وادراک حاصل کرلے۔صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے انسان روحانی خوشی حاصل کرسکتا ہے،اپنے آپ کو مکمل کرسکتا ہے۔

لہٰذا یہ تو نہایت اچھی بات ہے کہ میں اور میرے جیسے دوسرے لوگوں نے آپ کی اس غلط فہمی کو دور کردیا ہے، آپ کی عقل پر پڑے پردے کو چاک کردیا ہے۔اگر آپ اس غلط فہمی اور دھوکے کا مسلسل شکار رہتے تو پھر آپ سخت مصیبت کا شکار ہوجاتے۔اسی صورت حال کا تو آپ کو سامنا ہے۔

سوال پوچھنے والے کا نام والٹر ہوفمین ہے، اور ہوفمین، تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہورہا ہے۔اب تو تمہیں چاہئے کہ تم ایک فیصلہ کن، ایک انقلابی قدم اٹھاؤ، اس طرح وہ تمام طریقے سیکھ لوگے جو تمہاری، اندرونی کامیابی کی طرف راہ نمائی کریں گے، اب کوئی بھی بیرونی کامیابی، آپ کو متاثر نہیں کرسکے گی، اور اس کا الزام، ہم اور ہمارے جیسے دیگر افراد پر چسپاں ہوگا۔اب کوئی بیرونی کامیابی آپ کو کبھی بھی نہیں متاثر نہیں کرسکے گی، لہٰذا بیرونی کامیابی کے حصول کی کوشش ترک کردیں اور اپنی توانائی، اپنے اندر کے وجود کو تلاش کرنے کے لئے وقف کردیں، اور صرف یہی تلاش، مفید اور بامقصد ہوسکتی ہے۔

اب آپ ایک ایسے مقام پر ہیں جہاں ہر وقت خوشی، طمانیت اور سکون ہے۔آپ کے وجود کے باہر تو مادی اسباب اور کامیابیاں تو موجود ہیں، لیکن اب ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔اب تو صرف اندرونی ذات اور شخصیت کی اہمیت ہے لیکن انسان کو اس کی موجودگی کا بھی کوئی احساس نہیں۔یہ ایک مشکل مرحلہ ہے لیکن ہر طالب کو اس مرحلے سے چاروناچار گزرنا ہی پڑتا ہے۔اس ضمن میں آپ کو جس اذیت اور پریشانی کا سامنا ہے، میں اس سے واقف ہوں، اور مجھے آپ کے ساتھ پوری پوری ہمدردی ہے۔لیکن اس وقت آپ کو یہ اذیت اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، لیکن جب آپ اپنے اندرونی وجود سے منسلک ہونا شروع ہوجائیں گے، آپ اپنے آپ کو پہچاننے لگیں گے، تو پھر آپ حیران ہوں گے کہ یہ تو وہ اذیت اور تکلیف ہے جو ایک تخلیق کے وقت لاحق ہوتی ہے، اور آپ خود کو خوش قسمت اور بابرکت محسوس کریں گے کہ یہ تکلیف اور اذیت آپ کو اس لئے لاحق ہوئی کہ آپ نے ایک نیا جنم لیا۔

تم کہتے ہو کہ ایک امریکی ماہر نفسیات کی حیثیت سے میں نہایت تربیت یافتہ، تجربہ کار اور

ظاہری معیارات کے لحاظ سے کامیاب ہوں......تو اس ضمن میں ایک چیز کے متعلق آگہی، آپ کے لئے بہت اہم ہے۔ہر زمانے کے اپنے طور طریقے ہوتے ہیں جن کے مطابق زندہ رہا جاتا ہے، جدید زمانے میں زندہ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کا مکمل تجزیہ کرے، اپنے آپ کو پہچاننے، اپنے اندر کے متعلق شعور وآگہی حاصل کرے۔لوگ اس امید پر اپنے آپ کا مکمل تجزیہ کرتے ہیں کہ وہ خوشی ومسرت حاصل کرلیں گے۔ایسا کبھی نہیں ہوتا۔حتیٰ کہ نفسیاتی تجزیے کا بانی سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Frued) بھی خوش نہیں تھا، اسے بھی خوشی ومسرت نصیب نہیں ہوتی تھی، اور اگر یہ صورت حال نفسیاتی تجزیے کے بانی کے ساتھ درپیش ہے تو پھر ہر شخص کو یہ صورت حال پیش آسکتی ہے۔

آپ اپنی ذات، اپنے وجود کا نفسیاتی تجزیہ کرسکتے ہیں، اس کی کوئی حد نہیں ہے۔انسانی ذہن بہت تخلیقی ہے، اس کی تخلیقات مسلسل جاری رہتی ہیں۔یہ کوئی محدود اور قطعی عمل نہیں ہے کہ ایک دن آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ آپ کا ذہن تخلیقی اور تجزیاتی لحاظ سے کُند ہوچکا ہے۔آپ کا ذہن، مزید تخلیقیت میں مصروف رہ سکتا ہے اور ابھی بھی بہت سی ایسی چیزیں اور امور موجود ہیں جن کی تخلیق اور تجزیہ ابھی باقی ہے۔

اس ضمن میں مشرقی دنیا نے قطعی مختلف طریقہ اپنایا ہے۔اس حوالے سے مشرق کا مؤقف یہ ہے کہ ذہن کا تجزیہ نہیں کیا جانا چاہئے بلکہ ذہن سے باہر نکل آنا چاہئے۔مسئلہ حل نہیں کرنا چاہئے بلکہ مسئلے سے باہر نکل آنا چاہئے۔جب آپ کوئی مسئلہ حل کرنے میں مصروف ہوتے ہیں آپ اس مسئلے کے اندر گم ہوجاتے ہیں، مسئلے کو حل کرتے ہوئے آپ کے سامنے مزید مسائل اُبھر آتے ہیں......اور اب یہی کچھ ہورہا ہے، جو لوگ نفسیاتی تجزیے کی راہ اختیار کرلیتے ہیں، انہیں یہ عمل بہت مہنگا پڑتا ہے......لاکھوں افراد، اس عمل کو اختیار نہیں کرسکتے، لیکن جو لوگ اس راہ پر چلنا شروع کرتے ہیں، برسوں یونہی بھٹکتے رہتے ہیں۔وہ ایک کے بعد دوسرا معالج ڈھونڈتے ہیں کہ اگر ایک معالج کامیاب نہیں ہوتا تو دوسرا معالج ان کے لئے مددگار ثابت ہوگا۔

ایسی صورت حال کبھی پیدا نہیں ہوتی۔اپنے ذہن کے تجربے کے ذریعے آپ کسی ایسے مرحلے پر نہیں پہنچ سکتے جہاں آپ ذہن سے باہر نکل سکیں۔اپنے ذہن کا تجزیہ کرتے ہوئے آپ اس کے اندر موجود رہتے ہیں، اور اندر موجود رہیں گے۔ممکن ہے کہ آپ اپنی زندگی میں اس

قدر طمانیت حاصل کر سکیں لیکن آپ اسی طرح دماغی تغیر کا شکار ہو سکتے ہیں جس طرح کوئی دوسرا شخص دماغی خلل کا شکار ہو سکتا ہے۔ بالکل درست لیکن آپ میں اور دوسروں میں ایک فرق ضرور ہے کہ آپ کا یہ دماغی تغیر قدرے اطمینان بخش، منطقی اور قابلِ فہم ہو گا لیکن آپ میں کوئی انقلابی تبدیلی رونما نہیں ہو گی۔ انقلابی تبدیلی اس وقت رونما ہوتی ہے جب آپ کو علم ہو جاتا ہے کہ نفسیاتی تجزیہ بے مقصد ہے۔ انسان کو اپنے ذہن سے باہر آ جانا چاہئے۔ انسان کا یہی عمل غور و فکر، گیان، دھیان کہلاتا ہے اور یہ عمل نفسیاتی تجزیے کے بالکل اُلٹ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ذہن تو لامحدود اور بے کراں ہے، اس کے متعلق فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... اور آپ اس سے باہر نکل سکتے ہیں۔ آپ تو ذہن نہیں ہیں...... اس لئے آپ اس میں کیوں داخل ہوتے ہیں؟ آپ اس میں سے باہر نکل سکتے ہیں۔ ذہن تو اپنی مخصوص جگہ پر قائم ہے لیکن آپ اپنے ذہن سے باہر ہیں۔ اور جب آپ اپنے ذہن سے آزاد ہو جائیں گے، آپ کا ذہن آپ کے قابو میں ہو گا۔ پھر آپ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اسے استعمال کر سکیں گے، ذہن آپ پر مسلط نہیں ہو سکے گا۔

مکمل طور پر تحلیلِ نفسی کا شکار، انسان، خوابوں کی دنیا ہی میں رہتا ہے۔ نفسیاتی طور پر تبدیل شدہ انسان، ایک نئے خواب کے مانند ہوتا ہے۔ انسان کو خواب اچھے لگتے ہیں اور وہ اپنی کامیابی کی امید پر نئے نئے خواب بُنتا رہتا ہے۔ بعض دفعہ انسان غور و فکر، گیان دھیان سے کام لیتا ہے اور بعض دفعہ وہ دولت، طاقت، شہرت کے ذریعے سکون و طمانیت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بعض اوقات، انسان ایک مکمل تجزیہ شدہ، انسان بن سکتا ہے۔

میرے پاس مختلف اقسام کے ماہرینِ نفسیات، ماہرینِ تحلیلِ نفسی اور معالج موجود ہیں۔ جس پیشے سے منسلک سب سے زیادہ ماہرین میرے پاس موجود ہیں وہ علاج معالجہ سے متعلق ہے۔ اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے۔ جو لوگ اس پیشے میں کام کرتے رہے...... انہیں یہ حقیقت واضح طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ اس پیشے کے باعث وہ کولہو کے بیل کے مانند ایک ہی دائرے میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ آپ کسی منزل تک نہیں پہنچتے، بلکہ آپ کو محض دھوکا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کسی منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔ یہ سفر تو ہے مگر اس کے نتائج مثبت برآمد نہیں ہوتے۔ یہ ایک نہایت ہی بے مقصد اور لامحدود چکر ہے کہ ایک شخص محض ایک دائرے میں گھومتا ہی چلا جاتا

ہے۔ یہ چکر آپ کو امید و انتظار میں مبتلا رکھتا ہے...... اور بس...... آپ اسی امید و انتظار کی کیفیت میں سُولی پر چڑھے رہتے ہیں۔ جب آپ کو اس حقیقت کا ادراک ہو جائے تو پھر تحلیلِ نفسی کو فراموش کر دیجئے اور کوئی دوسرا قطعی مختلف عمل اپنایئے...... یعنی اپنے متعلق غور و فکر کیجئے، خود کو پہچاننے کی کوشش کیجئے اور اپنے اندر کے خالی پن اور تنہائی کو دُور کرنے اور اس سے نجات حاصل کرنے کی تگ و دو کیجئے۔ غور و فکر سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ اپنے ذہن کے متعلق سوچیں...... آپ کو اپنے ذہن سے باہر آنا ہو گا...... غور و فکر تو ذہن سے نجات اور فرار کا ایک راستہ ہے، غور و فکر، اور گیان دھیان کے ذریعے آپ اپنے ذہن سے فاصلہ قائم کر لیتے ہیں، یہ غور و فکر اور گیان دھیان، آپ کی کایا کلپ کا باعث ہے۔

اور جب آپ اپنے ذہن سے ماوراء، علیحدہ، پرے اور بلند پہاڑ پر کھڑے ہو کر حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو صورت حال بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پھر وہ مسائل آپ پر مزید حاوی نہیں ہوتے کیونکہ جب آپ ان مسائل میں الجھتے ہیں تو پھر یہ آپ پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے آپ سوتے ہیں ڈراؤنا خواب دیکھتے ہیں اور ''واقعی'' پریشان ہو جاتے ہیں۔ ایک شیر آپ کا تعاقب کر رہا ہے، اور آپ بھاگتے ہی چلے جاتے ہیں، اور پھر ہر لمحہ، شیر، آپ کے نزدیک آتا جاتا ہے، آپ اپنی پشت پر اس کی سانس محسوس کر سکتے ہیں۔ آپ نہایت دہشت زدہ ہو جاتے ہیں، آپ درخت پر چڑھنا شروع کرتے ہیں اور شیر بھی آپ کے ساتھ ہی درخت پر چڑھ جاتا ہے کیونکہ یہ تو ایک خواب ہے اور خواب میں سب کچھ ممکن ہے۔ آپ کا دل دھک دھک کر رہا ہے اور آپ کے تمام بدن سے پسینہ پھوٹ رہا ہے۔ اور پھر جب آپ درخت کی سب سے بلند شاخ پر پہنچتے ہیں، شیر بھی آپ کے ساتھ ہی موجود ہوتا ہے۔ آپ کے منہ سے ایک چیخ برآمد ہوتی ہے، اور چیخنے کے باعث آپ بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اچانک آپ پر ہنسی کا دورہ پڑتا ہے حالانکہ ابھی بھی آپ کا بدن کانپ رہا ہوتا ہے اور آپ کی سانس کے زیر و بم۔ بے ترتیب ہوتے ہیں، اور آپ کے بدن سے ابھی بھی پسینہ بہہ رہا ہوتا ہے، آپ پسینے کے قطرے اپنی پیشانی پر دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اب آپ ہنستے ہی چلے جاتے ہیں، آپ اس تمام صورت حال کا مذاق اڑاتے ہیں...... اس کی مضحکہ خیزی پر خندہ زن ہوتے ہیں...... یہ تو محض ایک خواب تھا!

آپ کے ساتھ یہ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ ایک لمحہ پہلے آپ اس صورت حال میں گرفتار تھے، یہ

محض خواب نہیں تھا کیونکہ یہ صورت حال آپ پر وارد ہوئی تھی، آپ خود کو پہچان رہے تھے، آپ اسے حقیقت سمجھ رہے تھے۔ یہ خیال کہ یہ سب کچھ حقیقت تھا، آپ کو پاگل بنائے جا رہا تھا۔ اب جبکہ آپ اس خوابناک صورت حال سے باہر آ چکے ہیں، آپ اپنے حواسوں میں ہیں...... آپ اس حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں کہ یہ تو محض ایک خواب تھا! آپ کا ذہن بھی ایک خواب کے مانند ہے، بعض اوقات بہت اچھا خواب اور بعض اوقات ڈراؤنا خواب، لیکن خواب تو محض ایک خواب ہے۔

مشرق میں جو ہم صدیوں سے کوشش اور تگ ودو میں مصروف ہیں، یہ نہیں ہے کہ ہم مسائل حل کریں۔ مثال کے طور پر، اپنے اس خواب میں یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس شیر سے کیسے محفوظ رہا جائے جو آپ کا تعاقب کر رہا ہے۔ اسی عمل کو تو تحلیلِ نفسی کہتے ہیں۔ یا پھر آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ شیر کہاں سے آیا؟ یہ واقعہ کیسے رونما ہوا؟ یہ شیر میرا تعاقب کیوں کر رہا ہے؟ مجھ پر یہ خوف کیوں طاری ہو رہا ہے؟ میں درخت پر کیوں چڑھ رہا ہوں؟ اور یہ خوف کہاں سے مجھ پر مسلط ہو رہا ہے؟ میں درخت پر کیوں چڑھ رہا ہوں؟ اور پھر آپ کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوتی ہے جو حالات وواقعات کا تجزیہ کرنے کا ماہر ہے، جو نظریات تخلیق کرنے کا ماہر ہے، جو آپ کو یہ بتانے کا ماہر ہے کہ یہ واقعہ کیسے پیش آیا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو پیدائشی طور پر کوئی خوف لاحق تھا...... یا آپ کے والدین آپ کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ یا پھر ممکن ہے کہ یہ شیر کچھ بھی نہ ہو...... ذرا اس کی آنکھوں میں جھانک کر تو دیکھئے...... یہ تو آپ کی بیوی یا آپ کا خاوند ہے...... اور آپ اپنی بیوی یا خاوند سے خوفزدہ ہیں۔

لیکن ان تمام تشریحات وتوضیحات سے ایک بات سچ ثابت ہوتی ہے...... کہ یہ سب کچھ حقیقت اور سچ ہے، اور بنیادی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ یہ شیر کہاں سے آیا یا اس شیر کا علامتی مفہوم کیا ہے۔ درحقیقت، اصلی مسئلہ یہ نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ شیر اصلی اور حقیقی ہے۔ نفسیاتی تجزیہ اس ضمن میں آپ کو یہ معلومات مہیا نہیں کرتا، آپ کو یہ علم فراہم نہیں کرتا کہ آپ کو یہ علم ہو جائے کہ ذہن، کوئی حقیقی شے نہیں ہے، محض ایک دھوکا اور سراب ہے۔ درحقیقت یہ آپ کو مزید دلدل اور کیچڑ میں دھکیل دیتا ہے...... یہ آپ کو نیچے گہرائیوں تک لے جاتا ہے، لیکن دھوکے اور سراب کے کوئی پاؤں نہیں ہوتے، دھوکے اور سراب کی کوئی جڑیں نہیں ہوتیں، آپ ہمیشہ دھوکے اور سراب کی جڑوں کی طرف لپکتے رہیں گے لیکن آپ وہاں کبھی بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ کسی بھی

دھوکے، فریب اور سراب کی کوئی بھی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔

میں اپنے اس موقف کو دوبارہ دہراتا ہوں کیوں کہ اس طرح فرق بہت واضح ہو جائے گا، کسی دھوکے، فریب اور سراب کی کوئی توجیہہ نہیں ہو سکتی، اس لئے آپ کسی توجیہہ واستدلال کی نمائش میں سرگرداں نہیں ہو سکتے، آپ اس طرح تلاشِ بے مقصد میں مزید مصروف نہیں ہو سکتے۔ آپ کسی شخص کے تحت الشعور تک پہنچ سکتے ہیں۔ فرائیڈ نے بھی یہی کچھ کیا، اور نہایت درست انداز میں کیا لیکن پھر بھی کسی مسئلے کا حل سامنے نہ آ سکا۔ جنگ کو بھی نہایت گہرائی میں جانا پڑا تھا، اسے بھی اجتماعی تحت الشعور کے مانند کسی چیز کی تلاش میں مصروف ہونا پڑا تھا۔ اور پھر آپ اسی تلاش میں آگے تک جا سکتے ہیں۔ اور پھر آپ آفاقی تحت الشعور تک پہنچ سکتے ہیں، اور اسی طرح تہہ بہ تہہ، آپ ہر چیز کے بخیے ادھیڑ سکتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ پیدائشی طور پر خوف میں مبتلا ہوں...... کہ آپ اس وقت انتہائی خوف کا شکار ہو گئے جب آپ اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آئے لیکن معاملہ ایسے ہی ختم نہیں ہوا کیونکہ آپ نو مہینے اپنی ماں کے پیٹ میں رہے۔ یہ نو ماہ کہیں غائب نہیں ہو سکتے۔ ان نو ماہ کے دوران آپ کے ساتھ بہت کچھ پیش آیا، آپ کو ان حالات کا تجزیہ کرنا ہوگا!!

اور اگر آپ بہت زیادہ گہرائی میں چلے جاتے ہیں تو پھر آپ کو اپنی سابقہ زندگی میں جانا ہوگا، اور یہی ہندو تجزیہ کاروں کا موقف ہے۔ وہ ''سابقہ زندگی'' کا تذکرہ کرتے ہیں اور پھر ''سابقہ سے سابقہ'' زندگی کا ذکر کرتے ہیں، اور پیچھے کی طرف لوٹتے جاتے ہیں۔ اور پھر آپ کہیں بھی نہیں پہنچتے، یا پھر آپ ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں آپ اس تمام عمل کی نامعقولیت اور بے مقصدیت سے واقف ہو جاتے ہیں۔

اپنے ذہن کی نامعقولیت اور بے مقصدیت کا مشاہدہ کرنے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ کسی دھوکے اور سراب کی کوئی توجیہہ نہیں ہوتی اور اس کا تجزیہ بھی نہیں کیا جا سکتا، آپ صرف یہی کر سکتے ہیں کہ آپ قدرے ہوشیار اور خبردار ہو جائیں۔ جب آپ اس طرح ہوشیار اور خبردار ہو جاتے ہیں تو پھر خواب غائب ہو جاتے ہیں، خوابوں کا آپ پر کوئی بس نہیں چلتا، اور جب ایک دفعہ، آپ اپنے ذہن سے باہر نکل آتے ہیں، آپ ایک نئے انسان کا روپ دھار لیتے ہیں، آپ کی زندگی میں بھرپور انقلاب رونما ہو جاتا ہے، اور آپ میں ایک نیا شعور اور آگہی پیدا ہو جاتی ہے۔

ہوفمین (Hoffman) کوتو اس نامعقولیت اور بے مقصدیت سے لازمی طور پر باخبر اور آگاہ ہو جانا چاہئے۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی تحلیلِ نفسی کے ذریعے لوگوں کی مدد کرتا رہا ہے...... لیکن اس طرح اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ لوگوں کی ذات کے تجزیے نے بھی اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ ممکن ہے اس تجزیے کے ذریعے حالات قدرے واضح ہو جاتے...... کچھ چیزیں زیادہ نمایاں ہو جاتیں...... ایک قسم کا کبوتر خانہ وجود میں آ جاتا...... بعض امور کی وضاحت اور شناخت ہو جاتی...... لیکن پھر بھی کوئی اہم واقعہ رونما نہ ہوتا۔ اور پھر کبھی کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے...... یہ تحلیلِ نفسی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اگر کبھی کسی قسم کا واقعہ رونما ہوتا ہے، اس کی دیگر وجوہات بھی ہو سکتی ہیں، گلازمی طور پر اس کی کچھ دوسری وجوہات بھی ہوتی ہیں۔

ایک شخص، اس تمام عمل، جسے تحلیلِ نفسی کہتے ہیں، سے بیزار ہو سکتا ہے، اُکتا سکتا ہے۔ اس تحلیلِ نفسی سے یہ اکتاہٹ اور بیزاریت، اس کے اندر ایک نیا شعور اور آگہی پیدا کر سکتی ہے۔ وہ اس تمام تگ ودو سے اُکتا سکتا ہے، بیزار ہو سکتا ہے۔ پھر ایک دن اسے یہ سمجھ آ سکتی ہے کہ اب کافی ہو چکا، ایک ماہر نفسیات سے دوسرے ماہر نفسیات کی طرف بھاگ دوڑ، ایک سکول سے دوسرے سکول میں داخلہ، پھر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ بس اب کافی ہو چکا، اور اسے اب چیزوں کی پروا نہیں کرنا چاہئے، اس کی تو چنداں اہمیت نہیں ہے اور اسی لاتعلقی اور بے اعتنائی ہی میں کچھ ممکنات کا وجود ہے۔

یا پھر، اس ماہرِ نفسیات یا معالج کی مقناطیسی شخصیت کے ذریعے کچھ نہ کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ علاج کی نسبت، معالج زیادہ کارآمد اور مفید ثابت ہوتا ہے۔ اگر معالج کی شخصیت میں طلسم اور مقناطیسیت موجود ہے، جس طرح فرائیڈ...... اور پھر ژنگ 'ایڈلر...... اگر ماہر نفسیات اور تحلیلِ نفسی کا ماہر طلسمی اور مقناطیسی شخصیت کا مالک ہے، وہ اپنے وجود اور ذات سے باخبر ہے، اس کا اندر تنہائی اور خالی پن سے ماوراء ہے، یہی تو اصلی اور حقیقی دوا اور نسخہ ہے، یہی تو علاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عمل بار بار رونما ہوتا ہے کہ جب معالج، اپنی ذات اور وجود میں زندہ ہوتا ہے، اسے اپنی زندگی کی پہچان ہوتی ہے، اس کا طریقہ علاج اور شخصیت، کارآمد اور مفید ثابت ہوتی ہے لیکن جب معالج اپنے وجود میں زندہ نہیں ہوتا ہے، اسے اپنے وجود اور ذات کی پہچان نہیں ہوتی اور اس کا طلسم اور مقناطیسیت غائب ہوتی جاتی ہے، تو پھر اس کا علاج کارآمد اور مفید

ثابت نہیں ہوتا۔

سگمنڈ فرائیڈ کی موت کے ساتھ ہی تحلیلِ نفسی بھی دفن ہو گئی۔ یہ تو اس کی شخصیت کا طلسم اور مقناطیسیت تھی، وہ اپنی تحلیلِ نفسی بھی نہیں کر سکا تھا۔ فرائیڈ کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی مقناطیسیت، خاص قسم کی پُراسراریت موجود تھی، اور یہ طلسم مقناطیسیت اور پُراسراریت، کسی میں موجود ہو سکتی ہے اور کسی میں موجود نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ بھی وہ کر رہا تھا، بامقصد دکھائی دیتا کیونکہ اس نے اپنے ہر کام میں مفہوم اور مقصد سمو دیا تھا۔ جب طلسمی شخصیت کا حامل شخص، جس میں مقناطیسی توانائی بھی موجود ہو، کوئی بھی کام انجام دیتا ہے، وہ کام اہم اور بامقصد معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص یہی کام انجام دے، تو یہ کام معمولی اور غیر اہم حیثیت کا حامل ہو سکتا ہے، اور ایسا ہی ہوا۔

ژنگ نے اپنے اقوال اور نہ ہی اپنے تجزیے کے ذریعے لوگوں کی مدد کی، بلکہ اس نے اپنی شخصیت کے ذریعے لوگوں کی مدد کی۔

لیکن معالجین ابھی تک اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ نظریات وعقائد اور اصول کارآمد ومفید ثابت نہیں ہوتے بلکہ انسان کی ذاتی شخصیت، مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ یہ کوئی پُراسرار قسم کی چیز ہے، یعنی انسانی شخصیت، جو مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہے۔

کیا آپ کو کبھی ایسی صورت حال کا مشاہدہ کرنے کا موقع میسر ہوا ہے؟ آپ بیمار ہیں اور آپ کا معالج، علاج کے لئے آپ کے پاس آتا ہے، اور جس لمحے وہ آپ کے کمرے میں داخل ہوتا ہے آپ کی بیماری دور ہونا شروع ہو جاتی ہے، حالانکہ اس نے ابھی تک آپ کو کوئی دوا استعمال نہیں کروائی، حتیٰ کہ آپ کی تشخیص بھی نہیں کی کہ آپ کو کس قسم کی بیماری ہے، اور اس نے آپ کو ابھی تک چھوا تک بھی نہیں۔ وہ تو محض ابھی آپ کے کمرے میں داخل ہی ہوا ہے۔ جیسے ہی آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کا معالج آپ کے پاس پہنچ چکا ہے، آپ اپنے معالج کی موجودگی محسوس کر لیتے ہیں، پھر جو چیز آپ کے لئے پریشانی کا باعث ہوتی ہے، غائب ہو جاتی ہے۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اب آپ ہر قسم کی پریشانی سے خود کو محفوظ سمجھتے ہیں کہ آپ کا معالج آپ کے پاس پہنچ چکا ہے، اب وہ خود ہی تمام معاملات سنبھال لے گا۔ اگر ڈاکٹر کی ذاتی شخصیت میں شفائی تاثیر موجود ہے، تو جب وہ آپ کی تشخیص کا آغاز کرتا ہے، آپ کے فشارِ خون کی جانچ کرتا ہے، آپ کی نبض کا معائنہ کرتا ہے، تو آپ اسی عمل کے دوران ہی خود کو تندرست

محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دوا اپنا اثر زیادہ نہ دکھا سکی ہو، لیکن معالج کی اپنی پُر تاثیر شخصیت نے اپنا اثر دکھا دیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ آپ کو اپنے معالج پر یقین اور اعتماد ہے، اپنے معالج کی اثر انگیز شخصیت پر اعتماد ہے، اس کی افادیت پر آپ کو اعتماد و یقین ہے کہ جیسے وہ آپ کو کہہ رہا ہو: ''فکر مت کرو اور نہ ہی پریشان ہو، میں ہوں نا!''

نفسیاتی تجزیے کے ذریعے علاج کے ماہرین ابھی تک اس حقیقت کا مکمل طور پر شعور و ادراک نہیں حاصل کر سکے کہ علاج کے لئے طریقۂ علاج مفید اور کار آمد ثابت نہیں ہوتا بلکہ معالج کی ذاتی شخصیت اثر پذیر ثابت ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس معالج کو بھی ادراک نہ ہو کہ اس کے اندر موجود شفائی تاثیر، مفید اور کار آمد ثابت ہو رہی ہے۔ اگر آپ درست طور پر میری بات سمجھیں کہ وہ خدا ہی ہے جو شفاء اور تندرستی عطا کرتا ہے۔ صرف خدا کی ذات ہی ایسی ہے جو تندرستی و صحت بخش سکتی ہے۔ اگر اس کا کوئی بندہ اپنی ذات میں زندہ ہے، اپنی ذات اور وجود سے باخبر ہے، تو پھر خدا کی ذات اس کے اندر موجود ہے، اور نفسی تحلیل کا عمل ابھی تک اس طلسم، اس توانائی اور اثر پذیری کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

مشرقی دنیا، ایک ایسی دنیا ہے جہاں ایک مرید اپنے مرشد کے پاس حاضر ہوتا ہے، اس کے پاؤں چُھوتا ہے اور وہ تمام آلائشوں سے پاک اور تندرست ہو جاتا ہے۔ مرشد، کسی بھی قسم کی تحلیلِ نفسی نہیں کر رہا، کوئی طریقہ علاج استعمال نہیں کر رہا، کچھ بھی نہیں کر رہا۔ مرشد کو اس ضمن میں کوئی تجربہ نہیں ہے...... یہ تو محض اس کی شخصی توانائی اور تاثیر ہے...... وہ خوشبو، جو مرشد کے وجود کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور وہ اعتماد جو مریض کو اس کے اوپر ہے۔ مشرق میں نفسی تحلیل کا کیا کردار ہے، کچھ بھی نہیں، اور مشرق میں نفسی تحلیل کے ماہرین نہیں پائے جاتے، لیکن پھر بھی لوگ نفسیاتی طور پر زیادہ صحت مند ہیں، بہت ہی زیادہ تندرست ہیں، اور مغرب میں تو ایسا ہرگز نہیں ہے جہاں تقریباً ہر شخص نفسیاتی مریض ہے۔

مغربی دنیا میں نفسیاتی مریضوں کے علاج کے لئے بہت کوششیں ہو رہی ہیں، بہت زیادہ توانائی صرف کی جا رہی ہے لیکن ان مریضوں کی تعداد میں کمی واقع نہیں ہو رہی۔ نفسی تحلیل کا طریقہ کارگر ثابت نہیں ہوا، اور جب یہ طریقہ واقعی کامیاب ہوگا تو پھر معلوم ہوگا کہ طریقہ علاج نہیں، بلکہ یہ تو معالج ہے جو اپنی اثر پذیری کے باعث مریضوں کو بیماری کے اثرات اور علامات

سے محفوظ رکھتا ہے۔

اور اب ہوفمین کہتا ہے: ''لیکن اب کیا کیا جائے۔ میں خود کو اب نہیں سمجھتا کہ میں کوئی معالج یا ماہر نفسیات ہوں، یا پھر تجزیہ کار ہوں، اب تو میں محض ایک انسان ہوں، اور شاید ایک معلم ہوں۔'' آپ اور آپ جیسے دیگر افراد کو اس کے لئے موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ معالج کی طرح محسوس نہیں کر رہے، کسی ماہر نفسیات کے مانند محسوس نہیں کر رہے، تو پھر آپ اس نکتے کے قریب پہنچ رہے ہیں جس کے متعلق میں بات کر رہا ہوں۔ آپ اپنی شخصیت اختیار کر رہے ہیں، اپنی شخصیت اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ خود کو پہچان رہے ہیں۔ اگر آپ خود کو ایک انسان کے مانند محسوس کر رہے ہیں تو پھر آپ پہلے سے کہیں زیادہ لوگوں کی مدد کرنے کے قابل ہو جائیں گے لیکن اب اس حقیقت سے باخبر رہئے کہ اب ہر چیز ثانوی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

اس ضمن میں سب سے بنیادی چیز ''شخصیت کی موجودگی'' ہے، جس کا احساس، معالج، اپنے مریض کو دلاتا ہے۔ مریض نا امید ہو چکا ہے، مریض منفی خیالات میں گھِر چکا ہے، مریض مایوس اور پریشان ہے، مریض کو اب کسی پر بھروسا نہیں، مریض اپنے خول میں بند ہو چکا ہے، وہ ذہنی طور پر شکست تسلیم کر چکا ہے۔ پھر ایک حقیقی معالج اپنی ''شخصیت'' کے ساتھ آئے گا، اپنی تاثیر کا اظہار کرے گا، اپنے زندہ وجود کو سامنے لائے گا، اور اس میں موجود شفاتی توانائی، مریض میں منتقل ہو جائے گی۔ اس کی آمد ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے مانند ہوگی، اس کی آمد، سورج کی نئی شعاعوں کے مانند ہوگی، وہ ایک قسم کی الوہی توانائی مریض میں منتقل کر دے گا، وہ ایک دُعا اور برکت کی حیثیت سے مریض میں داخل ہو جائے گا، اس کی شخصیت مریض کا احاطہ کرے گی، وہ مریض کو چاروں طرف سے گھیر لے گا، وہ مریض کے لئے، ماں کے گرم پیٹ کی حیثیت اختیار کر لے گا، اور پھر حالات میں تغیر رونما ہونا شروع ہو جائے گا، معجزات کی رونمائی کا آغاز ہو جائے گا۔

اور، میں نہیں کہتا کہ آپ اپنی مہارت اور تجربے کو پیچھے کر لیں...... لیکن یہ سب کچھ ثانوی ہے۔ سب سے پہلے مریض سے براہ راست رابطہ کیجئے، اسے اپنی موجودگی اور زندہ وجود میں شامل ہونے دیجئے تا کہ اس کے دل میں امید دوبارہ پیدا ہو جائے، اس کے منفی خیالات مثبت خیالات میں تبدیل ہو جائیں۔ اسے خوشی محسوس کرنے دیجئے...... اسے زندگی پر اعتبار کرنے کا موقع فراہم کیجئے...... اسے یہ احساس ہونے دیجئے کہ زندگی بے مقصد نہیں ہے۔ اس پیغام کے

ساتھ نغمہ سرائی اور اس کے گرد رقص کیجئے لیکن یہ پیغام بہت ہی بلند آہنگ اور واضح ہونا چاہئے کہ زندگی کا بھی ایک مفہوم ہے، زندگی کا بھی ایک مقصد ہے۔ اسے یہ مشاہدہ کرنے کا موقع دیجئے کہ زندگی میں آپ کے لئے بھی مقصد ومفہوم موجود ہے تو اس کے لئے اس زندگی میں مقصد ومفہوم کیوں نہیں موجود ہوسکتا؟ اور پھر وہ مایوسی اور پریشانی کے عالم سے باہر نکلنے کی ابتداء کردے گا کیونکہ آپ اس کی مدد کو پہنچ چکے ہیں، آپ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا ہے، اور اب آپ اسے پریشانیوں اور الجھنوں سے نجات دلا سکتے ہیں، آپ اسے اس کے غیض وغضب کے عالم سے باہر نکال سکتے ہیں۔

جب وہ شخص مایوسی اور دل گرفتی کے عالم سے باہر آجاتا ہے تو پھر شفائی قوتیں اپنی کارروائیوں کا آغاز کردیتی ہیں۔ یہ شفائی قوتیں، ہمیشہ آپ کے آس پاس موجود رہتی ہے، خدا تعالیٰ تو ہماری شہہ رگ سے بھی زیادہ ہمارے نزدیک ہے۔ جب آپ منفی عالم میں گرفتار ہوجاتے ہیں تو پھر آپ خدا تعالیٰ کے ساتھ ربط قائم نہیں رہ سکتے، اور اس ضمن میں آپ کو ایک رابطے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، وہ رابطہ، جس کے ذریعے آپ خدا تعالیٰ سے منسلک ہوسکیں۔

اس لئے 'ہوفمین' نے بھی بالکل درست راستہ اختیار کیا! آپ بھی اپنی ذات میں زندہ انسان کی شکل اختیار کرلیجئے، کسی بھی قسم کی تحلیلِ نفسی اور علاج کو بھول جایئے! اور جب میں کہتا ہوں کہ تحلیلِ نفسی اور علاج بھول جایئے، اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ آپ انہیں استعمال نہ کریں...... بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ انہیں خود پر مسلط نہ کریں۔ تحلیلِ نفسی اور علاج کا وجود ہے، آپ کا بھرپور علم اور تجربہ بھی آپ کے ساتھ موجود ہے، اور آپ کے ساتھ موجود رہے گا، لیکن اب اس تجربے اور علم کو ثانوی حیثیت دے دیجئے کیونکہ یہ کچھ حد تک آپ کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگا۔

زین (Zen) مذہب کے پیروکار کہتے ہیں کہ اگر آپ واقعی مصور بننے کے خواہاں ہیں، تو پھر آپ کو سالہا سال تک مصوری سیکھنا ہوگی۔ پھر چند سالوں کے لئے مصوری کو قطعی طور پر فراموش کر دیجئے۔ برش، کینوس اور رنگ کو کہیں دور پھینک دیجئے، کوئی اور کام کریں، اور اس حقیقت سے مکمل طور پر غافل ہوجایئے کہ آپ مصوری کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔ پہلے سیکھئے، پھر اسے فراموش کر دیجئے...... اور پھر ایک دن...... اچانک...... آپ مصوری کررہے ہوں گے۔ اور آپ کی یہ مصوری

قطعی معصوم اور اطہر ہوگی جس طرح ایک بچہ معصوم ہوتا ہے، اس ماہر کی معصومیت جو سب کچھ جانتا ہے، اور جب معصومیت اور تجربہ اکٹھا ہوجاتا ہے تو پھر ایک عظیم شاہکار وجود میں آتا ہے۔

یاد رکھئے! آپ بہت زیادہ حساس ہوسکتے ہیں، آپ کا مزاج بھی بہت زیادہ شاعرانہ ہوسکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ آپ کو یہ علم نہ ہو کہ آپ اپنی حساسیت کو کس طرح رنگوں میں ڈھالیں، ممکن ہے کہ آپ کو مصوری کا طریقہ معلوم نہ ہو، تو پھر تب آپ کی تصویر قطعی بے کار ہوگی جس طرح ایک شوقیہ فنکار کی تصویر فضول ہوتی ہے۔ یا پھر یہ ہے کہ آپ عظیم فنکار بن سکتے ہیں، آپ کو برش، رنگوں اور مصوری کی قسم کے متعلق تمام معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ آپ کسی اکیڈمی میں تعلیم حاصل کرسکتے ہیں، آپ ایک عظیم فنکار بن سکتے ہیں، لیکن آپ میں کسی بھی قسم کی حساسیت پیدا نہیں ہوسکتی، آپ میں پیار ومحبت کے جذبات پیدا نہیں ہوسکتے، آپ کا مزاج شاعرانہ نہیں ہوسکتا، آپ کے دل سے کوئی نغمہ نہیں اُبھر سکتا۔ پھر آپ مصوری کرسکتے ہیں...... اور آپ کی تصویر تکنیکی لحاظ سے بالکل درست ہوسکتی ہے...... لیکن یہ تصویر بے جان ہوگی۔ ایک حقیقی فنکار دونوں خوبیوں کا حامل ہوتا ہے، اس میں بچے کی سی معصومیت بھی ہوتی ہے اور اس میں فنکارانہ تجربہ اور تکنیک بھی موجود ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ مصوری کرتا ہے، وہ تمام ترکیبیں بھول جاتا ہے، لیکن یہ تمام ترکیبیں اس کے تحت الشعور میں موجود ہوتی ہیں اور کارفرما ہوتی ہیں، لیکن وہ تمام قسم کے تجربوں اور مہارت کو فراموش کردیتا ہے، اس میں معصومیت پیدا ہوجاتی ہے، وہ ایک شوقیہ فنکار کے مانند مصوری کرتا ہے، وہ جو کچھ کررہا ہے، وہ شعوری طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا، لہٰذا اس میں تازگی بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے، اس کی سوچ جوان ہوتی ہے، اور پھر لاشعوری طور پر تجربہ اس کے کام آتا ہے۔ یہ تجربہ، اس کی رگ رگ، اس کے خون، اس کی ہڈیوں میں رچا ہوا ہے۔ اسے اپنی یادداشت میں لانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اس کے متعلق شعوری طور پر خود کو آگاہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور پھر کسی نامعلوم مقام سے علم، اس کے رگ وپے میں اترتا جاتا ہے۔

اور یہی اصول اس زندگی کے لئے ہونا چاہئے جس قسم کی زندگی آپ بسر کرنے کے خواہاں ہیں۔ پہلے اسے فنی طور پر بخوبی سیکھ لیجئے اور پھر اس کی ترکیبیں بھول جایئے۔ پھر نہایت معصومیت کے ساتھ اس اصول کے تحت زندگی بسر کیجئے۔ اگر آپ کسی زندہ وجود کے مانند محسوس کررہے ہیں تو یہ ایک ایسی بہترین صورت حال ہے جو کسی زندہ وجود/انسان کے ساتھ پیش آسکتی ہے...... اور

بہرشاید، آپ ایک معلم کے مانند محسوس کر رہے ہیں، بہت خوب! یہ لفظ ''شاید'' بہت خوبصورت ہے۔ اگر آپ خود کے ایک معلم ہونے کے متعلق پُر یقین ہوتے، تو پھر میں آپ کو کہتا کہ یہ خیال ترک کر دیں...... یہ بہت خطرناک ہے۔ ''شاید'' اچھی چیز ہے، ''ہچکچاہٹ'' اچھی چیز ہے۔ ایک اچھا 'معلم' ہمیشہ ''شاید'' ہوتا ہے۔ وہ انتہا پسند اور کٹر نہیں ہوتا، وہ سخت المزاج نہیں ہوتا، اکھڑ نہیں ہوتا، وہ نرم خو اور حلیم الطبع ہوتا ہے، اس میں لچک موجود ہوتی ہے، اس میں بے ساختگی اور روانی ہوتی ہے۔ وہ تخریب کار نہیں بلکہ تخلیق کار ہوتا ہے۔ جب آپ انتہا پسند، اکھڑ اور سخت مزاج ہو جاتے ہیں، آپ تخریب کار بن جاتے ہیں۔ آپ ایک معلم نہیں بلکہ اپنے عقیدے کے پابند مبلغ بن جاتے ہیں۔

لہٰذا ہو فمین دونوں چیزیں اچھی ہیں، اپنے اندر جھانکئے، اپنے آپ کو پہچانئے، اور ایک انسان شاید معلم بن جایئے۔

تم کہتے ہو: اب تو میں راہ نمائی کے لئے صرف اپنے اندر کی آواز اور صدا سن رہا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کوئی چیز جو میں کر سکوں؟ نہیں، اگر تم کوئی بھی کام کرو گے، تم تمام صورتِ حال بگاڑ دو گے۔ تمہیں تو محض اب انتظار کرنا چاہئے، محض انتظار، ادب سے دعا کرتے اور غور وفکر کرتے ہوئے، محض انتظار کیجئے۔ حالات آپ کی مرضی کے مطابق رخ اختیار کر رہے ہیں۔ اندرونی آواز اور صدا، آپ کی راہ نمائی کرنا شروع کر دے گی۔ اور جب آپ کی اندرونی آواز وصدا، آپ کی راہ نمائی کے لئے کار فرما ہو جائے تو پھر منافقت سے کام مت لیجئے اور نہ ہی اپنی صوابدید سے کام لیں۔ یہ مت کہیں: ''میں یہ کام کروں گا، میں وہ کام نہیں کروں گا۔'' تب یہ صورتِ حال، قطعی بے معنی و بے مقصد ہوگی کہ اگر اپنی اندر کی آواز وصدا کے باوجود آپ اپنی مرضی سے کام لیتے ہیں تو پھر آپ اپنی اَنا کے ذریعے فیصلے کرتے ہیں۔ اب آپ کو چاہئے کہ اپنی اندرونی آواز و صدا پر دھیان دیں، اسے خود پر غلبہ اور تسلط حاصل کرنے دیں۔

ابتدا میں یہ سب کچھ آپ کے لئے مشکل ہوگا کیونکہ آپ کہتے ہیں: ''میں نہایت تجربہ کار، انتہائی تربیت یافتہ اور کامیاب ہوں۔'' اب یہ آپ کے لئے مشکل ہوگا کیونکہ کسی کو کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ اندرونی آواز وصدا، کہاں سے آپ کی راہ نمائی کر رہی ہے۔ آپ کے اندر سے ابھرنے والی آواز، آپ کو یہ بھی کہہ سکتی کہ ''تم سنیاسی بن جاؤ''، اور میرے احساسات بھی یہی ہیں لیکن

اس وقت آپ اپنے تجربہ کار ذہن، کامیاب ماضی اور اپنی تربیت یافتہ حیثیت کو درمیان میں مت لائیں۔ اپنے اندر کی آواز میں کسی بھی قسم کی مداخلت نہ کریں۔ اگر آپ کے اندر کی آواز آپ کو یہ کہتی ہے کہ ''تم سنیاسی بن جاؤ''، تم پھر آپ سنیاسی بن جائیں اور اپنی مرضی سے کام نہ لیں اور اپنے اندر کی آواز کے کہنے پر عمل کریں۔ آپ جس قدر زیادہ اپنے اندر کی آواز پر بھروسا واعتماد کریں گے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کو مزید کسی چیز کے متعلق سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

خدا تعالیٰ تو مسلسل آپ کو اشارے اور راہ نمائی مہیا کرتا رہتا ہے، لیکن آپ ان اشاروں اور ہدایت پر کان نہیں دھرتے۔ خدا تعالیٰ، مسلسل آپ کو ہدایت فرماتے ہیں کہ آپ نے کون سے اعمال سرانجام دینے ہیں...... خدا تعالیٰ آپ سے سرگوشیوں میں کلام فرماتے ہیں، وہ چلا چلا کر نہیں کہتے، اور ہمارے وجود میں اس قدر شور برپا ہوتا ہے کہ ہم یہ سرگوشی سن نہیں پاتے۔ اپنے اندر کی آواز پر کان دھریے جو خدا کی آواز ہے، اور نہ صرف اس آواز کو سنیے بلکہ اس کے کہنے پر عمل بھی کیجئے۔ اس آواز کے کہنے پر عمل کرنے کے لئے عزمِ مصمم کر لیجئے، پختہ ارادہ کر لیجئے اور اسے اپنی زندگی کے معاملات میں شریک کر لیجئے۔

جب آپ اپنے اندر کی آواز پر عمل کرنے کا آغاز کرتے ہیں...... تو بعض اوقات آپ کو خطرے کا بھی سامنا کرنا پڑے گا، لیکن آپ خطرہ مول لیجئے کیونکہ جہاں خطرہ موجود ہے، وہاں زندگی ہے، جہاں آپ خطرات کا سامنا اور مقابلہ کرتے ہیں، وہیں آپ ترقی کرتے اور کامیابی حاصل کر پاتے ہیں۔ خطرات کے درمیان زندگی بسر کیجئے۔ اگر آپ کے اندر کی آواز کہے: ''یہ کام کرو'' تو وہی کام انجام دیں اور نتائج کی پرواہ مت کریں۔ اس کام کی انجام دہی کے مقابلے میں کوئی بھی چیز اہم نہیں ہے۔

اور پھر جب کبھی آپ کا ذہن آپ کو کہے گا کہ ''اب تو کافی ہو چکا، اس کے متعلق سوچو۔'' اور پھر اگر آپ سوچ میں پڑ گئے تو آپ اپنی اندر کی آواز سے محروم ہو جائیں گے۔ آپ کے اندر کی آواز، آپ کی سوچ کے اندر ہی کہیں گم ہو جائے گی۔ اس لئے کچھ بھی نہ سوچئے۔ اور پھر آپ مشاہدہ کریں گے کہ آپ کا ہر عمل، آپ کو اس آواز کے قریب سے قریب تر لے آتا ہے۔ اور پھر جب آپ نے اس آواز کے کہنے پر متعدد بار عمل کیا، اور آپ نے یہ دیکھ لیا کہ یہ آواز ہمیشہ آپ کو درست راستے کی طرف لے جاتی ہے، پھر تو اس آواز کی حقانیت میں کسی بھی قسم کا شک وشبہ نہیں

ہوگا۔اور پھر ہم اپنی سوچ کا سلسلہ منقطع کر سکتے ہیں، یہ تو ایک متبادل طریقہ ہے۔ چونکہ ہم فراموش کر چکے ہیں کہ خدا کی آواز کیسے سنی جاتی ہے، اسی لئے ہم سوچ کا سہارا لیتے ہیں۔

جس شخص کو حقیقی ادراک وشعور حاصل ہوتا ہے، اسے سوچ میں گم ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اسے ہمیشہ اس کی ضروریات فراہم کرتا رہتا ہے۔

دوسرا اور تیسرا سوال، باہم منسلک ہیں:

کیا آپ کے کمرے میں کوئی ایسی انوکھی اور عجیب وغریب مشین موجود ہے جس کے ذریعے آپ اس آستانے (آشرم) میں موجود ہر شخص کے مزاج کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتے ہیں یا تبدیل کر دیتے ہیں، اور بیک وقت تمام لوگوں کا مزاج ایک جیسا ہو جاتا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے ہر شخص ایک ہی عمل سے گزرتا ہے اور وہ انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر یہ عمل انجام دیتا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟

اور پھر تیسرا سوال، یوں ہے:

کیا اس آستانے میں ہر شخص لاشعوری طور پر ایک دوسرے سے منسلک ہے؟ ہر دوسرا سوال جو میں نے پوچھنا چاہا، اسے کسی دوسرے شخص نے پوچھ لیا، یا آپ نے اس سوال کا اسی طرح جواب دیا۔

دوسرا سوال ''یگ پرم'' اور تیسرا سوال ''انند ساتھ'' کی طرف سے پوچھا گیا ہے۔ ان سوالات کے جواب میں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں یک مزاج لوگ رہتے ہیں، اسے اجتماعی مرکز کہتے ہیں، لوگوں کے ہجوم پر مشتمل اجتماع یا اجتماعی مرکز، آہستہ آہستہ روح میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور جب روح موجود نہ ہو تو اجتماعیت غائب ہو جاتی ہے اور صرف ہجوم باقی رہ جاتا ہے، اور جب ایک ہجوم، اپنے اندر روح پیدا کر لیتا ہے تو یہ اجتماعی مرکز میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور پھر یہ ایک ایسا مرکز ہے جہاں سب آپس میں ملتے ہیں۔

میں آپ سب کا مرکز ہوں۔ آپ سب میری وجہ سے یہاں موجود ہیں، آپ میں سے ہر شخص، بہت زیادہ حد تک میرے ساتھ منسلک ہے۔ میں تم سب کے لئے ایک ''مرکز'' کی حیثیت سے کردار نبھا رہا ہوں۔ پرم بھی میرے ساتھ اسی طرح منسلک ہے جس طرح ساتھ، میرے ساتھ منسلک ہے۔ اور جب آپ سب میرے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں، تو پھر فطری طور پر تم سب

آپس میں بھی منسلک ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص تمام افراد کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے۔

میں آپ کے لئے ایک ایسا مقام ہوں، ایک ایسا پُل ہوں، جہاں سے آپ ایک دوسرے کی طرف جاتے ہیں۔ اگر آپ واقعی مجھ سے پیار کرتے ہیں تو پھر آپ یہ عمل زیادہ سے زیادہ انجام دیتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ آپ سوال پوچھیں، اس کا جواب دیا جائے گا۔ آپ کی طرف سے سوال پوچھنے سے قبل ہی بہت سے افراد نے یہ سوال پوچھ لیا ہوگا۔ آپ کو محض تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا۔ اور جب اس آستانے (آشرم) میں موجود سب لوگ، بیک وقت ایک ہی عمل سے گزریں گے، تو پھر ان سب کا مزاج ایک جیسا ہی ہو جائے گا۔ ناگزیر طور پر ایسا ہی ہوگا۔ آپ جس قدر مجھ سے قریب ہوتے جاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ ایسا ہوتا جائے گا۔ بہت خوب! کچھ ایسا ہی ہو رہا ہے اور پرم نے اسے بہت اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔

آپ متفرق اکائیوں کے مانند تتر بتر ہو رہے ہیں، الگ الگ تنکوں کے مانند بکھر رہے ہیں۔ یہی مفہوم ایک کلیسا (چرچ) کا ہے، واقعی یہی مفہوم ایک کلیسا (چرچ) کا ہے، ایک کلیسا ایک اجتماعی مرکز ہے۔ ہم اپنا شعور وادراک، ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیتے ہیں، اور پھر ہر شخص دوسرے شخص پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص میں سے عظیم توانائی خارج ہوتی ہے۔ آپ تنہا اس قدر بلندی پر نہیں پہنچ سکتے، اور آپ اکیلے ہیں، اکیلے، تنہا آپ پر ہر قسم کی پابندیاں موجود ہیں، آپ ہر طرف سے قیود میں مقید ہیں۔ جب آپ، بہت سے لوگوں کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں، لامحدود اور بے حساب توانائی ہر طرف رواں دواں ہوتی ہے، اور بہت سی ایسی چیزیں رونما ہونا شروع ہو جاتی ہیں جو اکیلے اور تنہا، رونما نہیں ہو سکتی تھیں۔

مثال کے طور پر ایک انفرادی گٹار نواز ایک الگ چیز ہے جبکہ مختلف ساز نواز جب باہم اکٹھے ہو کر ایک اجتماعی سازینہ تخلیق کرتے ہیں تو یہ ایک مختلف بات ہے۔ بلاشبہ ایک انفرادی گٹار نواز تن تنہا اپنی خوبصورت اور شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے، اس کی خوبصورتی میں کوئی کلام نہیں لیکن یہ گٹار نواز انفرادی طور پر ایک حد تک اپنی خوبصورت اور شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے، اس کا ساز بھرپور نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے فن کا تو صرف ایک ہی پہلو ہے، اور وہ محض انفرادی طور پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔ لیکن جب مختلف ساز نواز، اکٹھے باہم آہنگ ہو کر اپنے فن کے مظاہرے کے ذریعے ایک اجتماعی سازینہ تخلیق کرتے ہیں تو یہ سازینہ، انفرادی ساز سے

کہیں زیادہ بھرپور اور دلنواز ہوگا۔ اس ساز ینے کے کئی پہلو ہوں گے۔ بے شمار اقسام کے ساز اور بے شمار ساز نواز اپنی توانائی اور فن کو مجتمع کرتے ہیں اور اس طرح ایک ہم آہنگ ساز ینہ تخلیق ہوتا ہے اور اجتماعیت سے یہی مراد ہے۔

آپ اپنی توانائیاں میرے ساتھ ہم آہنگ کر رہے ہیں اور فطری طور پر، آپ اس اجتماعی مرکز میں موجود دیگر تمام افراد کے مزاجوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں گے۔

اگر آپ اکیلے ہیں، تن تنہا ہیں، تو پھر آپ کے لئے خود کو بیدار رکھنا انتہائی مشکل ہے، لیکن اگر آپ چند لوگوں کی محفل میں موجود ہیں جہاں ہنسی، مذاق اور باتیں جاری ہیں، تو آپ رات بھر بآسانی جاگ سکتے ہیں۔ اس محفل میں شریک ہر فرد کے لئے انفرادی طور پر جاگنا بہت ہی مشکل ہوتا، لیکن جب یہ افراد، ایک محفل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، تو ان کے لئے رات بھر کی بیداری نہایت ہی آسان اور سادہ عمل ہے۔ ان افراد کی تمام توانائی، ہنسی، مذاق اور باتیں کرنے پر صرف ہو جاتی ہے، اور اس طرح کسی بھی فرد پر سُستی، کاہلی اور نیند غالب نہیں آتی اور وہ ہوشیار و خبردار رہتا ہے۔

اور یہ تمام واردات، تمام تجربہ اس لئے ہے کہ اس دنیا میں ایک قسم کے بدھ مت کا احیاء کیا جائے، یہ اجتماعی مرکز، یہ آستانہ، یہ آشرم، عام نوعیت کا نہیں ہے بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کی رفاقت اور قربت حاصل کرنے کے لئے ایک عملی آزمائش ہے۔ ممکن ہے آپ کو یہ علم نہ ہو کہ آئندہ کیا حالات پیش آئیں گے، ممکن ہے کہ آپ محض اپنے مسائل سے ہی باخبر ہوں اور ممکن ہے کہ آپ ان مسائل کے حل کے لئے ہی میرے پاس آئے ہوں۔ یہ تو ایک ثانوی چیز ہے، میرے دماغ میں تو کچھ اور ہی چیز اُبل رہی ہے۔

میں تو ایک ایسی جگہ تخلیق کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جہاں خدا تعالیٰ کی رحمتوں، برکتوں اور تجلیوں کا زیادہ سے زیادہ نزول ہو۔ یہ اجتماعی مرکز، ایک واسطے اور تعلق کی شکل اختیار کرے گا، یہ دنیا، خدا تعالیٰ کے ساتھ واسطے اور تعلق سے محروم ہو چکی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات تو ایک حقیقت ہے۔ بہرحال، جہاں تک اس صدی کا تعلق ہے، نتزاشے کا یہ کہنا صحیح ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات لوگوں کے دلوں سے غائب ہو چکی ہے، خدا تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کا واسطہ اور تعلق ٹوٹ چکا ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صرف واسطے اور تعلق کے ذریعے ہی رفاقت اور

قربت قائم کی جاسکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات برحق بھی ازل سے موجود ہے اور موجود رہے گی، اور ہم بھی یہیں ہیں، لیکن اس خلیج کو پاٹنے کے لئے کوئی پُل نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کس طرح قربت اور رفاقت قائم کی جائے؟

یہ اجتماعی مرکز، اس خلیج کو پاٹنے کے لئے پل تخلیق کرنے کی ایک کوشش اور تجربہ ہے۔ اس اجتماعی مرکز میں موجود تمام افراد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی قائم کیجئے۔ اپنی زیادہ سے زیادہ توانائیاں مجتمع کیجئے، اور پھر اس حقیقت کو فراموش مت کیجئے کہ ایک چھوٹی ندی، تن تنہا، سمندر تک نہیں پہنچ سکتی۔ یہ ندی یہیں کہیں گم ہو جائے گی۔ یہ ندی کسی صحرا، کسی بیابان، کسی بے آب و گیاہ میدان میں معدوم ہو جائے گی۔ لیکن اگر چھوٹی چھوٹی بہت سی ندیاں مل جائیں تو وہ گنگا کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، اور پھر یہ ندیاں، گنگا، ایک بڑے دریا کی شکل میں سمندر میں داخل ہو سکتی ہیں، حتیٰ کہ اکیلا گنگا بھی سمندر تک نہیں پہنچ سکتا بشرطیکہ یہ بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیاں اس میں شامل نہ ہوں۔

اگر آپ گنگا کے دہانے پر جائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں سے تو محض گنگا کا آغاز ہوتا ہے۔ گنگا کے دہانے پر گنگوتری کے مقام پر سنگ مرمر سے بنا ہوا گائے کا منہ ہے جہاں سے گنگا کا بہاؤ شروع ہوتا ہے۔ یہ دہانہ نہایت ہی چھوٹا ہے، اور آپ یہ کیسے امید کر سکتے ہیں کہ گنگا سمندر میں داخل ہو جائے گا؟ لیکن لاکھوں معاون نہریں، لاکھوں چھوٹی چھوٹی ندیاں اور دریا، اپنی توانائیاں گنگا کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور گنگا ایک عظیم دریا کی حیثیت سے وجود میں آتا ہے، پھر اسے کوئی چیز بھی نہیں روک سکتی، اور پھر یہ سمندر میں داخل ہو جاتا ہے۔

ایک اجتماعی مرکز، ادراک و شعور کی گنگاؤں کو تخلیق کرنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ کوشش جاری ہے، اور یہ کوشش اس صورت میں زیادہ سے زیادہ جاری رہے گی بشرطیکہ آپ اس کوشش کو زیادہ سے زیادہ تعاون مہیا کریں اور اس کے متعلق اپنے ذہن و دل میں احساس و ذمہ داری پیدا کریں۔ اس مرحلے پر کسی قسم کا اختلاف اور تنازع پیدا نہ کیجئے، معمولی معمولی چیزوں کو سدِ راہ نہ بنایئے۔ طمانیت اختیار کیجئے، اپنی طرف سے ہر قسم کا تعاون کیجئے۔ خواہ آپ کو کسی بھی قسم کا نقصان بھی اٹھانا پڑے...... پریشان اور خوفزدہ مت ہوں...... کیونکہ آپ کا یہ نقصان، بالآخر آپ کے لئے فائدے کا باعث ہوگا، اگر آپ وقتی طور پر زحمت برداشت کر لیں گے تو بالآخر رحمت و برکت

سے سرفراز ہوں گے۔

اپنی اَنا اور شعورِ خود قدری کو اپنے ساتھ لے کر میرے پاس مت آیئے، ورنہ آپ میری تمام کوشش پر پانی پھیر دیں گے۔ اپنی اَنا اور شعورِ خود قدری کو کہیں پرے پھینک دیجئے، یہاں اس سے بھی کہیں قیمتی چیز واقع ہو رہی ہے، اور جلد ہی بہت سے لوگ آئیں گے اور آپ ان کے لئے مثال ثابت ہوں گے، آپ ایک ایسا نمونہ ثابت ہوں گے جسے دیکھ کر آنے والوں کو معلوم ہوگا کہ ان کے ساتھ کیا صورت حال پیش آنے والی ہے۔ پھر جلد ہی ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کی آمد ہوگی۔ اس سے پہلے کہ ان کی آمد ہو، آپ کو چاہئے کہ صورتِ حال کو ترتیب دے لیں ورنہ بہت زیادہ شور برپا ہوگا۔

کیا آپ نے کبھی بہت سے سازندوں کو اجتماعی طور پر سازینہ بجاتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر تیس افراد ایک لے، ایک سُر اور یک آہنگ ہو کر نغمہ سرا ہوں، اور آپ بھی ان میں شامل ہو جائیں تو پھر اچانک آپ بھی اس ہم آہنگی میں مدغم ہو جائیں گے۔ لیکن اگر یہ تمام سازندے محض شور وغل کر رہے ہوں، ان کے درمیان ہم آہنگی اور ترتیب موجود نہ ہو تو، اور وہاں محض ایک ہنگامہ برپا ہو، تو پھر آپ بھی اس ہنگامے، شور اور افراتفری کا ایک حصہ بن جائیں گے۔

میں نہایت آہستگی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہوں...... آہستہ آہستہ میں آپ کے اجتماعی مرکز میں مزید لوگ شامل کر رہا ہوں، جلد ہی ان کی تعداد ہزاروں ہو جائے گی۔ جلد یا بدیر، میں ایک ایسا چھوٹا سا شہر بسانا چاہتا ہوں جہاں لوگ مکمل طور پر بے غرضانہ زندگی بسر کریں، اپنی اَنا اور شعورِ خود قدری کے بغیر اپنے معاملاتِ زندگی چلائیں...... اور پھر مزید لوگ شامل ہوتے جائیں گے...... اور پھر یہاں خوشی و مسرت کے بہت زیادہ امکانات موجود ہیں...... معجزہ آرائی کے زیادہ سے زیادہ امکانات اور مواقع موجود ہیں...... کیوں کہ خدا تعالیٰ کی ذات اپنے بھرپور انداز میں یہاں موجود ہوگی، عرش، آپ کے بالکل نزدیک سے نزدیک تر ہوتا جائے گا۔

اس حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھئے...... کہ جب آپ کی حقیر سی اَنا اور شعورِ خود قدری، آپ کے سامنے ایک اختلاف اور مزاحمت کی حیثیت سے سامنے آجاتا ہے، جب ایک چھوٹا دریا، گنگا کے ساتھ ملنے کے لئے آتا ہے، فطری طور پر اَنا اور شعورِ خود قدری آڑے آتا ہے۔ آپ کی اَنا اور شعورِ خود قدری آپ کو کہے گا: ''یہ تم کیا کر رہے ہو؟ تم نقصان اٹھاؤ گے، تم اپنی ذات سے محروم ہو

جاؤ گے، تم اپنی شناخت کھو دو گے، اگر تم گنگا کے ساتھ بہو گے، تمہیں بھی گنگا کے نام سے پکارا جائے گا، تمہارا اپنا نام کہیں گم ہو جائے گا۔''

اسی کو تو اپنی ذات اور وجود کی نفی کہتے ہیں، جس لمحے، آپ اپنی ذات کی نفی کرتے ہیں، آپ میرا حصہ بن جاتے ہیں، آپ کی ذات کی نفی ہو جاتی ہے۔ آپ کی شناخت مجھ سے ہوگی، آپ کی شناخت آپ کے نام سے نہیں ہوگی۔ اسی کو تو حوصلہ اور ہمت کہتے ہیں۔ اپنی ذات کی نفی کرنے سے آپ ایک قطعی نئی شخصیت اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ آپ کی شخصیت میری شخصیت میں ضم ہو گئی ہے۔ اپنی ذات کی نفی، آپ کی موت ہے...... اور پھر ایک نئے وجود کی تخلیق...... اَنا پرست کی حیثیت سے آپ کی موت اور ایک باشعور انسان کی حیثیت سے نئی تخلیق......

لیکن اگر ایک چھوٹا دریا یہ سوچتا ہے: ''میں گنگا میں اپنی شناخت کھونے کے لئے تیار نہیں ہوں، لیکن پھر یہ دریا صحرا اور بیابان میں گم ہو جائے گا اور یہ اس کے لئے خودکشی ہوگی۔ اگر یہ دریا گنگا کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے تو یہ خودکشی نہیں ہے، اگر یہ دریا گنگا میں شامل ہو جاتا ہے تو یہ دریا خود بھی گنگا بن جاتا ہے۔ اب صرف سوال یہ ہے کہ آپ کا اس صورتِ حال کے متعلق کیا خیال ہے۔ اگر آپ کی نظر مثبت ہے تو پھر دریا بڑا ہو جاتا ہے، یہ دریا چھوٹا نہیں رہتا، یہ اپنے تنگ کناروں تک محدود نہیں رہتا۔ اب تو گنگا وہی ہے جو دریا ہے، اب تو گنگا کا وجود ہی اس کا وجود ہے۔ یہ اس معاملے کا دوسرا پہلو ہے، اور ایسا ہی رویہ اور طرزِ عمل آپ کو اختیار کرنا چاہئے۔

جب آپ اپنی ذات کی نفی کر کے میرے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، آپ اپنی ذات کو ختم کر رہے ہوتے ہیں، آپ اپنا وجود غائب کر رہے ہوتے ہیں۔ جب آپ اس اجتماعی مرکز میں داخل ہو جاتے ہیں تو آپ اپنی ذات اور شخصیت سے مکمل طور پر دستکش ہو جاتے ہیں، اگر آپ اپنی ذات کی نفی کرنے میں ذرا سا بھی ہچکچاتے اور پس و پیش کرتے ہیں، تو پھر خود بھی پریشان ہو جائیں گے اور دیگر تمام افراد کو بھی پریشانی میں مبتلا کریں گے اور آپ کو مجھ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

اس وقت یہ صورتِ حال موجود ہے اور یہ صورتِ حال، زیادہ سے زیادہ طور پر رونما ہو رہی ہے۔ اس کے لئے تیار رہئے۔

چوتھا سوال یوں ہے:

فلسفۂ خارجیت کے بانی آئن رینڈ، پاگل ہو گئی اور اس نے خودکشی کر لی تھی۔ یہ واقعہ، اس

بے مثال منطقی ذہن کی مالک شخصیت کے ساتھ کیسے پیش آیا؟

ظاہر ہے کہ اس قسم کے منطقی اور استدلالی ذہن کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آنا ہی تھا۔ ایک استدلالی اور منطقی ذہن، خودکشی اور پاگل پن کے علاوہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتا، اور یہ صورتِ حال تو ناگزیر طور پر واقع ہونا ہی تھی۔ اگر ایک منطقی شخص پاگل نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر منطقی نہیں ہے۔ اگر ایک منطقی شخص نے ابھی تک خودکشی نہیں کی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ معتدل ذہن کا مالک ہے۔ وہ منطق کے سب سے اونچے مقام پر نہیں پہنچا۔ اگر آپ منطق کے سب سے اونچے مقام کو چُھو لیتے ہیں...... تو پھر زندگی ہر قسم کا مفہوم کھو دیتی ہے...... کیونکہ منطق کسی بھی قسم کا مفہوم فراہم نہیں کر سکتی۔ منطق ہر قسم کے مفہوم کو ضائع کر دیتی ہے۔ منطق محض تخریبی اور زہریلی ہے۔

یہ محبت و پیار ہی ہے جو زندگی کو مقصد و مفہوم عطا کرتا ہے، یہ محبت ہی ہے جو پھلتی پھولتی ہے، یہ پیار ہی ہے جو نغمہ سرا ہوتا اور رقص کرتا ہے، یہ محبت و پیار ہی ہے جو انسان کو خوشیاں اور بہاریں عطا کرتا ہے۔ ایک منطقی شخص بتدریج محبت و پیار کے تمام مواقع سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ محبت اس قدر غیر منطقی ہے کہ اس کا اور منطق کا کوئی میل نہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو دفع کرتے ہیں، ایک دوسرے کو باہر پھینکتے ہیں۔ اگر آپ محبت آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں تو آپ غیر منطقی ہیں، اور اگر آپ کا رویہ انتہائی منطقی ہے تو پھر آپ کا رویہ غیر محبت آمیز ہو جاتا ہے، اور محبت و پیار کے بغیر زندگی بسر کرنے کا جواز کیا ہے، زندگی بسر کرنے کا مقصد کیا ہے، زندگی میں کیا رکھا ہے؟

آئن رینڈ، انتہائی اَنا پرست، منطقی اور حقیقت پسند خاتون تھی۔ اس کا فلسفہ مکمل خودغرضی پر بنی ہے۔ اگر آپ مکمل طور پر خودغرض ہیں تو پھر آپ محبت آمیز کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ تو قطعی ناممکن ہے۔ اس کا فلسفہ قطعی حقیقت پسند، مادہ پرستانہ ہے۔ جب زندگی میں صرف مادہ پرستی موجود ہو تو پھر زندگی میں پھلنے پھولنے اور کھلنے کے لئے کیا رکھا ہے؟ سب کچھ بے روح ہے، تمام تگ و دو اور تلاش بے سود ہے اور ضائع ہو جاتی ہے۔ زندگی بے مزہ اور بے رنگ ہے۔ اس میں کوئی پُراسراریت نہیں ہے۔ روح کے ذریعے زندگی میں پُراسراریت داخل ہوتی ہے۔ اس پُراسراریت کے باعث زندگی میں خوشی پیدا ہوتی ہے کیونکہ اس طرح انسان کے اندر تحقیق و جستجو کا مادہ اور احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بھی امکان ہے کہ کوئی نہ کوئی واقعہ رونما ہو سکتا ہے، کوئی نہ کوئی

واقعہ رونما ہونے کو ہے۔

انسان، اپنے اندر موجود علم و آگہی سے کہیں ماوراء ہے۔ آپ اپنے علم و آگہی سے کہیں زیادہ ماوراء ہیں۔ آپ اپنی زندگی میں جو بھی سیکھ سکیں، آپ اس علم سے کہیں زیادہ عظیم ہیں کیونکہ آپ کی جبلی حقیقت، اسرار کے پردوں میں چھپی رہتی ہے، آپ کی جبلی حقیقت ہمیشہ نامعلوم رہتی ہے، اور اسے معلوم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرتے جاتے ہیں لیکن آپ کی پُراسراریت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ روح سے ہماری یہی مراد ہے...... قطعی اور مکمل پُراسراریت!!

آئن رینڈ کے لئے زندگی میں کوئی پُراسراریت موجود نہ تھی۔ جب زندگی میں پُراسراریت ہی موجود نہ ہو تو، تو پھر زندگی کا وجود کیسے ممکن ہے؟ تو پھر زندگی بسر کرنے کا جواز کیا ہے، بذاتِ خود زندگی کا مقصد کیا ہے؟ خودکشی، ایک منطقی نتیجہ ہوتی ہے۔ اور اگر آپ خودکشی کے مرتکب نہیں ہوتے تو پھر منطقی نتیجہ پاگل پن ہے۔ اب تو صرف دو متبادل حل ہیں۔ یا تو پاگل ہو جائیے...... پاگل پن سے مراد، منطقی ہو جانا ہے...... یا تو اپنے منطقی ذہن سے دست کش ہو جائیے...... یا خودکشی کر لیجئے، اس بے مقصد زندگی سے نجات حاصل کر لیجئے۔

جین پال سارترے نے کہا ہے: ''انسان، ایک بے کار جذبہ ہے۔'' اب میں محسوس کرتا ہوں کہ سارترے، زیادہ منطقی نہیں تھا ورنہ وہ خودکشی کر لیتا۔ اگر انسان ایک بے کار جذبہ ہے، اگر اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے، اگر زندگی بے مقصد ہے، تو پھر زندگی بسر کرنے کا جواز کیا ہے؟ آپ کل کے متعلق کیوں فکر مند ہوں...... کیا آپ کا کل زندہ رہنا ممکن ہے؟ یہ بہت غیر منطقی ہے۔ پھر یہ کھانا، پینا، سونا اور پھر بیداری، یہ سب کیا ہے؟ پھر یہ تو نہایت احمقانہ کھیل ہے۔

سارترے کی ایک اور کتاب ''Nausea'' ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی فلسفیانہ ہے، اس نے اسے حقیقت پسند نظروں سے نہیں دیکھا...... ورنہ اس فلسفے کا بھی منطقی انجام خودکشی ہی ہوتا۔ خبردار اور ہوشیار رہئے۔ ایسے مواقع آپ کو بھی پیش آ سکتے ہیں۔ اگر آپ بھی ضرورت سے زیادہ منطقی ہو جائیں گے تو اس کا منطقی انجام، پاگل پن یا خودکشی یا دونوں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو منطق نہیں بلکہ محبت و پیار، توجیہہ نہیں احساس، ذہن نہیں بلکہ دل کا درس دیتا ہوں۔ پھر زندگی اس قدر خوبصورت، مسرت انگیز اور نعمتوں سے بھرپور ہو جائے گی کہ

انسان کے دامن میں سمانہیں پائے گی۔ زندگی تو قطعی اور مکمل ہے، اس کی روانی قائم ہے اور آپ کے رگ و پے میں موجود ہے۔

آپ مجھ سے سوال پوچھتے ہیں: فلسفہء خارجیت کی بانی آئن رینڈ پاگل ہوگئی تھی اور پھر اس نے خودکشی کر لی تھی۔ ایسے بے مثال ذہن کی مالک شخصیت کے ساتھ یہ واقعہ کیسے رونما ہوسکتا تھا؟ یہ سوال، سدھیر سرس وتی نے پوچھا ہے۔ میرا جواب ہے: ''ظاہر ہے کہ ایسا ہی ہونا تھا۔''

پانچواں سوال:

میں مرنے سے سخت خوفزدہ ہوں۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ طویل زندگی کے حصول کا راز کیا ہے؟

سانس لیتے رہئے!

چھٹا سوال:

میں عرصہ پانچ سال سے یہی سوچ رہا ہوں کہ سنیاسی بن جاؤں، لیکن میں ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا؟ اب میں کیا کروں؟

دفع ہو جاؤ!

اور پھر ساتواں سوال:

کیا کسی شخص کو اپنے ہمسائے سے محبت کرنا چاہئے؟

اس امر کا یقین کر لیں اس (خاتون) کا شوہر گھر پر نہیں ہے۔

لہٰذا آپ کو وہ لوگ پسند ہیں جو صرف ایک فقرے میں اپنا مدعا بیان کر دیتے ہیں! لیکن خدا تعالیٰ نے اس کے متعلق نہیں سنا!

میں نے سنا ہے......

خدا تعالیٰ نے اپنے مصنفین کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا: ''صاحبو! میں کوہ سینائی پر آئندہ ہفتے ایک بہت بڑا تماشا کر رہا ہوں، اور اس کے لئے مجھے کچھ مواد چاہئے۔

سب نے ایک ایک فقرے پر مشتمل اپنی تحریر پیش کی۔

پھر خدا تعالیٰ کی گرج سنائی دی: ''میں نے تم سے کئی بار کہا ہے کہ میں ایک فقرہ استعمال نہیں کر سکتا!''

لیکن لوگ ''ایک فقرہ'' پسند کرتے ہیں۔ بعض اوقات، اَن کہا، ایک لفظ بھی دل میں ایک بیج کے مانند گہرا اتر جاتا ہے، اور دروازے کھول سکتا ہے۔

آٹھواں سوال:

اگر آپ کے ہاتھوں معجزے رونما نہیں ہوتے، تو پھر میرے ساتھ معجزے کیوں رونما ہو رہے ہیں؟

یہ سوال، چمن بھارتی نے پوچھا ہے:

میں معجزے انجام نہیں دیتا، لیکن معجزے رونما ہو جاتے ہیں۔ یہ رونمائی قطعی طور پر ایک مختلف واردات اور تجربہ ہے۔ معجزات، ہر روز، رونما ہوتے ہیں، میں انہیں انجام نہیں دیتا، آپ انہیں انجام نہیں دیتے لیکن معجزات رونما ہو رہے ہیں۔ ہم ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں جہاں معجزہ آرائی ممکن ہو جاتی ہے۔

حقیقی معجزے، کبھی برپا نہیں کئے جاتے، یہ از خود برپا ہو جاتے ہیں۔ اور جو معجزے دانستہ انجام دیئے جاتے ہیں، معجزے نہیں ہوتے، یہ تو محض طلسمی کرتب ہوتے ہیں۔ جب ایک فنکار موجود ہو، تو پھر کوئی معجزہ کیسے رونما ہوسکتا ہے۔ معجزے سے مراد، کسی مافوق الفطرت عمل کی انجام دہی ہے، وہ کام جو اب تک کسی نے نہ کیا ہو لیکن اچانک نامعلوم انداز میں اس سے سرزد ہو جائے۔

مسیحیوں کا یہ موقف نہایت غلط ہے جب وہ یہ کہتے ہیں: ''یسوع مسیح نے یہ کام کیا، یسوع مسیح نے وہ کام کیا۔'' یسوع مسیح نے کبھی کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا، کبھی ایک معجزہ بھی کر کے نہیں دکھایا۔ یہ حقیقت ہے کہ معجزے رونما ہوتے ہیں، یہ بھی سچ ہے کہ ہمیشہ معجزے رونما ہوتے آئے ہیں۔ اول سے آخر تک، تمام زندگی ہی بہت بڑا معجزہ ہے۔ اگر آپ میں قدرے شعور اور آگہی موجود ہے تو پھر آپ کو معجزے نظر آ جائیں گے جو آپ کے چاروں طرف رونما ہو رہے ہیں۔ جب ایک کونپل، پھول بن جاتی ہے...... تو آپ اسے معجزہ نہیں کہتے کیونکہ آپ اس عمل کے بہت زیادہ عادی ہو چکے ہیں۔ ایک بیج زمین میں سے پھوٹتا ہے۔ آپ اسے معجزے کا نام نہیں دیتے۔ اس سے زیادہ اور کیا معجزہ آرائی ہوسکتی ہے؟ شبنم کا ایک قطرہ، گھاس کے پتے پر پھسلتا جاتا ہے اور سورج کی روشنی میں وہ موتی کے مانند چمکتا ہے، محض شبنم کا ایک قطرہ...... یہ اس قدر قیمتی موتی معلوم ہوتا ہے، اس کی تمام رونمائی اس میں موجود ہوتی ہے۔ رات کو آسمان پر روشن ایک

ستارہ، مسکراتا ہوا ایک نوزائیدہ بچہ، ایک خاتون جو رو رہی ہے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں...... یہ تمام معجزے ہیں کیوں کہ یہ تمام کچھ پُر اسرار واردات ہیں اور تجربات ہیں۔

آپ تو زندگی کی رمق سے محروم ہیں، مردہ ہیں، آپ میں حساسیت نام کو نہیں ہے، اسی لئے آپ کی زندگی میں معجزے رونما نہیں ہوتے، ورنہ معجزے تو آپ کی زندگی میں ہر طرف بکھرے پڑے ہیں اور آپ کو معجزات برپا کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، صرف یہ ہے کہ آپ میں اس قدر حساسیت موجود ہونا چاہئے کہ آپ اپنی زندگی میں موجود معجزات کا ادراک واحساس کر سکیں۔

نواں سوال:

اوشو! مجھے میرا نام پسند ہے، لیکن مجھے خواتین بھی پسند ہیں۔

سوال پوچھنے والے شخص کا نام سوامی پربھوانورگی ہے۔ ''نام'' سے مراد ہے، خدا تعالیٰ کا عاشق...... لہٰذا، یہ سوال یوں ہوا:

وہ کہتا ہے: ''مجھے اپنا نام پسند ہے، لیکن مجھے خواتین بھی پسند ہیں۔ لیکن آپ کو کس نے کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ، خواتین کا مخالف ہے یا پھر خدا، خواتین کے اندر موجود نہیں ہے؟ خدا تعالیٰ تو مردوں سے زیادہ عورتوں میں جلوہ آراء ہے۔ مرد، عورتوں سے کہیں زیادہ بھٹک چکے ہیں، اور عورتیں ابھی بھی فطرت سے، احساس سے، خدا کے بہت قریب ہیں۔ جب آپ کسی عورت کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو درحقیقت، آپ عورت میں موجود کس چیز سے محبت کرتے ہیں؟ اس کا جواب تو مختلف قسم کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہے اور اس کا جواب مختلف اوقات کے لحاظ سے بھی مختلف ہو گا۔ اگر محبت واقعی پروان چڑھتی ہے تو اس کا طریقہ یوں ہے: پہلے آپ کسی خاتون کی محبت میں اس لئے گرفتار ہوتے ہیں کہ اس کا بدن خوبصورت اور حسین ہے، اس کا سراپا دلنشیں ہے، یہ پہلی خوبصورتی ہے جو آپ کو عورت میں نظر آتی ہے...... اس کا مکھڑا، اس کے نین، اس کا بدنی تناسب، اس کا وقار، اس کی متحرک اور رقص کرتی ہوئی توانائی۔ مجموعی طور پر اس کا بدن انتہائی خوبصورت و حسین ہے، آپ ابتدائی طور پر یہی سوچتے ہیں اور پھر اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

اور پھر چند دنوں کے بعد، آپ اپنی اس محبوبہ کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں۔ آپ اس کے دل سے محبت کرنے لگتے ہیں...... اب آپ کے اندر کہیں زیادہ خوبصورت خیال جنم لینے لگتا ہے۔

بدن ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور دل آپ کے لئے قابلِ ترجیح ٹھہرتا ہے۔ آپ ایک نئے پہلو کی طرف توجہ دے رہے ہیں، ایک اعلیٰ وارفع پہلو۔ اگر آپ اس خاتون سے محبت کئے جاتے ہیں تو آپ مزید اعلیٰ سے اعلیٰ اور ارفع سے ارفع پہلو دریافت کرتے چلے جائیں گے اور نئی نئی گہرائیوں میں ڈوبتے جائیں گے۔ اور پھر آپ اپنی محبوبہ کی روح سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اب اس خاتون کا دل بھی آپ کے لئے ثانوی حیثیت اختیار کر جاتا ہے، اور آپ اس کے اندر سے پھوٹنے والی ضیاء، روشنی اور تابانی سے محبت کرنے لگتے ہیں...... اس کی پُر اسراریت سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اب اس کا حسین و دلکش بدن آپ کی نظروں کے سامنے نہیں، اب اس کا دل بھی آپ کے لئے قابلِ ترجیح نہیں...... اب تو اس کی روح، اس کا شعور، اس کا حقیقی وجود آپ کی نظرِ التفات کا مرکز ہے۔

اور پھر ایک دن، آپ اپنی محبوبہ کے شعور، اس کی روح اور اس کے حقیقی وجود کے بجائے اس کے اندر موجود نسوانیت، حساسیت سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اب وہ آپ کے لئے کوئی خاص خاتون نہیں رہی، اب تو وہ صرف نسوانیت کا شاہکار ہے، نسوانیت کی ایک مخصوص شکل ہے...... اب یہ خاتون کسی انفرادیت کی حامل نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ آفاقیت کی حامل بنتی جا رہی ہے...... اور پھر ایک دن اس خاتون میں موجود نسوانیت بھی آپ کے لئے بے معنی ہو جاتی ہے...... آپ اس کے اندر موجود انسانیت سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اب یہ خاتون، صرف نسوانیت کی نمائندہ نہیں، بلکہ وہ تو اب مردوں کی بھی نمائندہ ہے، آسمان مزید، وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے، پھر ایک دن، یہ خاتون انسانیت کی نہیں بلکہ اس کائنات میں ''انسان کی موجودگی'' کی علامت بن جاتی ہے، اور آپ خدا کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے جاتے ہیں۔

اور پھر آخری مرحلہ آن پہنچتا ہے...... ہر قسم کی ترکیبات اور اشکال غائب ہو جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کا وجودِ پاک سامنے آ جاتا ہے۔ آپ نے اپنے خاوند، آپ نے اپنی بیوی کے ذریعے خدا کو تلاش کر لیا ہے۔ ہر محبت، خدا تعالیٰ کے ساتھ عشق کی بازگشت ہے۔

لہٰذا پربھوانورگی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تمہیں ''خدا کا عاشق'' کا نام دے دیا ہے، لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ تم عورت کے ساتھ اپنی محبت سے دستبردار ہو جاؤ، اور اس سے یہ بھی مراد نہیں کہ تم دنیا کی ہر چیز کی محبت اپنے دل سے نکال دو بلکہ میرے کہنے سے مراد ہے تم

اس محبت کی گہرائی میں مزید ڈوبتے جاؤ، زیادہ سے زیادہ محبت پھیلاؤ، کیونکہ یہ کائنات محبت کا پھیلاؤ ہی تو ہے، اور ایک دن تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہاری محبوبہ کہیں پیچھے رہ گئی ہے، تم نے عشقِ مجازی سے منہ موڑ لیا ہے، اور اب تم عشقِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے ہو...... خدا تعالیٰ کی ذاتِ مبارک تمہارے سامنے موجود ہے کیونکہ خدا تعالیٰ تو ہر جگہ ہر شکل میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ تو ہر گھر میں موجود ہے، تمہاری بیوی، تمہارا گھر ہے، ایک آستانہ ہے۔

میں تو صرف محبت کا درس دیتا ہوں...... میں تو صرف محبت کا پرچار کرتا ہوں، حتیٰ کہ جب تم کسی کے بدن سے محبت کرتے ہو، میں اس کی مخالفت نہیں کرتا، حالانکہ یہ بدنی محبت، خدا تعالیٰ سے کہیں ماوراء ہے لیکن پھر اس کا تعلق خدا سے ہے کیونکہ خدا حسین و جمیل ہے اور حسین و جمیل اشکال میں متشکل ہے۔ یہ تو بہت عظیم وارفع بازگشت ہے، لیکن پھر بھی ایک بازگشت تو ہے...... اور اس بازگشت میں خدا تعالیٰ کا حقیقی وجود کہیں بھی موجود ہے...... اب تو تمہاری محبت کی حد ہونا چاہئے!

دسواں سوال:

لوگوں کے متعلق رائے زنی سے پرہیز کیسے کیا جائے؟

لوگوں کے متعلق رائے زنی سے پرہیز کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کو صرف یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ لوگوں کے متعلق رائے زنی کیوں اور کیسے کرتے ہیں۔

آپ تو محض لوگوں کے رویے اور طرزِ عمل کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں کیونکہ لوگوں کا رویہ اور طرزِ عمل ہی تو آپ کے سامنے ہوتا ہے۔ اور آپ اس شخص کے متعلق اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکتے کیونکہ یہ شخص تو کہیں پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ شخص پُراسراریت کے پردے کے پیچھے ہوتا ہے۔ لہٰذا، آپ اس شخص کے متعلق نہیں بلکہ اس کے فعل بارے اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اور پھر کسی شخص کا فعل، ایک غیر متعلقہ چیز ہے۔ یہ تو درست نہیں ہوگا کہ آپ کسی شخص کو اس کے فعل و عمل کے لحاظ سے جانچیں۔ بعض اوقات ایک شخص مسکرا رہا ہوتا ہے۔ یہ مسکراہٹ تو ایک سطحی مسکراہٹ ہے اور اندر سے وہ بے حد غمگین ہے۔ درحقیقت اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ موجود ہو سکتی ہے کیونکہ وہ افسردہ ہے وہ اپنی اس افسردگی اور غمگینی کا اظہار ہر ایک کے سامنے نہیں کرنا چاہتا...... اس لئے کہ ضروری نہیں کہ اپنے زخم ہر ایک کو دکھائے جائیں۔ یہ صورت اس کے لئے پریشان کن ثابت ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس لئے مسکرا رہا ہو کہ وہ اندر سے دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔

نطشے نے کہا ہے: ”میں مسلسل مسکراتا رہا ہوں، لوگ سمجھتے ہیں کہ میں بہت زندہ دل شخص ہوں، اور یہ بات قطعی غلط ہے۔ میں ہنستا رہتا ہوں کیونکہ میں خوفزدہ ہوں کہ اگر میں ہنستا نہیں تو میں رونا شروع کر دوں گا۔ لہٰذا مجھے اپنی توانائی کا رخ کسی اور طرف موڑنا ہوگا، ورنہ یہ توانائی آنسوؤں میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس سے پہلے کہ یہ توانائی آنسوؤں میں تبدیل ہو، اسے ہنسی میں تبدیل ہو جانا چاہئے۔ یہ شعور و آگہی بالکل درست ہے۔“ نطشے، اس دنیا کے حساس ترین اشخاص میں سے ایک تھا۔ آنسوؤں اور مسکراہٹوں میں بہت معمولی فاصلہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں دیہاتی عورتیں اپنے بچوں کو نصیحت کرتی ہیں: ”بہت زیادہ مت ہنسو، ورنہ تم رونا شروع کر دو گے۔“ یہ بات واقعی سچ ہے۔ اگر ایک شخص بہت زیادہ ہنستا ہے تو وہ رونا شروع کر دیتا ہے۔ آنسوؤں اور مسکراہٹوں میں بہت معمولی فاصلہ ہوتا ہے۔ اگر آپ اپنے آنسو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ آپ مسکرائیں...... یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ کو مسکراتے نظر آئیں گے۔ کسی شخص کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر آپ یہ اندازہ نہیں کر سکتے ہیں کہ اس کے اندر کیا اتھل پتھل ہو رہی ہے۔ اس کے اندر کا حال آپ کے سامنے موجود نہیں ہے۔ یہ اندر، نہایت خفیہ ہے اور کسی کے سامنے بھی نہیں آ سکتا۔

لہٰذا سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کسی شخص کے صرف رویے اور طرزِ عمل ہی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، اور اس طرزِ عمل سے بھی آپ کچھ زیادہ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ رویہ اور طرزِ عمل تو قطعی غیر اہم ہے اور صرف وہ شخص تمام تر اہمیت کا حامل ہے جو اس رویے اور طرزِ عمل کے پیچھے پوشیدہ ہے اور اس شخص کو نہیں جانتے اور اس طرح آپ کی رائے اور اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس حقیقت سے آپ بخوبی باخبر ہیں کیونکہ جب دوسرے لوگ آپ کے طرزِ عمل کے ذریعے آپ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، تو آپ کو یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے آپ کے متعلق غلط اندازہ لگایا ہے۔ آپ بھی اپنی شخصیت کا اندازہ اپنے طرزِ عمل سے نہیں بلکہ اپنے وجود کے ذریعے کرتے ہیں۔ اس لئے ہر شخص یہ سمجھتا اور محسوس کرتا ہے اس کے متعلق دوسروں کی رائے اور اندازہ، غیر منصفانہ ہے۔ آپ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آراء اور اندازے غلط ہیں کیونکہ کسی شخص کا طرزِ عمل، اس کی ذات اور وجود کی نسبت بہت معمولی اور ادنیٰ ہوتا ہے اور اس کے ذریعے کسی شخص کی شخصیت کو قطعی طور پر جانچا نہیں جا سکتا۔ محض وقتی طور پر ہی ایسا ممکن ہے۔

آپ نے کسی شخص سے کوئی بات کہی اور وہ غصے میں آ گیا، لیکن آپ اس کے غصے اور ناراضی کے ذریعے اس کے متعلق اندازہ مت لگائیں کیونکہ یہ غصہ اور ناراضی، ایک وقتی اور عارضی اشتعال ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ انتہائی پیارا شخص ہو۔ اگر آپ اس کے غصے اور ناراضی کے باعث اس کے متعلق اندازہ لگاتے ہیں تو آپ اس کے متعلق غلط اندازہ لگاتے ہیں، اور پھر آپ کا طرزِ عمل بھی، آپ کے اندازے اور رائے کے مطابق ہوگا۔ اور پھر آپ ہمیشہ اس شخص کے ناراض ہونے اور غصے میں آنے کے لئے انتظار کریں گے، اور آپ ہمیشہ یہی سمجھیں گے کہ وہ ایک غصیلہ شخص ہے۔ آپ اس شخص سے دور دور رہیں گے۔ اس طرح، آپ نے اس شخص کے متعلق اندازہ لگانے کا موقع ضائع کر دیا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ کسی شخص کے متعلق اس کے طرزِ عمل کے ذریعے اندازہ مت لگائیں...... لیکن مشکل یہ ہے کہ اس شخص کے متعلق صرف اس کا طرزِ عمل ہی آپ کے سامنے ہے، لہٰذا اب کیا کیا جائے، کسی شخص کے متعلق اپنی طرف سے رائے کا اظہار کیا جائے یا خاموش رہا جائے۔

آہستہ آہستہ آپ کو زیادہ سے زیادہ معلوم ہو جائے گا کہ ہر شخص کے اندر اس کی اپنی ایک خفیہ ذات موجود ہوتی ہے۔ ہر شخص کی روح کے اندر اس کی خفیہ ذات اس طرح مقید ہوتی ہے کہ اس کے اندر کسی بھی قیمت پر جھانکا نہیں جا سکتا۔ حتیٰ کہ جب آپ دل کی گہرائیوں سے کسی کو چاہتے بھی ہیں تو پھر بھی آپ کے اندر ایک گوشہ ایسا ہوتا ہے جو آپ کے محبوب/محبوبہ کی نظروں سے بھی اوجھل ہوتا ہے۔ یہی تو ایک انسان کا وقار اور تمکنت ہے۔ یہی تو ہمارا مطلب ہے جب ہم کہتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایک روح موجود ہے۔ اور روح سے مراد ایک ایسی چیز ہے جس کا اظہار علی الاعلان نہیں کیا جاتا۔ اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ہمیشہ گہری پُراسراریت میں پوشیدہ رہتا ہے۔

میں نے کسی کی زبانی یہ قصہ سنا ہے:

ایک گھر کے مالک نے دو آدمیوں کو بلایا اور انہیں کہا کہ وہ گھر کا کوڑا کرکٹ اور کچرا، کہیں دور، کچرے کے ڈھیر پر پھینک آئیں۔ ٹرک میں کوڑا کرکٹ لادنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ٹرک کا عقبی حصہ کچرے سے لدا پھدا ہے اور گرنے کے قریب ہے۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا: ''جب یہ ٹرک شہر کی سڑکوں پر گزرے گا تو کوڑا کرکٹ نیچے سڑک پر گرنے کے باعث، پولیس تمہارے لئے مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔''

دوسرے شخص نے کہا: ''فکر کرنے کی ضرورت نہیں، مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔ تم ٹرک چلاؤ، اور میں کچرے کو اپنے بدن سے ڈھانپ لیتا ہوں تا کہ یہ نیچے نہ گرے۔''

کچرے کے ڈھیر تک پہنچنے کے دوران، ان کا ٹرک ایک پل کے نیچے سے گزرا۔ جب یہ ٹرک پل کے نیچے سے گزر رہا تھا تو پل کے اوپر کھڑے دو افراد نے دیکھا کہ ایک شخص کوڑے پر اس طرح پڑا ہوا ہے کہ اس کے بازو اور ٹانگیں پھیلی ہوئی ہیں۔

ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے کہا: ''کیا تم یہ منظر دیکھ رہے ہو۔ کوئی شخص ایک بھلے چنگے شخص کو کوڑے میں پھینکنے جا رہا ہے!''

باہر بیٹھ کر ہم کسی کے متعلق ایسا ہی اندازہ لگا سکتے ہیں، اور باہر بیٹھ کر لگایا جانے والا اندازہ ہمیشہ غلط ہوتا ہے۔

آپ کو چاہئے کہ آپ اس دنیا کا بار بار مشاہدہ کریں، اسے بار بار سمجھیں، بار بار اس کی گہرائی میں اتریں، آپ کو اس دنیا کے متعلق اپنی رائے کے اظہار کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی، اس دنیا کے متعلق معلومات از خود مہیا ہو جائیں گی۔

آپ کا کام محض یہ ہے کہ آپ اپنا مشاہدہ جاری رکھیں، لیکن جب آپ کسی شخص کے بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، تو آپ کا یہ فعل قدرے احمقانہ ہے، اس کا اطلاق قطعی طور پر اس شخص پر نہیں ہوتا، اور کسی حد تک آپ اس کا اطلاق، اس شخص کے طرزِ عمل پر کر سکتے ہیں اور آپ اس شخص کے مخصوص طرزِ عمل کو اس کے درست پس منظر کے بغیر ہی اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں کیونکہ اس کی تمام زندگی آپ کے سامنے نہیں ہوتی۔ یہ تو ایسے ہی ہے اگر آپ کسی ناول میں سے ایک صفحہ پھاڑ لیں، اور پھر اس کا مطالعہ کر کے اس کے متعلق اپنی رائے قائم کریں۔ آپ کا یہ عمل قطعی درست نہیں ہے کیونکہ آپ نے صحیح پس منظر کا اندازہ لگائے بغیر اس ناول کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔ ممکن ہے کہ مکمل ناول، قطعی مختلف چیز ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اس ناول کا منفی پہلو، یعنی بُرا پہلو ہی مدِنظر رکھا ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کسی بھی شخص کی زندگی کے متعلق مکمل طور پر قطعی نہیں جان سکتے۔ جب ایک شخص کی آپ سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ اپنی زندگی کے چالیس سال گزار چکا ہوتا ہے۔ ان چالیس سالوں کا پس منظر موجود ہے اور جب آپ ملاقات کے بعد اس سے رخصت ہوتے

ہیں تو اس کی زندگی کے مزید چالیس سال ابھی موجود ہوتے ہیں، اور پھر آپ کی اس شخص کے ساتھ ملاقات محض تھوڑی دیر کے لئے ہوئی، اور آپ نے اس کے متعلق اندازہ لگا لیا۔ آپ کا یہ رویہ درست نہیں ہے، یہ تو قطعی احمقانہ فعل ہے، اور آپ کی اس رائے کا اس شخص کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

دراصل، آپ کی یہ رائے، اس شخص کی نہیں بلکہ آپ کی شخصیت کی عکاس ہوگی۔ اس ضمن میں یسوع مسیح کا فرمان ہے: ''دوسروں کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہ کرو، یہ نہ ہو کہ دوسرے بھی تمہارے بارے اپنی رائے کا اظہار کر دیں۔'' جب آپ کسی شخص کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، تو یہ رائے دراصل آپ کے اپنے بارے ہوتی ہے کیونکہ اس کا پس منظر آپ کے سامنے نہیں ہوتا، اس کی شخصیت آپ کے سامنے نہیں ہوتی۔ اس کے متعلق تمام معلومات آپ کو معلوم نہیں ہوتیں، اور آپ سے ملاقات کے وقت وہ محض چند لمحوں کے لئے آپ کے سامنے آتا ہے...... اس طرح آپ اس کے متعلق اندازہ لگائیں گے، درحقیقت یہ آپ کی شخصیت کی ہی تشریح ہوگی...... یہ آپ کے خیالات کی ہی ترجمانی ہوگی۔

جب آپ اس حقیقت سے واقف ہو جاتے ہیں، تو پھر آپ دوسروں کے متعلق رائے زنی سے اجتناب کرتے ہیں۔

اور پھر آخری سوال:

اوشو، کیا یہ تمام کائنات بے کار اور فضول ہے؟

قطعی نہیں، یہ کائنات کیسے فضول اور بے کار ہو سکتی ہے؟ بذات خود کائنات کے لحاظ سے یہ کائنات کارآمد اور مفید ہے اور جہاں تک آپ کا تعلق ہے، آپ کے اندرونی وجود کا تعلق ہے، تو پھر یہ ظاہری کائنات بے کار اور فضول ہے۔ جب آپ اپنے اندر جھانکتے ہیں، تو پھر آپ کو الفاظ کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں، وہ بے کار ہیں، وہ آپ پر ایک غیر ضروری بوجھ ہیں، آپ کے لئے پریشانی اور الجھن کا باعث ہیں۔

لیکن جب اپنے اندرونی وجود سے باہر آ کر بیرونی اور ظاہری دنیا میں لوٹتے ہیں اور آپ کی ملاقات آپ کے ہم جنسوں سے ہوتی ہے، تو پھر آپ کو الفاظ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جب آپ مختلف اشیاء کے متعلق بات کرتے ہیں، آپ کو الفاظ کا سہارا چاہئے۔ اس بیرونی اور ظاہری دنیا

کے لئے زبان ناگزیر ہے ورنہ بہت مشکل ہوتی۔ اگر آپ بازار جاتے ہیں اور آپ کوئی چیز خریدنے کے خواہاں ہیں، تو پھر الفاظ کے بغیر آپ کو مشکل درپیش ہوگی اور الفاظ کے بغیر خریداری کی کوشش، وقت کا غیر ضروری زیاں ہوگا، لہٰذا، الفاظ انتہائی کارآمد اور مفید ذرائع ابلاغ ہیں۔

اگر آپ اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں، تو پھر ایک دن بازار چلے جایئے اور الفاظ ادا کئے بغیر مختلف اشیاء خریدنے کی کوشش کیجئے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور معمولی سے معمولی چیز خریدنے کے لئے آپ کا بے انتہا وقت صرف ہوگا اور آپ کو انتہائی پریشانی بھی اٹھانا پڑے گی...... اور دکاندار بھی کوشش کرے گا کہ آپ کسی دوسری دکان میں چلے جائیں، ''براہ مہربانی کسی دوسری دکان پر چلے جایئے، آپ تو بہت زیادہ پریشان کر رہے ہیں۔''

اس بیرونی اور ظاہری دنیا میں الفاظ انتہائی ضروری بلکہ ناگزیر ہیں، لیکن اندرونی سفر کے دوران، الفاظ کی قطعی کوئی افادیت نہیں ہے کیونکہ اپنی ذات کے اندر کے سفر کے دوران، الفاظ کی قطعاً بھی ضرورت نہیں ہے۔ آپ تو اکیلے ہیں، اپنی ذات کے علاوہ آپ کا مخاطب بھی کوئی نہیں، لہٰذا اس موقع پر الفاظ کیونکر درکار ہے؟ اور جب آپ کسی دوسرے وجود سے مخاطب ہوں، کوئی دوسرا شخص آپ کے ساتھ ہو، تو پھر الفاظ کا سہارا چاہئے۔

جب آپ کسی خارجی حقیقت کے لئے کام کر رہے ہوں، کسی سائنسی کام میں مصروف ہوں، تو پھر الفاظ مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ اپنے کام کے ضمن میں آپ کو سوچنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آپ کو دُرست اور صحیح اندازہ لگانے کی ضرورت درپیش آتی ہے۔ آپ منطقی انداز سے سوچتے ہیں۔ لیکن اگر آپ غور و فکر میں مصروف ہیں، آپ نے خدا کی طرف دھیان لگا رکھا ہے، آپ خدا تعالیٰ کی طرف مراجعت کر رہے ہیں تو پھر الفاظ کا سہارا بے کار اور فضول ہے، پھر خاموشی ہی میں یہ تمام سفر طے ہو جاتا ہے۔

لہٰذا، میری بات غور سے اور بار بار سنئے کہ الفاظ کی ضرورت نہیں ہے، اس وقت الفاظ کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں، مجھے غلط مت سمجھئے۔ اس ضمن میں اس چھوٹے سے قصے پر غور کیجئے:

ایک شخص، اپنے شہر کے مقامی ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس سے کہا: ''میں خصی ہونا چاہتا ہوں۔''

ڈاکٹر نے حیرت سے کہا: ''کیا؟ یہ تو بہت خطرناک آپریشن ہے، کیا تمہیں یقین ہے جو کچھ

تم کہہ رہے ہو؟''

اس شخص نے اثبات میں جواب دیا۔

ڈاکٹر نے پوچھا: ''کیا تم شادی شدہ ہو، یا تمہاری کوئی داشتہ ہے؟''

اس شخص نے جواب دیا: ''میں شادی شدہ ہوں، لیکن اس چیز کا میری اس خواہش سے کیا تعلق ہے؟''

ڈاکٹر نے کہا: ''بہت خوب! میرا خیال ہے کہ بہتر ہوتا کہ تم اس معاملے بارے اپنی بیوی سے گفتگو کر لیتے...... کیونکہ تمہارا فیصلہ اسے بھی متاثر کرے گا۔''

مریض نے کہا: ''بالکل درست، بلاشبہ، لیکن صرف وقتی طور پر!''

ڈاکٹر نے اصرار کرتے ہوئے کہا: ''بہرحال، میرا خیال ہے کہ آج رات تم اپنی بیوی سے پوچھ لو...... اور اگر تم کل بھی آپریشن کروانا چاہو گے، میں تمہیں ہسپتال میں داخل کر لوں گا۔ آپریشن میں کوئی دیر نہیں لگے گی اور تم ایک ہی دن میں ہسپتال سے گھر چلے جاؤ گے۔''

اگلے دن، وہ شخص واپس آ گیا، اپنی خواہش پر اصرار کیا اور اسے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ آپریشن مکمل ہو گیا، اور بعد دوپہر مریض ہوش میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنے اردگرد دیکھا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ والے بستر پر موجود مریض کو آنکھ سے اشارہ کیا اور جھجکتے ہوئے اس سے پوچھا: ''تم یہاں کس لئے آئے ہو؟''

دوسرے مریض نے کہا: ''میں یہاں ختنے کروانے آیا ہوں!''

خصی شدہ شخص نے اپنی انگلیاں چٹخائیں، اس کے دانتوں سے ایک سسکاری سی نکلی اور اس نے نہایت افسردہ لہجے میں کہا: ''اوہو! درحقیقت، میں تو صرف اسی لفظ کے متعلق سوچنا چاہتا تھا، اور اسی کی تلاش میں تھا۔''

اور، واقعی، ہاں واقعی، آخری سوال:

پیارے اوشو! مجھے اپنے سوال کا جواب مل چکا ہے۔ میرا وہ دل اب خوشی سے لبریز ہے جہاں ہمیشہ غم اور درد نے بسیرا کیا ہوتا تھا۔ مجھے انتہائی حیرت ہو رہی ہے کہ یہ سچ ہے...... میرے پاس بھی انتخاب کرنے کا حق موجود ہے، میں بھی اپنی اپنی مرضی کے مطابق اپنے لئے حالات تخلیق کر سکتی ہوں۔ شکرانے کے لئے میرا سراپا تسلیم خم ہے۔ وانی۔

یہ امر انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ آپ سب کے لئے بھی انتہائی اہم ہے۔ انسان کے سامنے ہمیشہ ہی مختلف راستے موجود رہے ہیں۔ اگر آپ مصیبت زدہ ہیں، تو یہ آپ کا اپنا انتخاب ہے۔ اس ضمن میں کسی کو بھی مورد الزام مت ٹھہرائیے! اگر آپ اپنی ذمہ داری کسی دوسرے کے سر تھوپ دیتے ہیں تو پھر آپ ہمیشہ مصیبت و پریشانی میں گرفتار رہیں گے۔ اپنی ذمہ داری دوسرے کے حوالے کر دینے کا مطلب، اپنی زندگی کی باگ ڈور، دوسروں کے حوالے کر دینے کے مترادف ہے، اور جب آپ اپنی زندگی کی باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں تو آپ اپنی آزادی اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

یہ زندگی کا ایک نہایت ہی بنیادی اصول ہے کہ خوشی یا غمی، دونوں ہمارا اپنا انتخاب ہے۔ یہ حقیقت آپ کو بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ یہ سب آپ پر منحصر ہے جب آپ غمگین اور دکھی ہوتے ہیں تو یہ آپ کی اپنی صوابدید ہے، اس کے لئے آپ کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ جب آپ اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں تو پھر آپ اس قید خانے سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر سب کچھ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کس چیز کا انتخاب کرتے ہیں۔

میں نے ایک ایسے صوفی عارف کے متعلق سنا ہے جو ہمیشہ خوش رہتا تھا، ہمیشہ زندہ دل تھا اور اسے خدا تعالیٰ کی رحمت نصیب تھی۔

ایک دفعہ ایک مرید نے عرض کی: ''جناب مرشد! میں نے دن رات اور ہر قسم کے حالات میں آپ کا مشاہدہ کیا ہے، آپ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ مختلف قسم کے حالات رونما ہوتے رہتے ہیں جن کا ظہور ناگزیر ہے، لیکن پھر بھی آپ ہمیشہ خوش رہتے ہیں، آپ کے ہمیشہ خوش رہنے کا راز کیا ہے؟''

مرشد نے جواب میں کہا: ''اس میں کوئی راز نہیں ہے۔ جس قسم کے بھی حالات مجھے پیش آتے ہیں تو اس کا انحصار مجھ پر ہے کہ میں خوش رہوں یا دکھی ہو جاؤں اور میں ہمیشہ خوش رہنے ہی کو ترجیح دیتا ہوں۔''

آپ بھی یہی طریقہ آزمائیں۔ یہ ایک طلسمی طریقہ ہے، جس قسم کے بھی حالات ہوں، پہلے یہ غور کیجئے کہ آپ خوش رہ سکتے ہیں یا نہیں رہ سکتے، اس امر کے متعلق سوچیں۔ کیا ان حالات میں خوش رہنے کا کوئی امکان ہے؟ اور آپ کو ہمیشہ یہی محسوس ہوگا کہ آپ کے پاس ہمیشہ یہ موقع

موجود ہے کہ آپ خوش رہیں۔ آپ کے پاس خوش رہنے کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی جواز موجود ہوتا ہے اور اگر آپ دُکھی رہنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے لئے بھی ہمیشہ آپ کے پاس کوئی نہ کوئی جواز موجود ہوتا ہے۔

یہ دنیا پھولوں کی سیج بھی ہے اور کانٹوں کا بستر بھی، اور ہمیں اس دنیا میں پھولوں کی خوشبو بھی نصیب ہوتی ہے اور کانٹوں کی چبھن ہمیں زخمی بھی کرتی ہے۔ یہ آپ کی صوابدید ہے کہ آپ کس چیز کا انتخاب کرتے ہیں۔ آپ اپنے لئے پھولوں کا انتخاب کر سکتے ہیں، اور اپنی زندگی کو پھولوں کی سیج بنا سکتے ہیں، یا پھر آپ کانٹوں کا انتخاب کر سکتے ہیں اور اپنی زندگی کو زخموں سے چُور چُور کر سکتے ہیں۔ جس طرح، آپ اپنے لئے اس دنیا ہی میں دوزخ کا انتخاب کر لیتے ہیں، اسی طرح جنت بھی تخلیق کر سکتے ہیں۔

وانی کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ وانی، اس آشرم میں دو تین سال ہوئے، بار بار آتی رہتی تھی، اور میں اسے ہمیشہ ٹالتا رہتا تھا۔ وہ جرمن فضائی ادارے میں میزبان تھی، اور اس کی تنخواہ بھی بہت اچھی تھی، لیکن اس نے آشرم آنا بند نہ کیا۔

میں اسے کیوں ٹالتا رہا تھا؟ میں اسے یہ کیوں کہتا رہا تھا: ''تم محض تھوڑا سا انتظار کرو''...... کیونکہ وہ سخت مصیبت زدہ تھی، اور میں نہیں چاہتا کہ مصیبت میں گرفتار لوگ یہاں رہیں۔ مصیبت میں گرفتار محض ایک شخص ہی دوسروں کو مصیبت میں مبتلا کرنے کے لئے کافی ہے، کیونکہ دوسرے لوگ خود پر طاری مصیبتوں سے نجات حاصل کرتے ہیں، اور جب وہ کسی دوسرے انتہائی مصیبت زدہ شخص کو دیکھتے ہیں، وہ بھی اپنی پرانی عادت کی طرف مائل ہونے کی عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں...... ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ مجھ سے آگے جا رہے ہیں؟ میں آپ کو شکست دے سکتا ہوں۔''

لہٰذا، میں وانی کو ٹالتا رہا لیکن وہ ثابت قدم رہی...... جس طرح، جرمن مستقل مزاج ہوتے ہیں، اور بالآخر وہ آ گئی۔ اور بلاشبہ، وہ ان چند ماہ، جو وہ یہاں رہی، مصیبت ہی میں گرفتار رہی۔ وہ زیادہ سے زیادہ مصیبت میں گرفتار ہوتی گئی۔

لیکن یہ اس کی خوبصورتی تھی...... کہ اس نے یہ حقیقت سمجھ لی ہے۔ میں اسے بار بار، مختلف طریقوں سے بتاتا رہا ہوں کہ یہ سب کچھ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ اب وہ اس تمام مخمصے سے باہر

نکل آئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب وہ اپنے اس فیصلے پر قائم رہے گی، بہرحال یہ تمام کچھ اس کے لئے مشکل ہوگا۔ پرانی عادتیں، پختہ ہو جاتی ہیں اور مشکل سے ہی چھوٹتی ہیں۔ انسان، انہیں دوبارہ اپنانے کے لئے فوراً تیار ہو جاتا ہے کیونکہ انسان عادی ہو چکا ہوتا ہے اور اسے اپنی زندگی آسان نظر آتی ہے، اور نئی عادتیں، انتہائی اجنبی اور تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

اس لئے وانی، تمہارا فیصلہ بہت اچھا ہے۔ میں تو منتظر تھا کہ کسی دن ایسا ہی ہوگا۔ اب تم کہتی ہو: ''عزیز اوشو! میں نے اپنے سوال کا جواب تلاش کر لیا ہے۔ میرا وہ دل، اب خوشی سے لبریز ہے جہاں ہمیشہ غم اور درد نے بسیرا کیا ہوتا تھا۔ مجھے سخت حیرت ہو رہی ہے کہ یہ سچ ہے...... میرے پاس بھی انتخاب کا حق موجود ہے۔ میں اپنی مرضی کے مطابق حالات تخلیق کر سکتی ہوں۔ شکرانے کے لئے میرا سر تسلیم خم ہے!

اسے ہمیشہ یاد رکھئے، ایک لمحہ کے لئے بھی اسے فراموش مت کیجئے۔ صرف چند دنوں کے لئے ہی آپ کو یہ سب کچھ یاد رکھنا ہوگا۔ جب آپ نئی عادت اپنا لیں گے، تو پھر پرانی عادت، آپ پر غالب نہیں آ سکے گی۔ پرانی عادت بہت ہی بُری تھی، اور نئی عادت انتہائی اچھی اور خوبصورت ہے۔ پرانی عادت، ایک خوفناک خواب اور دوزخ کا نمونہ تھی، اور نئی عادت جنت کا ایک نمونہ معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے تھوڑا وقت چاہئے کہ یہ آپ کے دل و دماغ میں نقش ہو جائے۔

وانی، میں بہت خوش ہوں، اور اب تم جس نئے مقام اور حیثیت پر ہو، اس کے لئے میں دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ تم پر خیر و برکت نازل ہو۔

☆☆☆

تیسرا باب

شاہراہ سلاطین

جنید بغدادی نامی ایک صوفی عارف، اپنی عملی زندگی کے ذریعے اپنے مریدوں کو زندگی کے اسرار و رموز سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔

ایک دفعہ ان کے مرید ان کے اردگرد بیٹھے تھے اور ہر قسم کا سامانِ تعیش بھی جنید بغدادی کے سامنے موجود تھا۔

یہ دیکھ کر ان کے مرید اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک بہت ہی نیک اور پرہیزگار بزرگ کے پاس حاضر ہوئے، جن کے اردگرد کسی بھی قسم کا جھمگھٹا موجود نہ تھا، اور صرف ایک چٹائی اور پانی کا جگ، ان کی سامانِ ضرورت کے طور پر موجود تھا۔

ان مریدوں میں سے ایک نے عرض کی: ''آپ کے سادہ اطوار و انداز اور پاکیزہ ماحول، ہمیں جنید بغدادی کے پاس موجود بے تحاشا سامان تعیش سے زیادہ پسند ہے، جن کے بارے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سچ کے راستے سے منہ موڑ لیا ہے۔''

اس بزرگ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور رونا شروع ہو گئے۔ پھر کہنے لگے:

''میرے عزیز دوستو! یہ تو دنیاوی اور ظاہری سامان ہوتے ہیں، وہ ہر موڑ پر انسان کی زندگی کا محاصرہ کئے ہوتے ہیں لیکن نیک اور پرہیزگار وہی ہے جو ان دنیاوی و ظاہری ساز و سامان سے متاثر نہیں ہوتا۔ متقی اور پرہیزگار جنید بغدادی، اس لمحہ اس سامان تعیش میں گھرے ہوئے ہیں جو ان کے لئے بے وقعت ہے، اور میں اس وقت سادگی کے حصار میں اس لئے ہوں کہ سادگی کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔''

محض تبدیلی کی خاطر اپنے عقیدے میں تبدیلی، بہت ہی خطرناک عقیدہ ہے۔ کسی اور چیز

کی نسبت، انسان نے اپنے اس عقیدے کے باعث بہت نقصان اٹھایا ہے۔ تبدیلی کا نظریہ...... جو بعض اوقات یہ موقع مہیا کرتا ہے کہ انسان خود میں بہتری رونما کر سکتا ہے...... یہ امکان مہیا کرتا ہے کہ انسان کہیں اور چلا جائے...... کہ انسان ایک قسم کی خیالی جنت بسا لے...... تبدیلی کے اس نظریے نے صدیوں سے ہی انسان میں بہت سی خرابیاں پیدا کر دی ہیں اور اسے عظیم نقصان سے دوچار کیا ہے۔ انسان ہمیشہ سے ہی یہ زہر پیتا رہا ہے۔

انسان تو پہلے ہی وہاں پہنچ چکا ہے جس کا وہ خواہاں تھا۔ انسان کسی مقصد کی خاطر تبدیلی کا خواہشمند نہیں، انسان کو تبدیلی کی نہیں، آگہی اور بصیرت کی ضرورت ہے۔ اس تبدیلی کے ذریعے آپ اپنی ہستی کو نہیں پا سکتے، آپ اپنے وجود کو نہیں پہچان سکتے، اور آپ ہمیشہ مصیبت و پریشانی میں مبتلا رہیں گے کیونکہ تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ آپ کا مقصد کوئی اور ہے...... اور مقصد تو بہت دور ہے۔ آپ کو اس مقصد کے حصول کی خاطر جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور اس تگ و دو ہی میں آپ کی تمام زندگی ضائع ہو جاتی ہے۔ آپ مسلسل کوشش اور جدوجہد میں مصروف تو ہو جاتے ہیں اور تگ و دو ہمیشہ جاری رکھ بھی سکتے ہیں، لیکن آپ اپنے مقصد کو نہیں پا سکیں گے، کیونکہ مقصد تو آپ کے آس پاس ہی موجود ہے اور وہیں کہیں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہوتے ہیں۔

آپ کا وجود ابھی زمانہ ءحال میں موجود ہے اور آپ کی طرف سے تبدیلی پر مبنی تمام خیالات، آپ میں اپنے مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ مستقبل کے متعلق فکرمند ہوتے ہوئے آپ اپنے زمانہ ءحال کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ آپ کا یہ طرزِ عمل حقیقت سے فرار کا ایک بہانہ اور طریقہ ہے۔ یہ خیال کہ آپ خود میں تبدیلی رونما کر لیں گے، ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے آپ اپنی حقیقی وجود سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور آپ کو اپنے حقیقی وجود سے پہلے ہی دور ہیں، اس لئے میں کہتا ہوں کہ محض تبدیلی کی خاطر تبدیلی، نہایت خطرناک نظریہ اور عقیدہ ہے۔

اس عقیدے/نظریے کے دو پہلو ہیں۔ ایک سیاسی اور دوسرا مذہبی۔

سیاسی پہلو یہ ہے کہ معاشرے میں بہتری پیدا کی جا سکتی ہے اور اس ضمن میں انقلاب مددگار ثابت ہو سکتا ہے، یعنی ایک خیالی جنت تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے، اور اس خیالی جنت کو حقیقت کی شکل دی جا سکتی ہے۔ اس امید کے خواب دکھاتے ہوئے سیاست دان، عوام کو اذیت دینے، انہیں ہلاک کرنے، ان کا استحصال کرنے، اور ان پر ظلم و ستم کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

اورعوام بھی اس امید کے خواب دیکھتے ہوئے کہ انقلاب برپا ہونے کو ہے، سختیاں اور مصائب برداشت کرتے رہتے ہیں۔ یہ انقلاب کبھی برپا نہیں ہوتا۔ انقلاب آتے، اور چلے جاتے ہیں اور معاشرہ ہمیشہ اسی حالت میں موجود رہتا ہے۔

ہٹلر، سٹالن اور ماؤزے تنگ، اپنے اپنے مفاد کے لئے عوام کا استحصال کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس حیرت کدے میں داخل ہونا چاہتے ہیں جسے مثالی معاشرہ کہتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آپ کو اس کے لئے قیمت ادا کرنا ہوگی۔ یہ اس پہلو کا لادینی رُخ ہے...... کہ کچھ نہ کچھ بہتر کا حصول ممکنات میں سے ہے۔ فی الحال تو اس کا حصول ممکن نہیں ہوتا...... لیکن کسی دن آپ اس کے حصول میں کامیاب ہو سکتے ہیں...... آپ کو اس کے لئے قربانی دینا ہوگی۔ سویت روس میں حکمرانوں کے اپنے مفاد کی خاطر لاکھوں افراد مارے گئے، انہیں غیر انسانی اذیتیں دی گئیں۔ اور پھر منطق یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر آپ ایک بہتر معاشرے کے خواہاں ہیں، تو پھر اس کی قیمت کون ادا کرے گا؟ ظاہری اور فطری امر ہے کہ آپ یہ قیمت ادا کریں گے۔ لہٰذا عوام بغاوت بھی نہیں کر سکتے ہیں، اور مزاحمت بھی نہیں کر سکتے۔ اگر وہ انقلاب کی مزاحمت کرتے ہیں تو وہ انقلاب کے دشمن معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس خیال کی جڑیں انتہائی گہرائی میں پیوست ہیں کہ وہ اس امید پر ستم کی اذیت، ظلم اور استحصال برداشت کر لیں گے کہ اگر یہ سنہری دور انہیں دیکھنا نصیب نہ ہوا تو ان کے بچے اس سنہری دور کی کرنوں سے مستفید ہوں گے۔

مذہبی پہلو یہ ہے کہ اگر آپ اس دنیا میں بہتر مستقبل حاصل نہیں کر سکتے، تو آپ آئندہ زندگی میں اچھا مستقبل حاصل کر لیں گے۔ بلاشبہ، یہ پہلو بھی قربانی کا متقاضی ہے۔ اگر آپ زمانہ ء حال میں قربانی دیتے ہیں تو آپ اس کا ثمر مستقبل، یعنی آئندہ زندگی میں حاصل کریں گے۔

یہ مستقبل کبھی رونما نہیں ہوتا۔ یہ مستقبل بذات خود رونما نہیں ہو سکتا۔ ''کل'' ناممکنات میں سے ہے، جو کچھ ہے وہ ''آج'' ہے کیونکہ زمانہ ء حال ہی ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ مستقبل تو صرف ذہن میں جاگزیں ہے، صرف تصور میں پوشیدہ ہے، یہ تو ایک خواب ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

سیاسی پہلو اور عقیدہ رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو اذیت دے کر خوش ہوتے ہیں...... مذہبی پہلو و عقیدے کے حامل وہ لوگ ہیں جو خود کو اذیت دے کر تسکین محسوس کرتے

ہیں۔ اپنے آپ کو اذیت دیتے ہیں، فاقہ کشی کرتے ہیں، سوتے نہیں ہیں، یہ نہیں کرتے، وہ نہیں کرتے۔ یہ خود اذیت پسندی کا ایک نہایت ہی بہترین طریقہ ہے، اور پھر فطری طور پر، آپ کا بدن بے بس ہے، آپ کا بدن مزاحمت نہیں کر سکتا، آپ کا بدن احتجاج نہیں کر سکتا، یہ آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔

امکان تو یہ ہے کہ عوام سیاست دانوں کے خلاف بغاوت کر دیں لیکن اس امر کا کیا امکان ہے کہ آپ کا بدن آپ کے خلاف بغاوت کر دے؟ اس امر کا قطعی کوئی امکان نہیں ہے۔ آپ کا بدن قطعی معصوم ہے، بے بس ہے۔ آپ اسے مسلسل اذیت میں مبتلا رکھ سکتے ہیں، اور آپ مسلسل یہی محسوس کر سکتے ہیں کہ آپ عظیم طاقت کے مالک ہیں کیونکہ آپ اپنے بدن کو اذیت دے سکتے ہیں۔ آپ اس کا استحصال کئے جا سکتے ہیں، اور اس احساس میں مسلسل مبتلا ہو سکتے ہیں کہ آپ عظیم قوت کے مالک ہیں......اور آپ زیادہ سے زیادہ انا پرستی کا احساس حاصل کر سکتے ہیں۔

اس دنیا میں دو قسم کے افراد موجود ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو اذیت پہنچا کر خوش ہوتے ہیں اور لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جو اپنے آپ کو اذیت دے کر تسکین حاصل کرتے ہیں...... لیکن یہ ایک ہی قسم کا تشدد ہے، ایک ہی قسم کی جارحیت ہے۔ دوسروں کو اذیت پہنچا کر خوش ہونے والے افراد، یہ تشدد اور جارحیت دوسروں پر وارد کرتے ہیں جبکہ خود اذیت پسند افراد، یہ تشدد اور جارحیت خود پر وارد کرتے ہیں، چونکہ دوسروں کو اذیت پہنچانے والے افراد تشدد اور جارحیت دوسرے لوگوں پر وارد کرتے ہیں، لہٰذا جلد یا بدیر وہ لوگ بغاوت پر اتر آئیں گے۔ لیکن جب خود اذیت پسند لوگ، یہ تشدد اور جارحیت خود پر وارد کرتے ہیں تو پھر بغاوت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

درحقیقت انقلابی جب ایک دفعہ اقتدار میں آ جاتے ہیں، تو رفتہ رفتہ عزت و احترام سے محروم ہونے لگتے ہیں۔ جلد یا بدیر، انہیں اقتدار سے الگ کر دیا جاتا ہے، جلد یا بدیر، ان کی طاقت تباہ کر دی جاتی ہے، جلد یا بدیر، انہیں جرائم پیشہ تصور کیا جانا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ کی تمام تاریخ ان جرائم پیشہ افراد سے بھری پڑی ہے، آپ کی تاریخ، انسانیت کی تاریخ نہیں ہے کیونکہ یہ انسانی تشخص کی تاریخ نہیں ہے۔ یہ انسانیت کی تاریخ کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ انسانیت اور انسانوں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ یہ سیاستدانوں، سیاسی اختلافات، سیاسی جدوجہد اور جنگوں کی تاریخ ہے۔

یہ تو ایسے ہی ہے کہ آپ لٹیروں اور قاتلوں کی تاریخ لکھیں اور اسے انسانیت کی تاریخ کا نام دیں۔ انقلابی تو غیر معمولی قاتل ہوتے ہیں، یہ معمولی قسم کے یا عام قاتل نہیں ہوتے ورنہ یہ قید خانے میں ہوتے یا انہیں موت کی سزا سنا دی جاتی۔ یہ طاقت ور لوگ ہوتے ہیں، ان کے پاس طاقت وقوت ہوتی ہے۔ جب تک یہ اقتدار سے محروم نہیں ہوتے، خدا کے مانند ان کی پرستش کی جاتی ہے، لیکن جلد یا بدیر، ان کے اقتدار کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ ایک دن ایسا آتا ہے جب ہٹلر، ہر قسم کے عزت اور وقار سے محروم ہو جاتا ہے، اس کا نام برائی کی علامت بن جاتا ہے۔ ایک دن ایسا آتا ہے جب سٹالن، ہر قسم کے وقار و عزت سے محروم ہو جاتا ہے، اور اس کا نام بھی برائی کی شناخت بن جاتا ہے۔

لیکن دوسرے پہلو، مذہبی پہلو کے لحاظ سے، یہ زاہد اور تارک الدنیا لوگ، خود اذیت لوگ، اپنی حقیقت سے کبھی بھی واقف نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اذیت نہیں پہنچاتے، اور لوگ ان کے عزت و احترام میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے، وہ مسلسل عزت اور وقار کے مستحق رہتے ہیں۔ لوگ ان کا بہت زیادہ عزت و احترام کرتے ہیں، کیونکہ یہ اپنے علاوہ کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچاتے! یہ ان کا انداز ہے، یہ ان کا معاملہ ہے۔ زاہد اور تارک الدنیا افراد کی ہمیشہ عزت کی جاتی ہے، ان کی ہمیشہ پرستش کی جاتی ہے، لیکن، یہ جوگی پن، دنیا کو تیاگ دینے کا عمل اور زُہد، ایک قسم کا دماغی خلل ہے، اسے صحیح الدماغی نہیں کہا جا سکتا۔

بے تحاشا کھانا بھی عقلمندی نہیں ہے، صرف دماغی خلل کا شکار افراد ہی بے تحاشا کھاتے چلے جاتے ہیں، اسی طرح فاقہ کشی کو بھی صحیح الدماغی اور درست عمل نہیں کہا جا سکتا، اور پھر کھانے کا معتدل استعمال ہی عقلمندی اور صحیح الدماغی کی نشانی ہے، درمیان کا اور اعتدال کا راستہ ہی درست اور صحیح ہے۔ اعتدال اور میانہ روی صحت کی علامت ہے اور قطعی طور پر دانشمندانہ طرز عمل بھی ہے۔

اگر آپ ایک انتہا کا انتخاب کرتے ہیں، آپ سیاست دان بن جاتے ہیں، اور اگر آپ دوسری انتہا کا انتخاب کرتے ہیں تو پھر آپ مذہبی دیوانے بن جاتے ہیں، لیکن ان دونوں انتہاؤں میں اعتدال کا فقدان ہے۔

لہٰذا اس مرحلے پر سب سے پہلے سمجھنے والی بات یہ ہے کہ ہم مذہب پر مذہب تخلیق کئے جا رہے ہیں، اور ہمیں نیا مذہب اس لئے تخلیق کرنا ہوتا ہے کہ اس میں بار بار نقائص اور خرابیاں پیدا ہو

جاتی ہیں...... اور جس مذہب کو ہم یہاں پیش کر رہے ہیں، وہ نہ تو سیاسی ہے اور نہ ہی مذہب کی عمومی تعریف کے لحاظ سے مذہب ہے۔ یہ مذہب نہ تو دوسروں کے لئے اذیت پسندی اور نہ ہی خود کو اذیت پہنچانے کا درس دیتا ہے۔ یہ تو ایک معتدل مذہب ہے جس کا وطیرہ میانہ روی ہونا چاہئے۔

اور پھر معتدل اور میانہ روی کا راستہ اختیار کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس اعتدال پسند راستے کو اپنانے کا طریقہ یہ ہے کہ رہا تو اس دنیا میں جائے لیکن دنیا کا بن کر نہ رہا جائے، ہمیں اس دنیا میں زندگی تو بسر کرنا چاہئے لیکن اس دنیا کو خود پر مسلط نہیں کرنا چاہئے۔ دنیا میں میانہ روی سے رہنے سے مراد یہ ہے کہ دنیا آپ کے اندر سرایت نہ کر جائے، اسے اپنے اوپر حاوی ہونے کا موقع فراہم نہ کیا جائے۔ عین اعتدال اور میانہ روی سے رہنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ پیش آتا ہے، اس کا گہری نظر کے ساتھ مشاہدہ کیا جائے۔ گہرا مشاہدہ، ایک حقیقی مستند مذہب کی بنیاد ہے۔ جو کچھ بھی آپ کے ساتھ حالات رونما ہوں، ان کا مشاہدہ اور مقابلہ نہایت ہی خوش دلی اور وقار کے ساتھ کیا جائے۔ کسی بھی چیز کا نہ تو انکار کیا جائے اور نہ ہی اس کا استرداد کیا جائے۔ ہر قسم کے انکار اور استرداد کے باعث، آپ اعتدال اور میانہ روی کے راستے سے ہٹ جائیں گے اور آپ پریشانی و الجھن میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اس لئے ہر قسم کے حالات کو بعینہ قبول کر لینا چاہئے۔

اور آپ کو تو صرف گہرا مشاہدہ کرنا چاہئے، اس دنیا میں آپ کا کردار ایک مبصر کا سا ہونا چاہئے۔ خوشی و مسرت آپ کو نہال کر دیتی ہے، آپ صرف مشاہدہ کرتے ہیں، تکلیف آپ کو پریشان کر دیتی ہے، اس کا بغور مشاہدہ کریں۔ آپ کو چاہئے کہ نہ تو خوشی کی آمد سے اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑیں اور نہ ہی تکلیف کی آمد سے میانہ روی کا راستہ چھوڑیں۔ آپ قطعی پُرسکون اور مطمئن رہیں۔ کامیابی آئے گی اور چلی جائے گی، ناکامی آئے گی اور چلی جائے گی، اور جلد ہی آپ اس حقیقت کو سمجھ جائیں گے کہ یہ تمام حالات، خوشی و غمی، عارضی ہیں، اور صرف آپ کی ذات ہی ہے جو موجود رہتی ہے، کیونکہ اگر آپ موجود ہوں گے تو یہ خوشی و غم آپ کے پاس آئے گا اور جائے گا، ورنہ آپ نہیں ہوں گے تو خوشیوں اور غموں کی آمد و رفت کیسی؟ آپ کا وجود ابدی ہے، آپ کا مشاہدہ ابدی ہے۔

انسانی شعور اور ذہن میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ عارضی اور وقتی ہوتے ہیں۔ ایک لمحہ یہ خیالات موجود ہوتے ہیں، دوسرے ہی لمحے یہ خیالات معدوم ہو جاتے ہیں۔ ان کے متعلق

فکرمندمت ہوں، ان کو اپنانے یا ان کی مخالفت کرنے کی کوشش مت کیجئے۔ نہ تو انہیں خود پر حاوی ہونے کی اجازت دیجئے اور نہ ہی ان پر قابو پانے کی کوشش کیجئے۔ کیونکہ یہ تو آتے ہی جانے کے لئے ہیں۔ انہیں جانا ہی ہوتا ہے۔ ان کی فطری نوعیت ہی ایسی ہے کہ یہ مستقبل ہو ہی نہیں سکتے۔

اگر آپ کو پیش آنے والے حالات خوشگوار ہوں، یہ حالات ہمیشہ نہیں رہ سکتے، انہیں جانا ہی ہوتا ہے۔ اور یہ امر بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ خوشگوار حالات کے بعد، ناخوشگوار حالات کی آمد ناگزیر ہے، یہ زندگی کا تسلسل ہے...... دن اور رات، زندگی اور موت، گرمی اور سردی۔ زندگی کا یہ پہیہ یونہی گھومتا رہتا ہے۔

کسی بھی چیز کو مت اپنایئے اور کسی بھی چیز کو مستقل بنانے کی قطعاً کوشش نہ کیجئے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ کسی بھی چیز کو جس قدر زیادہ مستقل بنانے کی کوشش کریں گے، آپ اسی قدر ہی پریشان اور مایوس ہوں گے کیونکہ ایسا تو کسی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ اور جب ایسا ممکن ہی نہیں ہے تو پھر آپ خود کو شکست خوردہ محسوس کریں گے۔ آپ خود کو شکست کے عالم میں اس لئے محسوس کریں گے کہ آپ محض ایک سادہ اصول نہیں سمجھ سکے کہ اس دنیا میں کوئی چیز بھی جامد اور مستقل نہیں ہوسکتی۔ زندگی غیر متعین اور متغیر ہے۔ اس دنیا میں صرف ایک چیز مستقل طور پر موجود ہے، وہ آپ کا شعور اور ضمیر ہے جو آپ کے اندر گہرائی میں رہ کر اس دنیا کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

صوفی اس چیز کو ''پہاڑیوں پر موجود مبصر'' کہتے ہیں۔ وادیاں مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ مشاہدہ کار، پہاڑی کی چوٹی پر موجود رہتا ہے۔ بعض اوقات وادی میں اندھیرا چھا جاتا ہے، اور بعض اوقات وادی روشن ہو جاتی ہے، اور پھر کبھی وادی میں رقص و نغمے کی محفل بجتی ہے اور پھر کبھی وادی میں رونے اور چیخنے کی آوازیں گونجتی ہیں...... اور مشاہدہ کار پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھا، محض تماشائی بنا، سب کچھ دیکھتا رہتا ہے۔

آہستہ آہستہ، شعور و ضمیر میں موجود چیزیں بے وقعت ہو جاتی ہیں، صرف شعور اور ضمیر، قابلِ اہمیت ہوتا ہے، اور یہ آگہی اور ادراک کسی بھی سچے مذہب کی لازمی بنیاد ہے، اور یہ صوفیوں کی حقیقی اور سچی بصیرت اور آگہی ہے۔

اس سے پہلے کہ آج ہم آپ کے سامنے ایک چھوٹی سی مثال دیں، میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ سچائی تک پہنچنے کے چار طریقے ہیں، یعنی سچائی کے ساتھ منسلک ہونے کے لئے چار راستے

موجود ہیں۔

پہلے طریقے کو مشرق میں 'کرمایوگا' (Karma Yoga)...... عمل کا راستہ کہتے ہیں۔ انسانی کردار کے تین پہلو ہیں۔ عمل، علم اور احساس، لہٰذا یہ تین پہلو، تین طریقے، عمل، علم، احساس استعمال کرتے ہیں۔ آپ کوئی بھی فعل سرانجام دے سکتے ہیں، اور مکمل جذبے اور صراحت کے ساتھ کوئی بھی عمل کر سکتے ہیں، اور آپ خدا کے سامنے بھی اپنا عمل پیش کر سکتے ہیں۔ آپ یہ فعل بے ساختہ بھی انجام دے سکتے ہیں...... یہ پہلا طریقہ ہے...... کرمایوگا، کہ آپ نادانستہ طور پر عمل انجام دیں، آپ خدا کی مدد کے ذریعے یہ عمل انجام دیں، آپ خدا کو اپنے اندر جذب ہونے کا موقع دیں۔ آپ خود کو خدا کے سامنے پیش کر دیں۔ آپ اپنی ہستی سے دست بردار تو ہو جائیں، آپ اپنے وجود کو مٹا تو لیں!

تو پھر ایسی صورت حال میں آپ کا طرزِ عمل، یعنی آپ کا شعور، آپ کے سامنے پیش آنے والے حالات کو بدل دیتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے درمیان فرق آپ کو معلوم ہونا چاہئے۔ آپ کا شعور، آگہی اور آپ کے سامنے پیش آنے والے حالات اور واقعات۔ ایک چیز ایسی ہے جو آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہے اور ایک چیز ایسی ہے جس کے متعلق آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ میری بات سُن رہے ہیں تو اس وقت دو چیزیں رونما ہو رہی ہیں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ حالات اور واقعات ہوں گے جو آپ کے سامنے پیش آ رہے ہیں، اور جو کچھ آپ کو معلوم ہے، آپ سن رہے ہیں، مشاہدہ کر رہے ہیں۔ وہ شعور و آگہی ہے۔ آپ میری طرف دیکھ رہے ہیں، لہٰذا آپ کی آنکھوں میں میری شکل ''واقعات و حالات'' ہو گی، اور جس کے ذریعے آپ یہ شکل آنکھوں میں دیکھ رہے ہیں، وہ شعور ہے، یعنی فاعل اور مفعول۔

تو پھر ایسی صورتِ حال میں، آپ کا طرزِ عمل، یعنی آپ کا شعور، آپ کے سامنے پیش آنے والے حالات کو بدل دیتا ہے۔ یہ ''عمل'' کہلاتا ہے۔ آپ ایک پتھر کو دیکھتے ہیں، کوئی بھی شخص اس پتھر کے باعث لڑکھڑا سکتا ہے کیونکہ اس وقت اندھیرا ہے اور رات ہو رہی ہے، اس لئے آپ راستے سے پتھر ہٹا دیتے ہیں۔ یہ ''عمل'' ہے۔ آپ نے کیا کام انجام دیا ہے، آپ کے شعور نے حالات کو بدل دیا ہے۔

عمل کے راستے پر واقعات و حالات بہت اہم ہیں اور ان میں تبدیلی ناگزیر ہے۔ اگر

کوئی شخص بیمار ہے، آپ اس کی عیادت کرتے ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، اسے دوا دیتے ہیں تو پھر آپ واقعات وحالات تبدیل کر رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص نہر میں گر پڑا ہے اور ڈوب رہا ہے تو آپ نہر میں چھلانگ لگا دیتے ہیں اور اسے بچا لیتے ہیں، تو آپ نے واقعات وحالات کو تبدیل کر دیا ہے۔

عمل، حالات اور واقعات کے باعث تخلیق ہوتا ہے۔ عمل، ارادہ اور خواہش، کچھ کر دکھانے کی امنگ اور ترنگ ہے۔ بلاشبہ، اگر آپ کی خواہش وارادہ، آپ کی اَنا اور شعورِ خود قدری کے تابع رہتا ہے، تو پھر آپ مذہبی نہیں ہوں گے۔ آپ عظیم کارنامہ سرانجام دے سکیں گے، لیکن آپ مذہبی نہیں ہوں گے۔ اور پھر آپ کا راستہ ''عمل'' پر مبنی ہوگا لیکن یہ راستہ، خدا کی طرف نہیں جائے گا۔ جب آپ خدا کو اپنی چاہت بنا لیتے ہیں، جب آپ یہ عرض کرتے ہیں: ''اے خدا، آپ میرے بن جایئے، جب آپ خدا کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں، اور اس کی چاہت، آپ کی رگ دپا میں سما جاتی ہے...... تو پھر آپ کا یہ راستہ، عمل کا راستہ ہے...... اسے کرما یوگا کہتے ہیں۔''

کرما یوگا کا مقصد آزادی ہے، خواہش ہے، ارادہ ہے...... تاکہ حالات اور واقعات کو ایسے تبدیل کر دیا جائے کہ کوئی چیز بھی آپ کے خلاف نہ رہے، آپ کے لئے کوئی ضرر رساں چیز موجود نہ رہے، آپ واقعات وحالات کو اپنی دلی خواہش کے مطابق تبدیل کر دیں، تاکہ آپ حدود و قیود سے آزاد ہو جائیں...... جین مت کا بھی یہی راستہ ہے، یوگا اور عمل کی بنیاد پر اخذ شدہ تمام نظریوں اور فلسفوں کا بھی یہی راستہ ہے۔

دوسرا راستہ، علم، آگہی...... 'گیانا یوگا' کا راستہ ہے۔ دوسرے راستے پر چلنے کے باعث، حالات اور واقعات، آپ کا شعور وبصیرت تبدیل کر دیتے ہیں۔ پہلے راستے کے حوالے سے آپ کا شعور، واقعات وحالات کو تبدیل کر دیتا ہے...... اور دوسرا راستہ، اس کے بالکل اُلٹ ہے...... آپ کا شعور، واقعات وحالات کے ذریعے تبدیل ہو جاتا ہے۔

جب آپ علم کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو پھر آپ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ معاملہ کیا ہے، مسئلہ کیا ہے...... اسی کے متعلق تو کرشنا مورتی ہمیں بتاتا ہے۔ یہ علم کے حصول کا سب سے خالص اور شفاف طریقہ ہے۔ آپ کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا، آپ کو تو صرف بصیرت اور آگہی حاصل کرنا ہوتی ہے کہ اس امر کا ادراک کر سکیں کہ اصل معاملہ اور مسئلہ کیا ہے۔ آپ کو

صرف یہ دیکھنا ہے کہ معاملہ کیا ہے۔ آپ کو کچھ نہیں کرنا ہے، آپ کو تو صرف یہ کرنا ہے کہ آپ اپنے تمام تعصبات، اپنے عام تصورات، خیالات جھٹک دیں، جو حقیقت میں رکاوٹ پیدا کر سکیں، جو حقیقت کی توجیہات کریں، جو حقیقت کو جھوٹ کا رنگ دیں۔ آپ کو اپنے ذہن سے وہ تمام خیالات جھٹک دینا ہوں گے جو پہلے ہی سے آپ کے ذہن پر مسلط ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ بہرحال جو بھی واقعات وحالات آپ کے سامنے ہوں، آپ ان کا مشاہدہ کریں، اور وہ آپ کو تبدیل کر دیتے ہیں۔

دراصل، حقیقت کی تلاش کے لئے جستجو اور کوشش سے مراد یہ ہے آپ میں انقلاب رونما ہو جائے۔ حقیقت کو حقیقت کی نظر سے دیکھیں، آپ حقیقت کے علاوہ اور کوئی دوسرا طرزِ عمل نہیں اپنا سکتے۔ جب آپ کو ایک دفعہ حقیقت کا ادراک ہو گیا، تو پھر یہ حقیقت آپ میں تبدیلی کے عمل کا آغاز کر دے گی۔ واقعات وحالات، آپ کا شعور تبدیل کر دیتے ہیں۔

علم کے راستے پر چلنے کا مقصد سچ کا حصول ہے جبکہ کرما یوگا عمل کے راستے پر چلنے کا مقصد آزادی کا حصول تھا۔ جب آپ کسی چیز کے متعلق علم وبصیرت حاصل کر لیتے ہیں، آپ وہی کچھ بن جاتے ہیں، اسی طرح جب آپ خدا کے متعلق آگہی، علم اور بصیرت حاصل کر لیتے ہیں، خدا تعالیٰ کے ساتھ لَو لگا لیتے ہیں تو آپ میں بھی خدائی صفات کا عکس نظر آتا ہے۔

تیسرا راستہ بھکتی یوگا...... احساس کا راستہ ہے۔ اس پہلو کے لحاظ سے محبت و پیار کا حصول آپ کا مقصد ہوتا ہے۔ آپ کا شعور واقعات وحالات تبدیل کر دیتا ہے اور واقعات وحالات آپ کا شعور تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ تبدیلی باہمی طور پر ہوتی ہے۔ محبت، محبوب کو تبدیل کر دیتا ہے، اور محبوب، محبت کو تبدیل کر دیتا ہے۔ عمل کے راستے پر، شعور، واقعات وحالات کو تبدیل کر دیتا ہے، اور پھر علم کے راستے پر، واقعات وحالات، شعور کو تبدیل کر دیتے ہیں، احساس کے راستے پر، دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ تبدیلی باہمی طور پر رونما ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احساس کا راستہ، زیادہ جامع ہے۔ پہلا راستہ، نصف ہے، دوسرا راستہ بھی نصف ہے، لیکن محبت و پیار کا راستہ زیادہ محیط ہے، زیادہ جامع ہے، کیونکہ اس میں دونوں نصف موجود ہیں۔

وشنو میسحیت، اسلام اور دیگر راستے، رامانوجا، ولبھا اور دیگر پیروکار...... یہی کہتے ہیں کہ مفعول اور فاعل، الگ الگ نہیں ہیں، لہٰذا اگر ایک دوسرے کو تبدیل کرتا ہے تو پھر اعتدال میں بگاڑ

پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے، دونوں کو باہمی طور پر ایک دوسرے کو تبدیل کرنا چاہئے، دونوں کو ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک ہو جانا چاہئے، ان کے درمیان ایکا ہونا چاہئے۔ جس طرح ایک مرد اور عورت آپس میں مدغم ہو کر ایک ہو جاتے ہیں، اس طرح کا ایکا ہونا چاہئے۔ جس طرح جب ایک مرد اور عورت ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہیں تو انہیں بے انتہا لطف حاصل ہوتا ہے، اسی طرح آپ اور خدا کے درمیان جوش و جذبہ پیدا ہو جانا چاہئے۔ یہ صرف علم کا راستہ نہیں، یہ صرف ایک جزوی راستہ نہیں، بلکہ ایک مکمل اور جامع راستہ ہونا چاہئے۔

یہ تو تین عام رستے ہیں، اور صوفیانہ مسلک، چوتھا راستہ ہے۔ اس زمانے کا ایک عظیم صوفی جارج گردجیف ہے۔ اس کے پیروکار پی۔ ڈی آوس پنیسکی نے ''چوتھا رستہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اور یہ کتاب نہایت ہی علامتی کتاب ہے۔

چوتھا راستہ کیا ہے؟ یہ نہ تو عمل، نہ ہی علم اور نہ ہی احساس کا راستہ ہے...... کیونکہ یہ تو تین فلسفے ہیں، تین نظریے ہیں...... تو پھر چوتھا رستہ کون سا ہے؟ چوتھا رستہ، مراجعت کا ہے، ماورائیت کا ہے، ہندوستان میں اسے راجہ یوگا کہتے ہیں، یعنی شاہی راستہ، چوتھا رستہ۔ اس ضمن میں نہ تو شعور، واقعات و حالات تبدیل کرتا ہے، اور نہ ہی واقعات و حالات شعور کو تبدیل کرتے ہیں، کوئی کسی کو تبدیل نہیں کرتا۔ ہر چیز کسی تبدیلی کے بغیر موجود رہتی ہے۔ واقعات و حالات ایسے ہی پیش آتے ہیں، شعور بھی ان کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، اور کوئی بھی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ کوئی بھی چیز ایک دوسرے کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتی۔

اپنے وجود کو برقرار رکھنے سے اپنی ذات کو قائم رکھنے سے یہی میری مراد ہے۔ ان تینوں رستوں کے ہوتے ہوئے ایک چیز ذہن میں رہتی ہے جسے ہر حال میں انجام دے دینا چاہئے۔ لیکن چوتھے راستے کی صورت میں آپ کو کوئی بھی کام انجام نہیں دینا ہوتا، اور محض آپ کو آپ کے اپنے سامنے پیش آنے والے حالات بعینہ قبول و تسلیم کرنے ہوتے ہیں۔ اسی قبولیت و تسلیمیت میں مراجعت پوشیدہ ہے۔ اسی قبولیت و تسلیمیت کے باعث آپ ماورائی اور اعلیٰ حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ محض، ایک مبصر اور گواہ کی حیثیت سے موجود رہتے ہیں، آپ کچھ بھی نہیں کرتے، صرف وہاں موجود رہتے ہیں۔

چوتھے رستے کے ذریعے کسی مقصد کا حصول ممکن نہیں ہے، یہاں کسی مقصد کا وجود ہی نہیں

ہے۔ پہلے راستے کا مقصد آزادی کا حصول ہے، دوسرے راستے کا مقصد سچ کا حصول ہے، تیسرے راستے کا مقصد، پیار و محبت ہے، چوتھے راستے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ زین مت اور صوفیانہ مسلک کا تعلق چوتھے راستے سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زین مت کے پیروکار کہتے ہیں: ''بغیر رستے کا راستہ، بغیر دروازے کا دروازہ''...... کیونکہ یہاں تو کوئی مقصد ہی پیش نظر نہیں ہے۔ بغیر مقصد کے مقصد۔ ہم کہیں کا بھی قصد نہیں کرتے، ہم کسی بھی قسم کی تگ و دو اور جستجو نہیں کرتے، جس چیز کی بھی ہمیں ضرورت ہے، وہ پہلے ہی سے یہاں موجود ہے اور ہمیشہ یہاں موجود رہی ہے۔ آپ کا کام محض اس قدر ہے کہ خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہیں، کسی بھی چیز میں تبدیلی درکار نہیں ہے۔ جب چوتھا راستہ اختیار کیا جائے تو پھر تبدیلی کا فلسفہ موجود نہیں رہتا۔

اور پھر جب کسی بھی چیز میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تو پھر خوشی پھوٹنے لگتی ہے...... کیونکہ جو توانائی تبدیلی رونما کرنے کے لئے صرف ہونا تھی، کسی بھی کام کے لئے صرف نہیں ہوئی...... صرف خارج ہوئی ہے...... اور انسان سے پھوٹنے والی توانائی، خوشی و مسرت کا دوسرا نام ہے۔

بعض اوقات، آپ کی بے خبری کے عالم میں، یہ سب کچھ آپ کے ساتھ بھی پیش آتا ہے۔ بعض اوقات جب آپ تنہا بیٹھے ہوتے ہیں، کچھ بھی نہیں کر رہے ہوتے، تو پھر آپ کو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی واقعہ رونما ہوا ہو۔ آپ اسے سمجھ نہیں سکتے، حتیٰ کہ آپ کو اس رونمائی پر یقین بھی نہیں آتا۔ یہ رونمائی اور واقعہ، اس قدر ناقابلِ یقین، حیرت انگیز اور نیا ہوتا ہے کہ آپ تحیر کے عالم میں کھو جاتے ہیں...... یہ سب کچھ...... کبھی نہ کبھی...... ہر شخص کے ساتھ پیش آتا ہے جس کی بظاہر کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی، آپ اس کی نشاندہی نہیں کر سکتے، آپ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ یہ سب کچھ عالمِ وجود میں کیوں آیا؟

آپ ٹب میں بیٹھے غسل کر رہے ہیں، اور اچانک کوئی چیز آپ کے سامنے رونما ہوتی ہے، اس وقت ذہن بھی معمول کے مطابق اپنے کام میں مصروف نہیں ہوتا، آپ کا بدن گرم پانی میں آرام و سکون سے ہے...... آپ کچھ بھی نہیں کر رہے ہوتے، بس آپ محض وہاں موجود ہوتے ہیں...... اچانک آپ پر کوئی چیز وارد ہوتی ہے...... گھر میں موجود خاموشی کا آپ کو احساس ہوتا ہے۔ آپ کو باہر سے پرندوں کی چہکار سنائی دیتی ہے، گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کی صدا سنائی دیتی

ہے۔سب کچھ اسی طرح ہو رہا ہے جیسے پہلے ہوتا رہا ہے، لیکن اب رونمائی کا معیار اور تصور بدل چکا ہے، اب اس میں ایک نیا بن پیدا ہو چکا ہے، ایک مختلف انداز وجود میں آ چکا ہے، اب ہر طرف ایک گہرا سکوت اور ٹھہراؤ ہے، طمانیت اور تسکین ہے۔ آپ میں موجود کوئی چیز، کسی چیز کے لئے سرگرداں نہیں، آپ اپنے وجود کے ساتھ صرف یہاں موجود ہیں اور واقعات وحالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

اگر آپ اس واقعہ کے متعلق سوچنا شروع کر دیتے ہیں، تو آپ اسے فوراً ہی کھو بیٹھتے ہیں...... اگر آپ اسے دوبارہ اپنے سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں، آپ اسے پا نہیں سکتے۔ اس کی آمد، ازخود ہوتی ہے، اس کی آمد اس وقت ہوتی ہے جب اس کی آمد کا وقت آن پہنچتا ہے، اس کی آمد اس وقت ہوتی ہے جب موافق حالات پیدا ہوتے ہیں، لیکن آپ یہ موافق حالات تخلیق کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر آپ انہیں تخلیق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو آپ پہلے تین رستوں میں سے کسی ایک پر جا پہنچتے ہیں۔ اگر آپ واقعات وحالات تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آپ کے عمل کے راستے کے راہی بن جائیں گے۔ اگر آپ واقعات وحالات کے ذریعے اپنے شعور کو بدلنے کی کوشش کریں گے، تو پھر آپ دوسرے راستے...... علم کے راستے پر چلنا شروع کر دیں گے، اگر آپ ان دونوں راستوں کو اکٹھا اختیار کرنا چاہیں گے، تو پھر آپ تیسرا راستہ اختیار کر لیں گے۔

لیکن اگر آپ کسی بھی قسم کی سرگرمی میں مصروف نہیں ہوتے، نہ تو کسی چیز کی خواہش کرتے ہیں، نہ ہی کسی قسم کا ارادہ باندھتے ہیں، نہ ہی علم کے حصول کے لئے تگ و دو کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے احساس کا دروازہ کھولتے ہیں...... محض، اپنے سامنے رونما ہوتے ہوئے واقعات وحالات کا مبصر کی حیثیت سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، پُرسکون ہو کر طمانیت کے ساتھ اَن دیکھی رونمائی کے منتظر رہتے ہیں۔ مشاہدے کا یہ عمل، علم کے حصول کی جدوجہد نہیں ہے، یہ اس سے کہیں مختلف چیز ہے۔ درحقیقت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ سب کچھ ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں...... آپ تو کچھ بھی نہیں کر رہے ہوتے، حتیٰ کہ تماشائی بھی نہیں ہوتے۔ آپ تو محض حالات اور واقعات کے سامنے موجود ہوتے ہیں، حالات آپ کے سامنے رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اچانک، باہر، ایک پرندہ نغمہ سرا ہو جاتا ہے، اور آپ اسے سننے لگتے ہیں کیونکہ آپ وہاں موجود

ہیں، آپ اس کی چہچہاہٹ سن رہے ہیں۔ آپ یہ نغمہ سننے کی شعوری یا لاشعوری کوشش نہیں کرتے، اور نہ ہی آپ دانستہ اس طرف اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

آپ کو چاہئے کہ آپ اس لفظ ''آرام وسکون'' کو بخوبی طور پر ذہن نشین کر لیں۔ آپ یہ بھی سمجھ لیں کہ آپ شعوری طور پر ''آرام وسکون'' کے حصول کے لئے توجہ نہیں دے سکتے، اس حقیقت کو اچھی طرح یاد رکھئے۔ آپ آرام وسکون کے حصول کے لئے شعوری کوشش کیسے کر سکتے ہیں؟ اگر آپ آرام وسکون کے لئے شعوری کوشش کریں تو آپ اسے حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ اس طرح آرام وسکون کا حصول، آپ کے لئے ایک ''مقصد'' کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور آپ اس مقصد کے حصول کے لئے کوشش کرنے والوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو چاہئے کہ آپ ''آرام وسکون'' کے تصور کے متعلق بصیرت وآگہی حاصل کریں، آرام وسکون کو ازخود، خود پر وارد ہونے دیں کیونکہ آپ اسے خود پر وارد کرنے کے لئے شعوری کوشش نہیں کر سکتے، آپ اسے زبردستی خود پر وارد نہیں کر سکتے، اس کی آمد کا آپ کی شعوری کوشش کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کو تو صرف یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس کی رونمائی کیسے ممکن ہے، اور جب آپ کو اس واردات کے متعلق بصیرت وآگہی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر ''آرام وسکون'' ازخود، آپ پر وارد ہو جاتا ہے۔

جب آپ کا ذہن ہر قسم کی خواہش اور لالچ سے پاک ہے، جب آپ کے سامنے کوئی ہدف ومقصد نہیں ہے، اور آپ کا ذہن اِدھر اُدھر بھٹکتا بھی نہیں ہے، تو پھر آپ کا ذہن پریشان اور مضطرب کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ کا ذہن کسی بھی طرف متوجہ ہی نہیں ہے۔ آپ کا ذہن کا ارتکاز کسی بھی طرف نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کی طرف توجہ مرکوز کرنے کے لئے کوشش وتگ ودو کی ضرورت محسوس ہوگی، اور کسی طرف توجہ مرکوز کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ کا ذہن پریشانی اور اضطراب کا شکار ہو جائے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لفظ ''غور وفکر/گیان دھیان'' کی تعریف ''ارتکازِ توجہ'' کے طور پر کی گئی ہے۔ یہ تعریف قطعی غلط ہے۔ غور وفکر/گیان دھیان، سے مراد ''ارتکاز توجہ'' نہیں ہے کیونکہ ارتکازِ توجہ، کوشش اور جدوجہد کی متقاضی ہے اور انسان کسی چیز کے حصول کے لئے اپنے ذہن ودل میں خواہش پیدا کرتا ہے، ارادہ باندھتا ہے۔ ارتکازِ توجہ کے معنی ہیں کہ انسان، اپنی تمام تر توانائی

کسی ایک طرف مرتکز کردے۔ اس کے برعکس غور وفکر/گیان دھیان سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی توانائی کسی بھی طرف مرتکز نہیں کرتے، یہ غور وفکر اور دھیان تو ازخود پیدا ہوتا ہے، یہ تو خوشبو کے مانند ہے جو آپ کو آپ کی بے خبری ہی میں اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ یہ تو ایک ایسی خوشبو ہے کہ جب وہ پھول سے خارج ہوتی ہے، وہ چاروں طرف پھیل جاتی ہے، یہ خوشبو کسی خاص سمت میں نہیں پھیلتی بلکہ ہر طرف اس کا بہاؤ اور پھیلاؤ ہوتا ہے۔ ہوا کا بہاؤ جس طرف ہوگا، یہ خوشبو بھی اسی طرف جائے گی۔

کبھی کبھار یہ لمحہ، آپ پر بھی وارد ہوتا ہے۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو صرف مذہبی لوگوں کے ساتھ پیش آتی ہے۔ یہ چیز عام زندگی میں بھی رونما ہوتی ہے لیکن آپ کو خبر نہیں ہوتی، کیونکہ آپ اس سے بدکتے ہیں۔

چند دن قبل، ایک خاتون کی طرف سے مجھے ایک خط وصول ہوا۔ وہ یہاں، اس آشرم میں کچھ دیر رہ چکی تھی، اور پھر وہ گھر چلی گئی۔ عرصہ چھ ماہ سے وہ استغراق حاصل کرنے کی تگ ودو میں مصروف تھی لیکن جس طرح وہ چاہتی تھی، اسے یہ استغراق حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ استغراق کے حصول کے ضمن میں لازمی طور پر اس کی اپنی خواہش ضرور ہوگی اور پھر کچھ توقعات بھی ضرور ہوں گی، لیکن یہ استغراق اسے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے یہ بتانے کے لئے مجھے خط لکھا کہ ایک دن وہ اپنے کمرے میں بے مصرف بیٹھی تھی۔ اس کے پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہیں تھا۔ اس کا شوہر، اپنے دفتر جا چکا تھا، بچے اسکول گئے ہوئے تھے۔ اس کے سوا گھر میں کوئی بھی موجود نہیں تھا، وہ تو بس ایسے ہی بیٹھی تھی، اس کے دل ودماغ میں کوئی خواہش بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تو بس آنکھ بند کئے آرام کرسی پر نیم دراز تھی کہ اچانک یہ واردات اس پر گزری، دفعتاً یہ واردات، اپنی تمام تر خیر وبرکت کے ساتھ رونما ہوئی۔ لیکن وہ خوفزدہ ہوگئی، وہ اس لئے خوفزدہ ہوگئی کہ جب یہ واردات اس پر گزری، تو خوف نے اسے گھیر لیا، کیونکہ وہ استغراق کے عالم میں تھی اور اس کا اپنا وجود اسی استغراق میں گم تھا۔ اسے بہت ہی زیادہ خوف محسوس ہوا اور وہ پھر اس خوف سے باہر نکل آئی۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کا وجود غائب ہوتا جا رہا ہے۔

بالکل درست، ایسا ہی ہوتا ہے، اس موقع پر آپ کی اَنا، آپ کا شعور خود قدری قائم نہیں

رہ سکتا، آپ کی اَنا کا تو یہاں گزر ہی ممکن نہیں ہے۔ آپ کی اَنا تو اب موجود نہیں ہے لیکن بے شمار سابقہ موجودہ اور آئندہ پریشانیاں آپ کے سامنے جمع ہو کر آ جاتی ہیں۔ لیکن جب آپ پریشانی اور اضطراب کے عالم میں نہیں ہوتے، تو پھر آپ کی اَنا ریزہ ریزہ ہو کر آپ کے قدموں میں بکھر جاتی ہے۔

وہ خوفزدہ ہو گئی۔ عرصہ چھ ماہ سے وہ استغراق حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو رہی تھی، بالآخر، ایک دن، یہ واردات رونما ہو ہی گئی۔ یہ واقعہ اس لمحے رونما ہوا جب وہ اس سے قطعی بے خبر تھی۔ اس سے پہلے وہ اپنی سی کوشش کر رہی تھی، اپنے ذہن ودل میں خواہش پیدا کر رہی تھی، ارادہ باندھ رہی تھی، دعا کر رہی تھی، لیکن اسے استغراق حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن ایک دن، یہ استغراق آن پہنچا، لیکن اس نے موقع ضائع کر دیا، وہ خوفزدہ ہو گئی۔ وہ مستغرق ہونے ہی کو تھی لیکن وہ خوفزدہ ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ غائب ہو جائے گی اور اس استغراق سے باہر نہیں نکل سکے گی۔ اس نے خود کو اس استغراق سے باہر نکال لیا۔ اب وہ لکھتی ہے کہ وہ رو رہی ہے، چیخ رہی ہے، اور اس استغراق کی آمد دوبارہ چاہتی ہے۔

لیکن اس کی طرف سے استغراق کی واپسی کی خواہش بے سُود ہے...... کیونکہ یہ استغراق اس دن بے ساختہ اس پر وارد ہوا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ کیا ہونے جا رہا ہے، اور اچانک یہ واردات رونما ہو گئی۔ یہ واردات ہمیشہ، تیز روشنی کی مانند آتی ہے۔

یہ چوتھا رستہ ہے...... یہی وجہ ہے کہ اسے بہترین راستہ کہتے ہیں۔ بادشاہ کا منصب اسے کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اس کے مصاحب ہی سب کام انجام دیتے ہیں۔ بادشاہ تو محض اپنے تخت پر براجمان ہوتا ہے اور اس کے تمام احکامات پر ازخود عمل ہوتا رہتا ہے۔ بے شمار لوگ اس کے احکامات بجالانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے شاہی رستہ کہتے ہیں۔ دیگر تین رستے عمومی نوعیت کے ہیں، تو چوتھا رستہ تو واقعی ایک خاص رستہ ہے۔ بادشاہ سے یہ نہیں توقع کی جاتی کہ وہ بذاتِ خود کوئی کام انجام دے، وہ تو محض سکون اور اطمینان سے اپنے تخت پر براجمان ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ تو وہی ہوتا ہے جس کے متعلق ہم کہہ رہے ہیں کہ وہ بذاتِ خود کوئی ذمہ داری انجام نہیں دیتا لیکن اس کے فرستادہ یہ ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں، اسے کام کرنے سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، اسے علم حاصل کرنے سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، اسے کسی چیز کا احساس بھی

نہیں ہوتا، وہ تو نہایت طمانیت اور سکون کے ساتھ اپنے تخت پر بیٹھا، اپنے احکامات کی بجا آوری ہوتے دیکھتا رہتا ہے، اور اسی سکون اور طمانیت کے عالم میں یہ واردات، استغراق واقع ہوتا ہے۔

صوفیانہ مسلک اور زین مت، دونوں شاہی رستے ہیں۔ نہ تو شعور، واقعات و حالات کو تبدیل کرتا ہے اور نہ ہی واقعات و حالات، شعور میں کوئی تبدیلی رونما کرتے ہیں۔ یہ تو بنیادی اصول ہے کہ کوئی بھی تبدیلی رونما نہیں ہوتی حالانکہ شعور بھی انسان کے اندر موجود ہوتا ہے، واقعات و حالات، انسان کے سامنے پیش آتے رہتے ہیں۔ پھول بھی چمن میں لہلہا رہا ہے اور آپ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ نہ تو آپ پھول میں کوئی تغیر رونما کرتے ہیں اور نہ ہی پھول آپ میں کوئی تبدیلی رونما کرتا ہے۔ دونوں، اپنی اپنی جگہ زندہ سلامت موجود رہتے ہیں اور ان کی اس موجودگی میں ایک دوسرے کے لئے کوئی مفاد بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

زین مت کے پیروکار، اسے نروان کہتے ہیں...... بے غرضی اور بے ثباتی کی حالت، یعنی انسان اپنی ہستی گُم کر دیتا ہے۔ ''نروان'' بہت خوبصورت لفظ ہے۔ اس سے مراد یوں ہے کہ جیسے کسی نے موم بتی بجھا دی ہے۔ چند لمحے قبل موم بتی کا شعلہ موجود تھا اور موم بتی سے چمکدار روشنی خارج ہو رہی تھی، اور پھر آپ نے اسے بُجھا دیا۔ اب یہ شعلہ ابدیت میں کہیں گُم ہو چکا ہے، یہ شعلہ، لامحدود کائنات کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ آپ اسے تلاش نہیں کر سکتے، آپ اسے پا نہیں سکتے کہ یہ کہاں غائب ہو چکا ہے، بس یہ تو ایسے ہی معدوم ہو چکا ہے۔

اب آپ ایک صوفی بزرگ کی مثال ملاحظہ فرمائیے:

ایک صوفی بزرگ جب ایک گاؤں میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک ننھا منا بچہ، ایک روشن موم بتی لئے چلا آ رہا ہے۔ یہ بچہ مسجد کو جا رہا تھا۔ رات ہو رہی تھی اور یہ بچہ ثواب کی خاطر یہ روشن موم بتی، مسجد میں رکھنے میں جا رہا تھا۔

صوفی بزرگ نے اس معصوم بچے کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ موم بتی کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ صوفی بزرگ نے بچے کو روکا اور اس سے سوال کیا: ''کیا تم نے یہ موم بتی خود روشن کی ہے؟'' بچے نے اثبات میں جواب دیا۔

صوفی بزرگ نے بچے سے لطیف انداز میں پوچھا: ''پھر تو یقیناً تم نے دیکھا ہوگا کہ موم بتی کا یہ شعلہ کہاں سے آیا۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہ شعلہ کہاں سے آتا ہے؟'' بچے نے قہقہہ لگایا اور

موم بتی بجھا دی اور پھر کہنے لگا: ''جناب! آپ نے اس شعلے کو جاتے ہوئے دیکھا ہے، کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ شعلہ کہاں گیا ہے؟''

کسی کو بھی نہیں معلوم کہ یہ شعلہ کہاں سے آتا ہے، اور کسی کو بھی معلوم نہیں کہ یہ شعلہ کہاں جاتا ہے۔ یہ شعلہ کسی نامعلوم مقام، یعنی ابدیت سے پیدا ہوتا ہے، اور پھر یہ دوبارہ کسی نامعلوم مقام یعنی ابدیت کی طرف لوٹ جاتا ہے جو ایک ہی چیز ہے۔ اسے نروان کہتے ہیں۔

صوفی اس صورتِ حال کے لئے ایک لفظ استعمال کرتے ہیں...... فنا...... جب ایک شخص اپنی ہستی مکمل طور پر فنا کر دیتا ہے۔

خواہش، علم یا احساس کے رستے پر آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ بھی تو کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے...... کیونکہ آپ شعوری طور پر کسی بھی طرح کی کوئی کوشش کریں گے، کوئی کام انجام دیں گے، آپ کی ہستی قائم و دائم ہوگی، آپ کچھ نہ کچھ حد تک موجود رہیں گے۔ آپ کے وجود کے کسی گوشے میں آپ کی اَنا چھپی بیٹھی ہوگی، اس لئے خود میں بہتری پیدا کرنے کے لئے کسی بھی کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی اجنبی یا راہگیر رہتا ہے۔'' لہٰذا آپ اس دنیا میں رہیں مگر اس دنیا کو مت اپنائیں۔ آپ اس دنیا میں زندگی بسر کریں مگر اس دنیا کو خود پر حاوی مت ہونے دیں۔

''اس دنیا میں ایسے رہیں کہ جیسے آپ نے ہزاروں سال اس دنیا میں رہنا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچ لیں کہ آپ نے کل ہی مر جانا ہے۔''

لہٰذا اپنے موجودہ لمحے میں اس طرح رہیے کہ جیسے آپ نے ہمیشہ یہیں رہنا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ ممکن ہے کہ آئندہ ایسا کوئی لمحہ نہ آئے۔ اس لئے، اس دنیا میں بھرپور زندگی گزاریئے لیکن صرف ایک تماشائی اور مبصر کی حیثیت سے! اس دنیا میں شریک ہو جائیے لیکن اس حد تک کہ جیسے آپ پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے، تمام واقعات و حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

یہی کچھ تو حضرت جنید بغدادی کا وطیرہ تھا۔

اب یہ قصہ ملاحظہ فرمائیے!

صوفی عارف، حضرت جنید بغدادی نے سب اسرار و رموز عملی طور پر سیکھے تھے......

صوفی، ہمیشہ عملی طور پر سمجھاتے ہیں، اس سے اچھا طریقہ اور کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا، ہمیشہ سے ہی اس طرح ہوتا آیا ہے کہ جب کچھ اجنبی، کسی صوفی بزرگ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں...... کیونکہ وہ نہیں سمجھ پاتے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں اصل قصہ معلوم نہیں ہوتا۔ انہیں اس صورت حال کا وہ حصہ معلوم ہوتا ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوتی ہے۔ یہ کسی قسم کا عملی مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ایک ایسی صورت حال ہو جس کے متعلق مرشد اور مرید، دونوں کو یہ علم ہو کہ اصل قصہ کیا ہے۔

گردجیف کا بھی یہی وطیرہ تھا، تمام اجنبی ہمیشہ ہی پریشان ہو جاتے تھے۔ اور ان لوگوں نے جو گردجیف کو نہیں جانتے تھے، اس کے بارے سیکڑوں کتابیں لکھیں۔ قدرتی طور پر وہ اس کے خلاف تھے کیونکہ انہیں اندر کی کہانی معلوم نہیں تھی۔ اندر کی کہانی صرف اسے ہی معلوم ہو سکتی ہے جو راز دار ہو۔

مثال کے طور پر اگر آپ کبھی اچانک گردجیف کے پاس گئے، تو ممکن ہے کہ آپ حیران ہوتے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی کے ساتھ بدتمیزی کر رہا ہو، چلا چلا کر غلیظ گالیاں بک رہا ہو۔ ماضی میں وہ غلیظ الفاظ استعمال کرنے میں بہت ماہر تھا۔ اور جب وہ اشتعال میں ہوتا تو واقعی اس کا غصہ قابلِ دید ہوتا کہ جیسے وہ کسی کو قتل کر دے گا۔

اگر آپ نے کبھی اسے دیکھا ہو تو قدرتی طور پر آپ حیران ہوتے کہ وہ کس قسم کا ''مرشد'' ہے۔ اسے دیکھ کر کبھی بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اسے کچھ روشنی اور بصیرت حاصل ہے...... کیونکہ روشنی اور بصیرت کے متعلق آپ کا ایک مخصوص نظریہ ہو سکتا ہے کہ مرشد ایسا ہو گا، ویسا ہو گا۔ اسے آپ کی توقعات پر پورا اترنا چاہئے۔ لیکن مرشد اس لئے ہوتا کہ وہ آپ کی توقعات پورا کرتا پھرے۔ آپ کی توقعات پوری کرنے سے کہیں زیادہ اہم کام اسے سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ مرشد لوگ، آپ کے لئے اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں ہیں۔ وہ نہ تو آپ سے اپنی عزت و توقیر کا مطالبہ کرتے ہیں یا کوئی ذمہ داری نبھانے کا کہتے ہیں۔ انہیں قطعاً پروا نہیں ہوتی کہ لوگ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں، وہ آپ سے آپ کی حمایت کے بھی طالب نہیں۔ وہ تو ایک ایسا کام کر رہے ہوتے ہیں جو اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے، اور وہ صرف اسی صورت آپ کو معلوم ہو سکتا ہے جب آپ اندر کی صورت حال سے واقف ہوں۔

صرف یہ راز دار ہی جانتا ہے کہ گردجیف کسے گالیاں دے رہا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ راز دار بھی بعض مواقع پر یہ نہ جان سکے کہ گردجیف ایسے کیوں کر رہا ہے۔ بعض اوقات آپ یوں محسوس کریں گے ''یہ کس قسم کا انسان ہے؟ وہ مجھے اس قدر غلیظ گالیاں کیوں نکال رہا ہے؟ میرا کیا قصور ہے؟ ممکن ہے کہ آپ سے ایک معمولی سی غلطی سرزد ہو گئی ہو، اور وہ اسے بہت بڑی غلطی تصور کر رہا ہو کہ جیسے آپ سے کوئی عظیم گناہ سرزد ہو گیا ہو۔ بعض اوقات راز دار کو بھی اصل کہانی معلوم نہیں ہوتی۔'' گردجیف کا کہنا ہے: ''تمہیں خبردار رہنا چاہئے اسے نہایت غور سے صورت حال کا مشاہدہ کرنا چاہئے، میں تمہیں بھڑکاؤں گا، تمہیں اشتعال دلاؤں گا تا کہ اپنے اس تفکر سے محروم ہو جاؤ۔''

اب گردجیف اور اس کے مرید کے درمیان کوئی چیز سفر کر رہی ہے، کوئی چیز ان کے درمیان ہچکولے کھا رہی ہے، اور ایک اجنبی کی حیثیت سے آپ کو اس کے متعلق معلوم نہیں ہو سکے گا۔ وہ اشتعال میں نہیں ہے، یہ تو محض اس کی اداکاری ہے، وہ آپ کو اشتعال دلا رہا ہے۔ اگر مرید، اشتعال کا شکار ہو جاتا ہے تو وہ اصل کہانی نہیں جان سکتا۔ وہ دستیاب موقع ضائع کر دیتا ہے۔ اگر یہ مرید پُرسکون اور خاموش رہتا ہے، نہایت صبر سے سب کچھ دیکھتا رہتا ہے اور اپنے سامنے پیش آنے والے واقعات و حالات کو اپنا شعور تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اور نہ ہی وہ گردجیف یا اس کے رویے کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے...... یعنی اس وقت شعور، اپنے سامنے پیش آنے والے واقعات و حالات کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے...... حالات اور واقعات سامنے ہیں، یعنی بظاہر ایسا معلوم ہوتا کہ گردجیف پاگل ہے۔ ٹھیک ہے! گردجیف پاگل ہے...... اور ایک انسان، سب کچھ دیکھ رہا ہے...... نہ تو شعور، واقعات و حالات پر اثر انداز ہو رہا ہے اور نہ ہی واقعات و حالات، شعور کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور پھر آپ گردجیف کو دھوکا نہیں دے سکتے کیونکہ آپ کے شعور میں خفیف سی تبدیلی، آپ کے مجموعی رویے کو تبدیل کر دیتی ہے۔ آپ کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو جاتے ہیں، آپ کا گردوپیش تبدیل ہو جاتا ہے، آپ کی توانائی کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے...... آپ ایک دوسرے انسان میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ مرید خود میں تبدیلی رونما نہیں کرتا، اور گردجیف کے استعمال میں آنے والی حالت سے اپنی پہلے والی حیثیت برقرار رکھ سکتا ہے، اور اپنے سامنے پیش آئی صورت حال کو تبدیل کرنے

کی کوشش نہیں کرتا، تو پھر اندرونی سفر کے آغاز کے لئے اس نے پہلا قدم اٹھالیا ہے۔ وہ اپنے مرشد کے نزدیک ہو چکا ہے۔

لیکن اجنبی لوگوں کے لئے یہ سب کچھ بہت مشکل ہوگا۔ اگر آپ کو کبھی گرد جیف کے پاس جانے کا موقع میسر ہوا...... تو وہاں ایک انوکھی اور عجیب صورت حال موجود تھی۔ ہر رات وہ اپنے مریدوں کو بلا لیتا۔ تمام لوگ وہاں جمع ہو جاتے ...... اور پھر وہ کھانے پینے کی ایک ایسی محفل جمتی کہ کوئی اجنبی فرد یہی سمجھتا کہ یہ سب لوگ پاگل ہیں۔ یہ لوگ کس کام میں مصروف ہوتے تھے؟ اور گرد جیف مسلسل لوگوں کو مجبور کرتا کہ وہ کھائیں پئیں۔ وہ لوگوں کو اس قدر زیادہ شراب پینے پر مجبور کرتا کہ آپ یہ سمجھ لیتے کہ یہ کوئی عیش وعشرت اور لذت آفرین محفل ہے۔ یہ کس قسم کا مذہب تھا؟ کھاؤ، پیئو اور عیش کرو؟ اور اس کی بھی کوئی انتہا نہیں تھی اور گرد جیف شراب پلانے کے معاملے میں بے حد مستقل مزاج تھا، اور وہ خود بھی، جہاں تک ممکن ہو، شراب پی جاتا تھا۔ لیکن وہ کبھی بھی مدہوش نہیں ہوا، یہی تو اصل نکتہ ہے، وہ اپنے مرید کو شراب پینے پر مجبور کرتا۔

اور پھر ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جب آپ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں، اچانک اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ جب کوئی انسان شراب کے نشے میں مدہوش نہ ہو، آپ اس کی اصلیت سے کبھی بھی آشنا نہیں ہو سکتے۔ لوگ اپنے جذبات واحساسات کو اس قدر دبا کر رکھتے ہیں کہ صرف شراب کا نشہ ہی انہیں ان کے جذبات واحساسات سے باہر نکال سکتا ہے، اور ایسا عظیم تجربہ، کسی مرشد نے کبھی ہی کیا ہوگا۔

ہم جانتے ہیں کہ مشرق میں اس روایت کا بانی ٹین ٹریکاس (Tantricas) ہے لیکن مغرب میں اس روایت کا بانی گرد جیف ہے۔ جب بھی گرد جیف اپنے کسی مرید کو دیکھتا کہ وہ شراب کے نشے میں دھت ہے، اور اس کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے...... کہ وہ اب پہلے جیسا شخص نہیں ہے کہ جیسے وہ پہلے اداکاری کر رہا تھا...... پھر وہ اس کا جائزہ لیتا۔ اب وہ اس کے لئے مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ اب اس نے آپ کے ضمیر کی اصلیت جان لی۔ تحلیل نفسی نے جو سفر سالوں میں طے کیا، یہ سفر گرد جیف نے ایک دن میں طے کر لیا۔ تحلیل نفسی آپ کو مسلسل مجبور کرتی رہتی ہے کہ آپ اپنے شعور وعقل کو اداکاری کی تہوں میں چھپا کر نہ رکھیں۔ ماہر تحلیل نفسی، ہر روز آپ کے بستر کے پاس، سالوں بیٹھا رہے گا، اور آپ جو کچھ ہذیان بکے جا رہے ہیں، اسے سنتا رہے گا، تا کہ

آپ اپنی غلاظت باہر نکالنے میں کامیاب ہو سکیں۔ آہستہ آہستہ سچائی باہر نکلنا شروع ہو جائے گی۔ جب ظاہری غلاظت باہر نکل جائے گی تو پھر اندرونی غلاظت خارج ہونے کا عمل شروع ہوگا۔ لیکن اس کے لئے سالوں درکار ہیں۔

لیکن گرد جیف اس عمل کو ایک ہی دن میں انتہائی ماہرانہ انداز میں انجام دیتا ہے۔ جب پہلے دن مرید اس کے پاس آتا ہے تو ابتدائی طور پر مرید کو شراب نوشی کی طرف راغب کیا جاتا۔ مرشد چاہتا ہے کہ اسے اپنے مرید کے لاشعور کے متعلق فوراً علم ہو جائے کیونکہ اس کے بعد اصل کام شروع ہوتا ہے وہ اپنے مرید کی ظاہری شخصیت میں الجھ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ ظاہری شخصیت تو ایک نقاب ہے۔ جب اس کو آپ کی اصلی شخصیت کے متعلق علم ہو جائے گا تو پھر کسی مزید چیز کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لیکن وہ آپ کو گہری مدہوشی میں لے جائے گا۔

اور اب کوئی نام نہاد اجنبی شخص، ایک مذہبی شخص، یہ تمام صورت حال دیکھتا ہے تو وہ پریشان ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ اگر گرد جیف کے پاس ایک ایسا شخص آتا ہے جسے وافر مقدار میں کھانا میسر نہیں تو گرد جیف اسے کھانے کے لئے بہت کچھ دے گا، اور اگر کوئی ایسا شخص آتا ہے، جسے بہت زیادہ کھانا میسر ہے تو گرد جیف اسے بھوکا رکھے گا۔ وہ آپ کی پرانی عادات کو بدل دے گا کیونکہ جب آپ کے معمول میں تبدیلی رونما ہوتی ہے تو پھر آپ کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے، یہ تو ایسے ہی ہے کہ جیسے گاڑی کی رفتار کم یا زیادہ کرنے کے لئے گیئر بدلے جاتے ہیں اور گیئر بدلنے کے دوران ایک ایسا لمحہ بھی آتا ہے جب گاڑی تبدیلی کے عمل سے بے نیاز غیر متغیر (نیوٹرل) حالت میں آجاتی ہے، تو اس طرح آپ بھی تبدیلی کے دوران ایک لمحے کے لئے غیر متغیر حالت میں آجاتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر ایک شخص، جین مت کا پیروکار، اپنی زندگی میں کبھی گوشت کے قریب نہیں گیا اور نہ ہی گوشت کھایا، تو اگر وہ شخص گرد جیف کے پاس جاتا ہے تو گرد جیف اسے زبردستی گوشت کھلائے گا۔ یہ عمل اس شخص کی تمام شخصیت کو تباہ کر دیتا ہے۔ گزشتہ پچاس برس سے اس نے نہ تو گوشت کھایا ہے، نہ اسے چُھوا ہے، اور ممکن ہے کہ اس نے گوشت دیکھا بھی نہ ہو۔ اب اس کی تمام تر شخصیت بغاوت پر آمادہ ہو جائے گی، اسے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے اسے متلی آ رہی ہے۔ گوشت کھانے کا تصور ہی اس کے معدے کو اُلٹ سکتا ہے۔

میری اپنی دادی، جب وہ زندہ تھی تو ٹماٹروں کو اپنے گھر گھسنے نہیں دیتی تھی کیونکہ ٹماٹر، گوشت کے مانند دکھائی دیتے تھے۔ یہ میری دادی کا اپنا خیال تھا، ٹماٹر...... ایک معصوم سی مخلوق، لیکن ہمارے گھر میں ان کا داخلہ بند تھا۔

لہٰذا جس شخص نے ٹماٹر بھی نہ دیکھے ہوں اور اسے گوشت کھانے پر مجبور کر دیا جائے تو آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا مرشد اسے کس قدر مصیبت اور آفت میں مبتلا کر رہا ہے، وہ اپنے مرید کو قلابازیاں لگوا رہا ہے جس کے باعث اس کے تمام پرانے طور طریق منتشر ہو جائیں گے، اسے قے ہو جائے گی، وہ بیمار پڑ جائے گا، ممکن ہے کہ اسے بخار اپنی گرفت میں لے لے، ممکن ہے کہ اسے ڈراؤنے خواب دکھائی دیں...... لیکن جب اس کی پرانی عادت تبدیل ہو گی، اور وہ ایک بار پھر بچہ بن جائے گا...... اور پھر یہی لمحہ ہے جب مرشد کا کام شروع ہوتا ہے۔

اگر ایک شخص اس سے پہلے گوشت خور تھا، عادی شراب نوش تھا، تو پھر گرد جیف اسے سبزی خوری کی طرف مائل کرے گا۔ وہ اسے شراب نوشی سے قطعی منع کر دے گا۔ وہ اسے سبزی خور بنا دے گا اور اس کی شراب نوشی کی عادت ترک کروا دے گا...... وہ اسے مجبور کرے گا کہ وہ خود کو زیادہ سے زیادہ نیک اور پرہیز گار سمجھے...... ترکیب وہی ہے کہ اس کے ماضی کو دھچکا پہنچایا جائے۔ اس کی عادات میں تغیر رونما کیا جائے کہ اس کے چہرے سے نقاب اتر جائے اور حقیقت آشنائی ہو سکے۔

ایک مرشد کو چاہئے کہ ہر قیمت پر اپنے مرید کو اس کے بچپن میں واپس لے جائے کیونکہ اسی مقام سے اس مرید نے مختلف راہیں اختیار کی تھیں۔ کوئی مسلمان ہو گیا، کسی نے ہندو مذہب اختیار کر لیا اور کوئی شخص مسیحی مذہب کی اقدار میں گرفتار ہو گیا۔ اس لئے مرشد کو ہر قیمت پر اس مرید کو اس کے بچپن میں واپس لانا ہو گا تا کہ اس کی نئی زندگی، ایک نئی قسم کی حقیقت کا آغاز ہو سکے۔

صوفی بزرگ حضرت جنید بغدادی جنہوں نے عملی طور پر تصوف کی تربیت حاصل کی، نے اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے ایک ایسا عملی طریقہ اختیار کیا، جو وہ اپنے عملی نمونے کے ذریعے اپنے مریدوں کو بتانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کی مثال یوں ہے......

اپنی روزمرہ زندگی کے جس حصے کے متعلق وہ بتانا چاہ رہے ہیں، ان کی زندگی کا وہی حصہ وہ اپنے اوپر طاری کر لیں گے...... لیکن ایک اجنبی یہ کیسے اندازہ لگا سکتا ہے کہ اصل قصہ کیا ہے؟ یہ تو ایک ناٹک ہے، ایک نفسیاتی ناٹک۔ صرف وہ لوگ جو راز دار ہیں، جنہیں اصلی صورتِ حال کے

متعلق علم ہے کہ درحقیقت کیا صورتِ حال رونما ہو رہی ہے، وہی حقیقتِ حال کا مشاہدہ کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات، وہ حقیقی صورت حال سے واقف نہ ہو سکیں اور شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جائیں۔

مثال کے طور پر ایک برہنہ عورت محوِ رقص ہے۔ شراب کی صراحیاں وہاں موجود ہیں۔ شراب گلاسوں میں انڈیل انڈیل کر لوگوں کو تھمائی جا رہی ہے۔ ہر طرف عیش وعشرت کے سامان موجود ہیں۔ رقص...... موسیقی...... ایک قسم کی محفلِ نشاط برپا ہے...... اور حضرت جنید بغدادی اس محفل کے درمیان تشریف فرما ہیں جو اس محفل کے روحِ رواں ہیں۔

آپ اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھتے ہیں۔ پھر آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مرشد ایسا ہو سکتا ہے؟ یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص کہیں بھی خالی الذہن ہو کر چلا جائے۔ انسان کی سوچ کا بہاؤ ایک فطری عمل ہے، اس لئے انسان قابلِ معافی ہے، ہر شخص کے ذہن میں کوئی نہ کوئی خیال موجود ہوتا ہے۔ اگر ایک مسیحی میرے پاس آتا ہے تو یسوع مسیحؑ اس کے خیالات میں موجود ہوتے ہیں۔ وہ مجھ پر اپنی نظریں جما لیتا ہے...... کہ کیا میرا رویہ اور طرزِ عمل، یسوع مسیح کے مانند ہے یا نہیں؟ جین مت کا ایک پیروکار میرے پاس آتا ہے...... وہ مہاویر کے خیال میں کھویا ہوا ہے۔ وہ میری طرف دیکھ رہا ہے...... اسے مجھ سے یہ توقع ہے کہ میں مہاویر کے مانند رویہ اپناؤں گا۔ میں نہ تو یسوع مسیح ہوں، نہ ہی میں مہاویر ہوں اور نہ ہی گوتم بدھ...... میں تو ''میں'' ہوں۔ میری اپنی شخصیت اور وجود موجود ہے۔ میری زندگی کی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھ نہیں بلکہ میرے اپنے ہاتھ میں ہے لیکن جب لوگ میرے پاس آتے ہیں، خیالات کا ہجوم ان کے ذہنوں میں موجود ہوتا ہے، وہ خود بھی نہایت تربیت یافتہ ہوتے ہیں، وہ اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر کے مطابق صورتِ حال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کا یہ نقطہ ہائے نظر، ان کے تعصبات کے پردے میں چھپا ہوتا ہے۔ اگر میں ان کے نقطہ ہائے نظر کے مطابق عمل کرتا ہوں تو پھر وہ مجھے مرشد تسلیم کر لیتے ہیں، اور اگر میں ان کی توقعات پر پورا نہیں اُترتا، تو وہ سوچیں گے کہ مرشد تو ایسا نہیں ہوتا...... یہ مرشد تو جھوٹا ہے، انہیں کسی اور آستانے پر حاضری دینا چاہئے۔

اور ہمیشہ یاد رکھیے، جو مرشد واقعی سچا ہو، اس نے کبھی بھی کسی کی خواہش پوری نہیں کی ہے، وہ لوگوں کی خواہشات پوری کر ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ آپ کی مدد کا خواہاں ہے تو اسے آپ کو ناراض کرنا

پڑے گا، آپ کو صدمہ پہنچانا پڑے گا۔ اس کا کام ہی یہی ہے کہ وہ آپ کی شخصیت کو منتشر کر دے، آپ کی شخصیت میں تغیر برپا کر دے تاکہ آپ شعور و آگہی کی منزل کی طرف گامزن ہو جائیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت جنید بغدادی، اپنے مریدوں کے درمیان گھرے ایسے موجود تھے کہ وہاں وہ تمام قسم کا سامانِ عیش و عشرت موجود تھا جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

یہ لوگ اس محفل سے رخصت ہو گئے اور ایک ایسے نیک اور پرہیزگار ولی اللہ کے گھر پہنچے جہاں اس کے اردگرد سوائے ایک چٹائی اور جگ کے کچھ نہ تھا۔

حضرت جنید بغدادی ایک عظیم صوفی بزرگ ہیں۔ صرف ایک عام شخص ہی آپ کی خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے...... درحقیقت، ایک عام شخص ہی آپ کی خواہش کی تکمیل کرے گا...... اور وہ ایسا ظاہر کرے گا کہ وہ آپ کی توقعات کے عین مطابق ہے...... لیکن کوئی بھی سچا مرشد آپ کی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکتا، آپ اس کی شخصیت کا احاطہ نہیں کر سکتے کہ آپ کسی بھی حقیقی مرشد کو مختلف اقسام اور خانوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ ایک سچا مرشد، پارے کے مانند ہوتا ہے، آپ اسے کسی کمرے میں بند نہیں کر سکتے۔ ایک سچا مرشد، ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور آزاد ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی سچے مرشد کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنے تمام تعصبات پیچھے رکھ کر اس سے ملاقات کرنا ہوگی۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ مثبت طرزِ عمل اور رویہ کیسے اپنا سکتے ہیں؟ آپ کو تو خود اپنے متعلق بھی نہیں علم کہ آپ کیا ہیں، اور آپ بظاہر، مرشد کو جاننے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ آپ تو اپنے وجود اور شخصیت کی حقیقت سے قطعی طور پر نابلد ہیں، اور آپ کی خواہش ہے کہ آپ کو اصلی حقیقت یا پھر اصلی حقیقت کی علامت یا اظہار کے متعلق علم ہو جائے۔ آپ کی یہ خواہش اور رویہ، محض لاف زنی ہے اور نہایت خطرناک ہے اور صرف آپ ہی ہوں گے جو نقصان اٹھائیں گے۔ اگر آپ کو سچے مرشد کی تلاش ہے تو آپ کو اپنی تمام خواہشات اور توقعات سے نجات حاصل کرنا ہوگی آپ کو ہر قسم کے خیالات سے پاک ہونا ہوگا...... آپ کو اپنا ذہن خالی کرنا ہوگا...... تب کہیں جا کر کسی سچے مرشد سے آپ کی قربت کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسری رات ہی ایک نوجوان شخص نے سنیاس لے لیا۔ میں اس کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ وہ اپنے گرد و پیش سے بے خبر تھا۔ میری اس پر مسلسل نظر تھی۔ نصف گھنٹے تک میں نے اس سے جو کچھ بھی

کہا، اور اسے جو بھی نصیحت کی، اس نے قطعی طور پر نہیں سنا۔ میری نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے کان بند تھے، اس کے ذہن میں خیالات کا ہجوم تھا، اور پھر آخر کار میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو؟'' اس نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا: ''میں ایک مسیحی ہوں، میرے دو نام کس طرح ہو سکتے ہیں۔ ایک میرا مسیحی نام ہے، کیونکہ مجھے مسیحیت میں دھکیل دیا گیا تھا، اور آپ مجھے ایک دوسرا نام دے رہے ہیں...... اب اس ضمن میں مشکل پیش آئے گی۔''

وہ میری نظروں کے سامنے مسلسل موجود تھا...... اس نے ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''اگر تمہیں واقعی علم ہے کہ تم میں شعور اور آگہی پیدا ہو رہی ہے، اگر تمہیں معلوم ہے کہ تم مطمئن اور پُرسکون ہو، خوش ہو، اور ایک مسیحی کی حیثیت سے تم اپنی زندگی پر قانع ہو، تو پھر تمہیں سنیاس لینے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے، تم تو پہلے ہی سنیاسی ہو۔ اب تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ کس لئے؟ اگر تم اپنے موجودہ حالات سے مطمئن اور خوش ہو، تو میری تمام تر دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اب تم یہاں سنیاس لینے کیوں آئے ہو؟ کسی نے تمہیں مجبور نہیں کیا، تم خود اپنی مرضی سے یہاں آئے ہو۔ تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں سنیاس دلواؤں، اور اب تم میرے لئے مسئلہ پیدا کر رہے ہو۔ اگر تمہیں شعور و آگہی حاصل نہیں ہو رہی، اگر تم اپنی موجودہ حالت سے خوش نہیں ہو تو پھر تمہیں اپنا ماضی فراموش کر دینا ہوگا۔''

اب یہ نوجوان شخص، ایک خیال اپنے ذہن میں لئے ہوئے ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ مسیحی ہے۔ اگر تمہاری یسوع مسیح کے ساتھ قربت ہی نہیں ہے تو تم مسیحی کیسے ہو سکتے ہو؟ گرجا گھر میں موجود نام نہاد پادری تمہیں مسیحی نہیں بنا سکتا۔ کیا محض یسوع مسیح کے ساتھ رابطہ کرنے سے ہی تم مسیحی بن جاتے ہو۔ یہ عام پادری بھی بذات خود مسیحی نہیں ہے...... اور ایک عام شخص کے بارے کیا کہا جا سکتا ہے؟ حتیٰ کہ ویٹیکن کا پوپ بھی مسیحی نہیں ہے...... کیونکہ مسیحی ہونے سے مراد یہ نہیں کہ آپ کا کلیسا سے بھی کوئی تعلق ہو، بلکہ مسیحی ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے شعور و ادراک کے ساتھ مسیحیت قبول کریں۔

حضرت عیسیٰ ہی صرف یسوع مسیح نہیں ہیں بلکہ گوتم بدھ بھی یسوع مسیح ہے، اور اسی طرح حضرت جنید بغدادی، کبیر اور پھر گرو بابا نانک ہیں۔ یسوع مسیح کی وہی حیثیت ہے جو گوتم بدھ کی ہے...... یہ ایک ہی چیز ہے، یہ ایک ہی حالت اور حیثیت ہے۔ یہ دونوں نام، دونوں حیثیتیں اور

حالتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ جین مت کے پیروکار اسے جین...... فاتح کے نام سے پکارتے ہیں، کیونکہ وہ خواہش وارادے کے رستے کو اپناتے ہیں۔ بدھ مت کے پیروکار اسے گوتم بدھ کے نام سے پکارتے ہیں یعنی روشنی، بصیرت اور مشاہدے کی حالت۔ وہ چوتھے رستے کو اپناتے ہیں۔ یسوع مسیح کی حقیقت، وہ ابدی حیثیت ہے جب آپ میں خدائی صفات سرایت کر جاتی ہیں، جب آپ مافوق الفطرت حیثیت اختیار کر جاتے ہیں...... جب آپ انسانی حیثیت سے کہیں ماوراء اور افضل ہو جاتے ہیں۔

لیکن آپ مسیحی صرف اس صورت میں بن سکتے ہیں جب آپ یسوع مسیح کے نقشِ قدم پر چلیں، ورنہ آپ کی مسیحیت کا دعویٰ جھوٹا ہوگا اور آپ کی یہ جھوٹی مسیحیت آپ کو کسی بھی زندہ یسوع مسیح سے رابطہ قائم کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوگی۔ لیکن جب لوگ میرے پاس آتے ہیں تو ان کے ذہن مختلف خیالات سے بھرپور ہوتے ہیں۔ یہ امر قابلِ فہم ہے اور انہیں اس کے لئے معاف بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن معاف کر دینے سے یہ مراد نہیں کہ وہ اپنے ذہن کو مختلف خیالات سے بدستور آلودہ کئے رکھیں۔ آپ کو اپنے ان خیالات سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔

اور پھر اگر یہ نوجوان، مجھے اپنے اندر داخل ہونے کی اجازت دے تو وہ ابتدائی طور پر مسیحی بن سکتا ہے۔ اگر وہ مجھ میں داخل ہو جاتا ہے اور مجھے بھی اپنے اندر داخل ہونے سے نہیں روکتا تو پھر یہ نوجوان شخص مسیحیت میں داخل ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو اسے مسیحی بصیرت و شعور سے خود کو مزین کرنا ہوگا، لیکن وہ خوفزدہ ہے۔ وہ اس لئے خوفزدہ ہے کہ وہ مسیحی ہے، اور فطری طور پر وہ مجھے یسوع مسیح نہیں سمجھ سکتا اور یسوع مسیح کے متعلق اس کا اپنا ایک تصور ہے۔ لیکن اگر اسے میرا یسوع مسیح ہونے کا اس وقت یقین آئے جب میں سُولی پر لٹکایا جاؤں...... تو پھر اس وقت بہت تاخیر ہو چکی ہوگی۔ اور میں اس ناٹک کو دہرانے کے لئے تیار نہیں ہوں...... یہ تماشا دو دفعہ دکھایا جا چکا ہے...... اور اب تو اس کا تصور بھی بیزار کن محسوس ہوتا ہے۔

اور اب یہی طالب، حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جنید بغدادی کے پاس ہر وہ سامانِ تعیش موجود تھا جس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اب انہیں خلجان میں مبتلا ہو جانا چاہئے تھا، اور شدید حیران و پریشان ہو جانا چاہئے تھا کہ یہ کس قسم کے مرشد ہیں؟

دوسرے ہی دن، میتریا، ہندی زبان کا ایک رسالہ میرے لئے لائی۔ انہوں نے سرورق کی

کہانی کی حیثیت سے میرے خلاف ایک مضمون لکھا ہے اور سرورق پر عنوان یوں ہے: ''یہ کس قسم کا خدا ہے؟'' قدرتی طور پر خدا کے بارے ان کا اپنا ایک تصور ہے...... کہ خدا کس طرح کا ہوتا ہے...... میں رام نہیں ہوں...... میں کرشن نہیں ہوں، میں مہاویر نہیں ہوں...... لہٰذا، میں کس قسم کا خدا ہوں؟ اور یہ اسی قسم کے لوگ ہیں کہ جب مہاویر موجود تھا، وہ اس وقت بھی پوچھ رہے تھے...... یہ کس قسم کا خدا ہے؟...... کیوں نہ تو رام تھا اور نہ ہی وہ کرشن تھا۔ اور اس وقت وہاں یہ عقلمند لوگ جب کرشن وہاں موجود تھا، پوچھ رہے تھے، یہ کس قسم کا خدا ہے؟...... کیونکہ وہ رام نہیں تھا۔ یہ اسی قسم کے لوگ ہیں جو یہی بار بار پوچھتے ہیں۔ رام کا کوئی دوبارہ نام نہیں لیتا، کسی بھی چیز کا نام دوبارہ سامنے نہیں آتا کہ ان کی موجودگی اس قدر بے مثال اور خوبصورت ہے۔

لہٰذا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ سچائی اور حقیقت کے ساتھ آپ کا رابطہ قائم ہو جائے تو پھر آپ کو اپنے تمام خیالات اور عقائد سے دستبردار ہونا ہوگا...... کیونکہ بہرحال، ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے مخصوص خیالات اور عقائد کا حامل ہے۔

سکول کی ٹیچر نے اپنی جماعت کے بچوں سے کہا کہ وہ انجیل مقدس سے ایک مناسب آیت یاد کریں اور اسے پڑھیں اور ساتھ ہی خیراتی ڈبے میں پیسے ڈالتے جائیں۔

اگلے اتوار، ننھے لیوکس نے خیراتی ڈبے میں پیسے ڈالتے ہوئے کہا: ''لینے کی نسبت دینے کا عمل زیادہ بابرکت ہے۔''

پھر رچرڈ نے بھی خیراتی ڈبے میں پیسے ڈالتے ہوئے کہا: ''خدا اس شخص سے پیار کرتا ہے جو خوشی خوشی اس کی راہ میں دیتا ہے۔''

پھر آخر میں ننھا لائیڈ، خیراتی ڈبے میں پیسے ڈالتے ہوئے خود کو انتہائی احمق محسوس کر رہا تھا اور وہ بڑبڑا رہا تھا: ''ایک بے وقوف اور اس کی دولت، جلد ہی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔''

ان تینوں بچوں نے ایک ہی انجیل کا مطالعہ کیا تھا لیکن ان تینوں کو الگ الگ حوالے ملے تھے۔ لہٰذا جب آپ کسی بھی چیز کا جائزہ لیتے ہیں، آپ اپنے خیال کے مطابق اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں اور اپنا عقیدہ متعین کرتے ہیں۔

پادری ڈفی اور ربی مچنک، بلدیہ کے دفتر میں بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔

پادری ڈفی کہنے لگا: ''کیا میں ایک سوال پوچھ سکتا ہوں؟''

ربی مجنک نے کہا: ''کیوں نہیں، ضرور پوچھئے!''

میرا تو ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ حواری یہودی تھے۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟

ربی مجنک نے کہا: ''بالکل درست!''

''پھر شیطان نے کیوں یہودیوں کو کیتھولک مذہب سے دور ہونے دیا، اور اطالیوں کو کیتھولک مذہب اپنانے کا موقع دیا؟''

اب یہ ایک متعلقہ سوال ہے۔ یہودیوں نے اس منافع بخش کاروبار کو ہاتھ سے کیوں جانے دیا؟ دنیا بھر میں سب سے منافع بخش کاروبار، کیتھولک مسیحیت ہے۔ یہ سوال نہایت متعلقہ ہے...... یہودیوں نے اسے ہاتھ سے کیوں جانے دیا؟ انہوں نے یہ موقع کیسے ضائع کیا...... یہ تو یہودیوں کا وطیرہ نہیں ہے۔

ہمارے ذہن میں خیالات مسلسل ابھرتے رہتے ہیں۔

طلبہ کی ایک چھوٹی سی جماعت میں ٹیچر نے پوچھا: ''دنیا کا سب سے عظیم شخص کون ہے؟''

ایک بچے نے کہا: ''ابراہم لنکن۔''

ایک اور بچے نے کہا: ''مہاتما گاندھی۔''

ایک اور بچے نے کہا: ''واشنگٹن۔''

پھر ایک اور بچے نے کہا: ''کارل مارکس۔''

وغیرہ وغیرہ۔

پھر ایک ننھا یہودی بچہ اٹھا اور کہنے لگا: ''یسوع مسیح!''

ٹیچر نہایت حیران ہوئی اور کہنے لگی: ''کیا تم یہودی نہیں ہو...... یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟''

ننھے بچے نے جواب دیا: ''دل کی گہرائیوں سے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ، دنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں...... لیکن کاروبار...... کاروبار ہے!''

جب بھی آپ کسی چیز کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، اس کی تشریح کرتے ہیں، یاد رکھئے، آپ اس ضمن میں منطقی اور استدلالی انداز نہیں اپناتے، بلکہ اپنے خیالات اور مرضی کے مطابق اس کا تجزیہ و تشریح کرتے ہیں۔

اور اب یہ طالبان، حضرت جنید بغدادی کے ارد گرد موجود سامانِ تعیش کو دیکھ کر نہایت

حیران و پریشان ہوئے۔ یہ لوگ لازمی طور پر ان اشیاء کی طرف متوجہ ہوئے ہوں گے، ان لوگوں کے دل میں ان چیزوں کے حصول کی خواہش لازمی طور پر پیدا ہوئی ہوگی، لازمی طور پر یہ تمام افراد مادہ پرست ہوں گے۔ حضرت جنید بغدادی کو اس سامانِ تعیش میں گھرے دیکھ کر لازمی طور پر حسد کی لہر ان پر غالب آ گئی ہوگی جو انہیں بظاہر محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اور جب لوگ کسی چیز کے حصول کے لئے مکمل طور پر ملوث ہو جاتے ہیں، تو وہ مذہبی طور پر سمجھتے ہیں کہ جو لوگ مادہ پرستی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، وہ مذہبی نہیں ہوتے۔ وہ مذہبی کس طرح ہو سکتے ہیں؟ وہ تو مادی اشیاء کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ مذہبی ہوتے ہیں، انہیں ہر قسم کی مادی اشیاء سے لازمی طور پر دور رہنا چاہئے۔ اگر آپ دولت کے پجاری ہیں، تو پھر آپ یہ سمجھیں گے خدا تعالیٰ کے ایک سچے پیروکار کو دولت کی ہوس نہیں ہوگی۔

اس امر کے متعلق آپ کو سمجھ لینا چاہئے۔ آپ ہمیشہ اپنے مخالف کو بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ آپ اپنی ذات کی مکمل طور پر تحقیر کرتے ہیں۔ آپ کو علم ہے کہ آپ دولت کے دیوانے ہیں، لہٰذا، آپ کے ذہن میں فوراً یہ خیال آتا ہے: ''لہٰذا، وہ تو بالکل میرے جیسا ہے، اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے، وہ عین میری طرح ہے۔'' اگر آپ شہوت سے بہت زیادہ مغلوب ہیں اور آپ کا ذہن مسلسل شہوت کی سحر انگیزی میں گم ہے، اور آپ حضرت جنید بغدادی کو ایک خوبصورت عورت کے ساتھ دیکھتے ہیں تو آپ کا ذہن فوری طور پر حضرت جنید بغدادی کے بارے تحقیر آمیز خیالات سے بھر جاتا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی بالکل آپ جیسے ہیں۔ آپ یہی کچھ دیکھنا پسند کرتے...... تو آپ اس شخص کو مرشد کیسے مان سکتے ہیں؟

لوگ تو ہمیشہ اپنے مخالف کی تلاش میں ہوتے ہیں اور لوگ صرف اپنے مخالف کی عزت و احترام کرتے ہیں۔ ان کے اس رجحان اور میلان کو سمجھنا چاہئے۔ لوگوں کو اپنے مخالف سے کشش محسوس ہوتی ہے لیکن یہ مخالف آپ کو تبدیل نہیں کر سکتا کیونکہ مخالف کی کشش تو ایک فطری عمل ہے۔ مرد، عورت کی طرف کھنچتا ہے، عورت کو مرد کی کشش محسوس ہوتی ہے۔ غریب شخص، دولت مند شخص کی طرف کھنچتا ہے، اور آپ حیران ہوں گے کہ دولت مند شخص کو غریب آدمی کی کشش محسوس ہوتی ہے۔ دولت مند لوگ ہمیشہ یہی سمجھتے ہیں کہ غریب لوگ بے شمار نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں...... انہیں پُرسکون نیند آتی ہے...... انہیں بھوک بھی بہت اچھی طرح لگتی ہے۔ دولت مند

ہمیشہ یہی سوچتے ہیں کہ قدرتی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہے...... جھونپڑیوں اور چھوٹے چھوٹے مکانوں میں رہائش نہایت طمانیت بخش ہے۔ دولت مند لوگوں کے ذہن میں ہمیشہ یہی خیال موجود ہوتا ہے کہ دور افتادہ گاؤں میں ہر طرف خوشی و مسرت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے بڑے شہروں میں خوشی و مسرت کہاں، رہتے تو وہ بڑے بڑے شہروں میں ہیں لیکن وہ دیہاتی زندگی کو ترستے ہیں اور ان کے دل میں دیہاتی زندگی اختیار کرنے کی حسرت ہر وقت موجود ہوتی ہے۔

اور پھر کسی دیہاتی سے پوچھئے: اس کے دل میں بمبئی، نیویارک، لندن، میں زندگی بسر کرنے کی تمنا اور آرزو چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔ وہ اسی حسرت میں مبتلا رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح کسی بڑے شہر میں پہنچ جائے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سر بفلک عمارتوں میں زندگی بسر کرے۔ وہ ان تمام چیزوں کی خواہش اور حسرت میں مبتلا ہوتا ہے جو دولت مند لوگوں کے پاس موجود ہوتی ہیں۔

یاد رکھیں، دولت مند لوگ، غریب لوگوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں، اس لئے جب بھی وہ کسی غریب شخص کو دیکھتے ہیں جو روشنی، سچائی اور بصیرت سے منور ہوتا ہے، وہ اپنا سر تسلیم اس کے آگے خم کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "یہی تو سچا راستہ ہے۔" اگر وہ کسی دولت مند شخص کو روشنی، سچائی اور بصیرت سے منور دیکھتے ہیں، تو انہیں یقین نہیں آتا، ان کی سوچ، ان کے لئے رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔

لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ روشنی، سچائی اور بصیرت سے منور شخص، ہر قسم کی حدود و قیود سے آزاد ہوتا ہے۔ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی غربت میں زندگی بسر کرنے سے اس کے مریدوں کا بھلا ہوتا ہے تو وہ غربت کی زندگی اختیار کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ امارت کی زندگی، اس کے مریدوں کے لئے مفید ہے تو وہ پھر امارت کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اس کی تمام زندگی، دوسروں کے لئے مثال ہوتی ہے، وہ اپنی زندگی کے ذریعے اپنے مریدوں کو عملی نمونہ مہیا کرتا ہے۔ یہ انداز وہ خود اختیار کرتا ہے، یہ صورت حال وہ خود تخلیق کرتا ہے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ وہ کیسی زندگی بسر کرتا ہے، اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنی زندگی میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی رونما کر سکتا ہے۔ وہ مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہے۔

انہوں نے یہی سمجھا کہ یہ شخص سچے راستے پر نہیں ہے، اس لئے وہ حضرت جنید بغدادی کے آستانے سے واپس لوٹ گئے، انہوں نے ایک عظیم موقع ضائع کر دیا۔
یہ لوگ حضرت جنید بغدادی کی محفل سے اٹھے اور ایک ایسے نیک اور پرہیزگار شخص کے گھر پہنچے جس کی محفل اس قدر سادہ تھی کہ اس شخص کے پاس ایک چٹائی اور ایک جگ کے سوا کچھ نہ تھا۔
اب تو وہ یقین سے کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص سچے راستے پر ہے۔ یہ سب دنیاوی لوگ تھے۔
حضرت جنید بغدادی کو دنیاوی تعیشات میں گھرے دیکھ کر انہوں نے یہی سمجھا کہ وہ بھی ان لوگوں کے مانند ہیں۔

اپنے مذہبی افراد کے اندر جھانکئے اور دیکھئے کہ ان کے نزدیک کون قابلِ احترام ہے......
آپ حیران ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر، ہندوستان میں جین مت کے پیرو، امیر ترین افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے یہودی ہیں۔ انہیں تمام قسم کی تعیشات میسر ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی قوم ہیں لیکن وہ ہندوستان میں موجود دولت کے ایک بہت بڑے حصے کے مالک ہیں۔
ان کے مذہبی پیشواؤں کو دیکھئے، وہ برہنہ ہوتے ہیں، ان کے پاس کوئی چیز بھی موجود نہیں ہوتی۔
یہ نہایت عجیب و غریب بات ہے۔ اس مذہب کے لوگ، بہت دولت مند ہوتے ہیں اور اس شخص کو نیک اور پرہیزگار سمجھتے ہیں جو مکمل طور پر برہنہ ہوتا ہے، جس کے پاس کوئی چیز بھی موجود نہیں ہوتی۔ لیکن یہ منطق کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے، انہیں وہ شخص پسند آتا ہے جو ان جیسا نہ ہو۔
دولت مند لوگ، صرف غریب لوگوں کو ہی قابلِ احترام سمجھتے ہیں، ان کے آگے ہی اپنا سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ وہ خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن سچے راستے پر اسے سمجھتے ہیں جو نیک اور پرہیزگار ہو۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ جین مت کے پیرو، آپ کے مرید بن جائیں تو پھر آپ کو خود اذیتی کی راہ اختیار کرنا ہوگی۔ آپ کو خود کو اذیت میں مبتلا کرنا ہوگا۔ آپ جس قدر کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں گے، آپ اسی قدر عزت و احترام کے مستحق ٹھہریں گے۔ آپ کو آہستہ آہستہ خودکشی کرنا ہوگی۔ آپ جس قدر مُردہ دکھائی دیں گے، لوگ اس قدر زیادہ آپ کی طرف متوجہ ہوں گے۔

اور یہ تو نہایت عجیب و غریب صورت حال ہے، یہ لوگ امیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں، عیش و عشرت ان کا وطیرہ ہے، لیکن غریب افراد ان کے منظورِ نظر ہوتے ہیں، انہیں ہمیشہ ان لوگوں

میں کشش محسوس ہوتی ہے جوان جیسے نہیں ہوتے۔

ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے۔اس ملک میں مسلمان غربت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب ان کا کوئی مذہبی تہوار آتا ہے، وہ نئے کپڑے خریدیں گے، نئی خوشبوئیں حاصل کریں گے۔ وہ اپنے لئے اچھے کھانے تیار کریں گے اور اپنے عزیزوں دوستوں کو مدعو کریں گے۔ جب مسلمانوں کا مذہبی تہوار کا موقع ہوتا ہے تو پھر وہ نئے کپڑے پہنیں گے کیونکہ یہی ایک موقع ہوتا ہے جب وہ نئے کپڑے خریدتے ہیں یا نئے کپڑے خرید سکتے ہیں اور پھر تمام سال، وہ یہی کپڑے استعمال کریں گے۔اور وہ لذیذ میٹھے پکوان اور خوش ذائقہ کھانے تیار کریں گے، اپنے عزیزوں اور دوستوں کو اپنے ہاں مدعو کریں گے، اور ان کے یہ دن، عظیم مسرتوں اور خوشیوں کے دن ہوں گے۔ وہ اپنے پاس موجود جمع پونجی خرچ کردیں گے۔ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ہی رقم خرچ کے متحمل ہو سکتے ہیں۔

اور اب جین مت کے پیروکار، جو ہندوستان کی امیر ترین قوم ہے، جب ان کے مذہبی تہوار آتے ہیں، وہ فاقہ کرتے ہیں، وہ قطعی کچھ نہیں کھاتے۔تمام سال وہ بہت زیادہ خوراک استعمال کرتے ہیں۔اور صرف یہی قوم ہے جو قدرتی طریقہ علاج میں دلچسپی لیتی ہے، اور جب ان کے مذہبی تہوار آتے ہیں، وہ کچھ نہیں کھاتے، وہ فاقہ کرتے ہیں۔اپنے مذہبی تہواروں پر وہ پرہیزگاری اور تقویٰ پر مشتمل زندگی بسر کرتے ہیں۔ان مواقع پر وہ روزمرہ کے استعمال کے کپڑے نہیں پہنیں گے، وہ صرف سفید لباس استعمال کریں گے، وہ نیک اور پرہیزگار نظر آئیں گے۔ وہ اپنے اس سادہ لباس میں اپنی عبادت گاہوں کو جائیں گے۔ان کا یہ معمول صرف دس دن تک محدود ہے، سال کے بقیہ دن وہ قطعی مختلف قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہ صورت حال، کس امر کی غماز ہے؟ متضاد اور مخالف صورت حال باعثِ کشش ہے۔ ہمیشہ یاد رکھئے! محض اس وجہ سے کہ کوئی چیز آپ کے مخالف اور اُلٹ ہے، درست اور صحیح نہیں ہو سکتی۔ کوئی چیز آپ کے مخالف اور متضاد تو ہو سکتی ہے، لیکن تمام افراد کے لئے یہ مخالف اور اُلٹ نہیں ہو سکتی۔ یا وہ شخص جو آپ کے متضاد ہے، ممکن ہے کہ آپ کی طرف سے عزت واحترام حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔لوگوں کے مخالف اور متضاد ہونے کے ذریعے، ان کی طرف سے عزت واحترام کا حصول نہایت ہی آسان ہے۔

اور لوگ، ان افراد کی بے حد عزت کرتے ہیں جو خود کو اذیت دے لیتے ہیں لیکن دوسروں کے لئے اذیت کا باعث نہیں بنتے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان افراد کا یہ طرزِ عمل، بہت ہی عظیم کردار کا حامل ہے، ان کی یہ قربانی عظیم الشان ہے۔ بہرحال، ان افراد کا یہ رویہ دماغی خلل کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس قسم کے لوگ ذہنی مریض ہوتے ہیں۔انہیں نفسیاتی علاج کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ خوشی و مسرت، تندرستی، بھوک، کھانا پینا، ایک فطری اور قدرتی عمل ہے۔ آرام وآسائش کی زندگی کی گزر بسر، ایک فطری اور قدرتی عمل ہے اور بے چینی و بے آرامی کی تخلیق، ایک غیر فطری اور غیر قدرتی عمل ہے۔ کم سے کم مشکل اور بے چینی پر مشتمل طرزِ زندگی کی تلاش، انسان کی متوازن ذہنی حالت کی عکاس ہے۔ ایک شخص، جو اپنے لئے اذیت اور مشکل کی تلاش میں رہتا ہے، قدرے دماغی خلل میں مبتلا ہے۔

لہٰذا، ان لوگوں نے حضرت جنید بغدادی کی محفل کو چھوڑا اور ایک بہت ہی نیک اور پرہیزگار شخص کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اس کے گردوپیش میں محض ایک چٹائی اور جگ کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ ماحول انہیں بے حد پسند آیا۔

ان طالبان کے ترجمان نے کہا: ''آپ کے سادہ انداز واطوار اور پاکیزہ ماحول، حضرت جنید بغدادی کے عیش وعشرت پر مبنی ماحول سے کہیں زیادہ ہمیں پسند ہے، جنہوں نے سچائی کے راستے سے منہ موڑ لیا ہے۔''

......یہ لوگ تو اس طرح کہہ رہے تھے کہ جیسے انہیں علم ہو کہ سچائی کا راستہ کون سا ہے، جیسے انہیں یہ علم ہو کہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے مریدوں کے درمیان کون سی ماورایت موجود ہے، جیسے انہیں معلوم ہے کہ یہ ایک نفسیاتی ڈرامہ ہے، لیکن یہ لوگ قطعی لاعلم تھے، ایک تماشائی کی حیثیت سے انہیں کچھ معلوم نہ تھا۔ انہوں نے محض ظاہری طور پر اس تمام صورت حال کے متعلق اندازہ لگایا۔

اور جب آپ اندرونی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں، گہرائی میں اترتے ہیں، تو پھر آپ کا نقطہ نظر اور موقف پہلے سے مکمل طور پر مختلف ہوگا، پھر آپ کو حقیقت آشنائی ہوگی، پھر آپ کو علم ہوگا کہ اصل حقیقت کیا ہے، اس لئے کسی بھی صورت حال کا ظاہری طور پر جائزہ مت لیجئے۔

ایسی صورت حال روزانہ کا معمول ہے۔لوگ صورت حال کا مشاہدہ کرنے کے لئے آتے

ہیں، وہ آپ کو رقص وسرود میں مصروف دیکھتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں: ''یہ سب کیا ہے؟ رقص ونغمہ؟ رقص وسرود کا مذہب کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ ان کا تو مخصوص نظریہ یہ ہے کہ مذہب سے مراد یہ ہے کہ آپ یوگا کے انداز میں درخت کے نیچے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ اگر لوگ آپ کو اس حالت میں دیکھیں کہ آپ یوگا کے انداز میں درخت کے نیچے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں، تو پھر ہم جوق در جوق آئیں گے۔ تمام ملک ہی بھاگم بھاگ یہیں آئے گا، جس طرح اکثر نیک اور پرہیزگار لوگوں کا وطیرہ ہے!

لیکن میں انہیں منع کرتا ہوں...... میرے اپنے طریقے ہیں...... سادہ طریقے!! اگر وہ مرد وعورت کو بانہوں میں بانہیں ڈالے دیکھتے ہیں، وہ یہاں سے چلے جاتے ہیں کہ یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ ہمیشہ سے وہ یہی کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن کر نہیں سکے ہیں...... وہ حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں...... ''یہ کوئی مذہبی جگہ ہو نہیں سکتی...... یہ لوگ تو اس دنیا میں محض دنیاوی زندگی بسر کر رہے ہیں...... قہقہے، رقص، نغمے، پیار، محبت، عشق۔'' یہ سب کچھ تو مذہب میں شامل نہیں ہے۔

لیکن انہیں معلوم نہیں کہ یہاں کس قسم کا تبدیلی کا عمل جاری ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ یوگا انداز میں درخت کے نیچے آنکھیں بند کرکے بیٹھا ہوا شخص، قاتل ہو۔

ایک دفعہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص نے کسی کو قتل کر دیا اور فرار ہو گیا۔ پولیس اس کے تعاقب میں تھی اور اس کے نزدیک سے نزدیک تر پہنچ رہی تھی۔ بھاگتے بھاگتے، وہ قاتل ایک ایسے دریا کے پاس پہنچا جس میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ وہ پریشان ہو گیا کیونکہ اسے تیرنا نہیں آتا تھا اور دریا میں کود جانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ جب اس نے اپنے گردوپیش میں دیکھا تو اسے ایک نیک اور پرہیزگار شخص نظر آیا جو ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر راکھ ملی ہوئی تھی۔ لہٰذا، اس نے اپنے کپڑے اتار کر دریا میں پھینکے، برہنہ ہو گیا، راکھ اپنے بدن پر ملی اور درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ جب پولیس یہاں پہنچی تو اسے درخت کے نیچے دو بہت ہی نیک بزرگ بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ پولیس نے ان دونوں کے پاؤں چھوئے۔ ہندوستان میں جیسا رواج تھا، اسی رواج کے مطابق پولیس نے دونوں بزرگوں کے پاؤں چھوئے۔ وہ قاتل دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ یہ ایک معجزہ تھا جو اس کے سامنے رونما ہوا۔ چند منٹ پہلے تک پولیس اس کے تعاقب میں تھی۔ اگر وہ پکڑا جاتا تو اسے سزائے موت دے دی جاتی۔ مگر اب پولیس اس کی مرید

بن چکی تھی۔ اب وہ اس کی آشیرباد حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس آ رہی تھی تاکہ وہ اس کی محفل میں بیٹھیں۔ اور ہندوستان میں ہر احمق اور بےوقوف شخص نے روحانیت کا نام سُنا ہوا ہے، اس لئے اس شخص نے بھی روحانیت بارے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ پھر رفتہ رفتہ بڑے بڑے افسر بھی اس کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، اور پھر آخر میں بادشاہ بھی اس کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا اور اس کے قدم چھوئے تو اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔

لیکن ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے، آپ صرف ظاہری طور پر دیکھتے ہیں، آپ کو صرف بیرونی حالت نظر آتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب لوگ محوِ رقص ہوں تو وہ اندر سے بالکل خاموش ہوں۔ موسیقی کی تانیں باہر سنائی دے رہی ہیں، شوروغل باہر برپا ہے، ان کے بدن حرکت میں ہیں، ان کی حرکت تیز تر ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے اندر گہرائی میں ایسا گوشہ ہو جو قطعی طور پر ساکت ہو۔ دراصل اس بےحس وحرکت گوشے کے حصول کے لئے، بیرونی حرکات بہترین محرک اور پس منظر ہیں۔ جب آپ کے اردگرد ہر چیز متحرک ہو پہیہ تیزی سے حرکت کرتا ہے، اور اس پہیے کے مرکزے کے مانند، کوئی چیز بھی متحرک نہیں ہوتی۔

ممکن ہے کہ آپ کو ایک شخص خاموش بیٹھا آنکھیں بند کئے ہوئے نظر آئے، اور وہ عورتوں کے حسین تصورات میں کھویا ہوا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تصور ہی تصور میں یہ شخص اپنی بیوی کا ہاتھ تھامے ہو اور انہی لمحات میں اس کا ذہن شہوت سے بالکل پاک ہو۔ لیکن یہ تو انسان کی اندرونی کیفیت ہے۔ دراصل جب میں حقیقت کے طور پر دیکھتا ہوں کہ میں اپنی محبوبہ کے ساتھ ہوں، اور اپنے کسی محبوب کی رفاقت ومعیت، شہوت سے نجات کا بہترین طریقہ ہے۔ اگر آپ کسی شخص سے پیار وچاہت کا اظہار کرتے ہیں، تو پھر شہوت آپ کے قریب نہیں پھٹکتی۔ جب آپ پیار، محبت اور چاہت کی توانائی سے مغلوب ہو جاتے ہیں، تو پھر جلد یا بدیر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ شہوت کا وجود اور احساس باقی نہیں رہتا۔ اگر آپ شہوت میں گرفتار ہونے کے خواہاں ہیں تو پھر شہوت کے لئے سرگرداں ہو جایئے، اور آپ شہوت سے مغلوب ہو جائیں گے، اور پھر آپ کا ذہن شہوت کے احساس اور تصور میں غرق ہو جائے گا۔

آپ اس ضمن میں ایک چھوٹا سا تجربہ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ پیٹ بھر کر کھا لیتے ہیں، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ بےتحاشا کھا لیتے ہیں۔ بلکہ آپ کھانے کی مناسب مقدار کھا لیتے ہیں جس

کے متعلق گوتم بدھ نے کہا ہے، درست اور صحیح مقدارِ خوراک...... جو بھی بدن کی ضرورت ہو تو آپ خوراک کے متعلق بھول سکتے ہیں۔ اگر آپ ایک دن کھانا نہیں کھاتے، تو پھر تمام دن کھانے کے خیال اور تصور ہی میں گم اور مستغرق رہیں گے۔ کسی چیز کے متعلق تصور اور خیالات اس کی عدم موجودگی کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے نام نہاد بزرگ، محض اس کے الٹ ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے یہ بزرگ بھی دل ہی دل میں دنیاوی چیزوں کے خیالات میں گم ہو، ان کے اندر اپنے آپ سے جنگ جاری ہو۔

میں تو ایک قطعی مختلف قسم کی صورتِ حال تخلیق کر رہا ہوں...... جہاں آپ قدرتی اور فطری انداز میں تمام امور انجام دے سکیں جو آپ کا ذہن دیکھنا اور محسوس کرنا چاہتا ہے، پھر آپ ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔

اس وقت بھی یہی صورتِ حال تھی...... مگر انہوں نے موقع ضائع کر دیا۔ یہی کچھ وہاں رونما ہو رہا تھا۔ حضرت جنید بغدادی اپنے مریدوں کے ساتھ عیش و عشرت کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے، اور انہوں نے ایک ایسی صورت حال تخلیق کر رکھی تھی جہاں وہ بہت ہی پُرسکون اور خاموش ہو سکتے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا "آپ کے یہ سادہ انداز و اطوار اور پاکیزہ ماحول، ہمیں حضرت جنید بغدادی کے پُرتعیش ماحول سے بہت زیادہ پسند آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سچائی کے راستے سے منہ موڑ لیا ہے۔

اس نیک بزرگ نے ایک گہری آہ بھری اور رونا شروع کر دیا۔

اس بزرگ کو اپنی اندرونی حالت کے متعلق بہتر علم تھا۔ اسے تو لازمی طور پر ایک سنجیدہ اور پُرخلوص شخص ہونا چاہئے تھا، بصورت دیگر آپ کے لئے بہت مشکل ہوتی جب آپ کے اپنے دل میں عزت و احترام محسوس کرنے والے لوگ آپ سے کہتے "نہیں، آپ تو غلط راستے پر ہیں۔" اسے تو ایک سنجیدہ اور پُرخلوص شخص ہونا چاہئے تھا۔

اس بزرگ نے کہا: "میرے عزیز دوستو! میں ان بیرونی حالات سے بہت کم متاثر ہوتا ہوں جو ہر شخص کو پیش آتے ہیں اور اسے گھیرے میں لئے ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھ لو اور اپنے لئے بدقسمتی تلاش کرنے کی کوشش نہ کرو۔ عظیم بزرگ حضرت جنید بغدادی اس وقت تعیشات میں گھرے بیٹھے ہیں کیونکہ یہ تعیشات کے اثرات ان پر ثبت نہیں ہوتے اور میں سادگی میں گھرا بیٹھا

ہوں کیونکہ سادگی مجھ پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتی۔"

اس بزرگ کی یہ باتیں نہایت ہی پُرحکمت تھیں، بامقصد تھیں، انتہائی اہمیت کی حامل تھیں...... "اس حقیقت کو جان لو۔ کبھی بھی ظاہری حالات اور علامات سے متاثر نہ ہو ورنہ تم تمام عمر بدقسمتی کا شکار رہو گے۔ تم کبھی بھی اصل اور درست شخص تک نہیں پہنچ سکو گے کیونکہ ایک سچا اور نیک شخص آپ کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکتا۔ اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ آپ کی خواہشات کی تکمیل کرے۔ ایک جھوٹا اور جعلی شخص آپ کی توقعات پورا کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے گا اور آپ اس جھوٹ اور مصنوعی پن کے جال میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اور پھر بدقسمتی کبھی بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

اس بزرگ نے کہا: "اس حقیقت کو جان لو اور بدقسمتی سے پیچھا چھڑا لو۔ تمہیں اس بات کا بھی علم ہونا چاہئے کہ ظاہری حالت، اندرونی حالت کی آئینہ دار نہیں ہے۔" اگر آپ اندرونی کیفیت سے باخبر ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو فوراً گہرائی میں جھانکنا ہوگا۔ آپ بیرونی علامات کے ذریعے اندرونی حالت سے واقف نہیں ہو سکیں گے۔

عظیم بزرگ حضرت جنید بغدادی اس وقت تعیشات میں گھرے بیٹھے تھے کیونکہ یہ عالم تعیشات ان پر چنداں اثر انداز نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت جنید بغدادی کے اردگرد محفلِ تعیش برپا ہو سکتی تھی کیونکہ انہیں اس چیز کی مطلق پروا نہیں تھی۔ کوئی ایسا طریقہ اور راستہ نہیں تھا کہ یہ محفلِ تعیش ان کی اندرونی کیفیت پر اثر کر سکتی۔ وہ تو پہاڑی پر بیٹھ کر دنیا کا مشاہدہ کرنے والے تھے۔ وہ وہاں تھے بھی اور نہیں بھی تھے۔ وہ تعیشات میں گھرے ضرور ہوئے تھے لیکن یہ عالمِ تعیش ان پر بے اثر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ وہاں موجود تھے۔

وہ بزرگ کہہ رہے تھے: "جہاں تک میرا تعلق ہے، میں نے سادگی اس لئے اپنائی ہے کیونکہ میں عالمِ تعیش سے خوفزدہ ہوں۔ مجھ میں ابھی بھی کمزوریاں ہیں، خواہشات ابھی بھی مجھ پر مسلط ہیں۔ میں نے سادگی کا محض نقاب اوڑھا ہوا ہے۔ حضرت جنید بغدادی، حقیقتاً سادگی کے پیکر ہیں۔ وہ محفل تعیش میں بیٹھنا برداشت کر سکتے ہیں کیونکہ درحقیقت وہ سادگی پسند ہیں۔ انہیں علم ہے کہ ان کی سادگی کو کوئی بھی چیز آلودہ نہیں کر سکتی۔ وہ دنیاوی اشیاء سے اس قدر لاپروا ہیں کہ یہ ان کے لئے بے مایہ ہیں۔ دنیاوی اور مادی معاملات ان کی نظر میں بے حقیقت ہیں۔ وہ

بازار کے بیچ موجود ہوکر اپنے آپ میں مگن اور مستغرق ہو سکتے ہیں۔ میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ عالمِ تعیش مجھ پر مسلط ہو جاتا ہے، اس کے برعکس، سادگی مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اگر میرے ہر طرف سادگی موجود ہے لیکن یہ مجھ میں جذب نہیں ہوتی، کوئی راستہ نہیں ہے کہ سادگی مجھ میں داخل ہو سکے۔

انسان کو ہمیشہ ایک مستند حیثیت کا مالک اور ایماندار ہونا چاہئے۔ بلاشبہ، انسان ابھی تک غلط سمت میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے، لیکن اس کے خلوص نیت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ بے شک وہ غلط سمت میں جا رہا ہے لیکن وہ اپنے عمل میں سنجیدہ ہے۔ جب یہ خلوصِ نیت اور سنجیدگی کے ساتھ غلط راستے پر بھی چلتے ہیں تو جلد یا بدیر آپ درست راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔

اس قصے سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا لیکن ایک بات تو یقینی ہے۔ یہ شخص حضرت جنید بغدادی کو سمجھ جاتا ہے، وہ حضرت جنید بغدادی سے کتنی دیر تک دور رہ سکتا ہے؟ اسے مرشد کے پاس لازماً جانا ہوگا...... وہ ان کے مسلکے کو بخوبی سمجھتا ہے...... وہ کتنی دیر تک سادگی کا بھیس بدلے رکھ سکتا ہے؟ ایک نہ ایک دن اسے اس عالم سے باہر آنا ہوگا اور درست راستہ تلاش کرنا ہوگا۔ یہی چوتھا راستہ اور طریقہ ہے۔

چوتھے راستے سے مراد یہ ہے کہ حالات اور واقعات، شعور پر اثر انداز نہیں ہوتے اور نہ ہی شعور، واقعات و حالات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ دنیا یہاں موجود ہے، میں بھی یہاں موجود ہے، کوئی پل نہیں ہے، کوئی مقام اتصال موجود نہیں ہے۔ یہ صوفیانہ مسلک کا راستہ ہے۔ زین مت کا راستہ، جو تمام سچے مذاہب کا راستہ ہے۔

☆☆☆

چوتھا باب

عقائد

پہلا سوال:

میں ہمیشہ عجلت میں ہوتا ہوں اور ہمیشہ اس فکر میں مبتلا رہتا ہوں کہ میں اپنی منزل پر پہنچ سکوں گا یا نہیں۔

درحقیقت، نہ تو کسی منزل (مقصد) کا وجود ہے اور نہ ہی کوئی شخص وہاں پہنچ سکتا ہے۔ منزل (مقصد) کا تمام تر تصور ہی ایک دھوکا اور فریب ہے۔ پھر آپ مستقبل میں سفر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ وقت، حال کا ہوتا ہے اور جگہ بھی یہی ہے۔ پھر آپ وہاں، قدرے فاصلے پر رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اب اور یہاں کی نسبت، تب اور وہاں، زیادہ اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ مصائب اور تکالیف میں مبتلا ہونے کا یہی تو فن ہے جو غصے، ناراضگی، بے چینی و پریشانی کی تمام تر بنیاد ہے۔ یہ آپ کو آپ کی موجودہ حقیقت سے الگ کر دیتی ہے۔ آپ کی منزل (مقصد) کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے اور ''لمحہ'' کم اہمیت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ''لمحہ'' ایک حقیقت ہے اور منزل (مقصد) محض ایک خواب اور تصور ہے۔ جب آپ ایک خواب یا تصور میں مگن رہیں گے، آپ نقصان اٹھائیں گے کیونکہ خواب اور تصور، حقیقت میں تبدیل نہیں ہو سکتا، خواب اور تصور، محض خیال ہی رہتا ہے اور اسے حقیقت کا روپ کبھی بھی نہیں دیا جا سکے گا، اور آپ خواب اور تصور کے تعاقب میں اپنی قیمتی زندگی ضائع کر دیں گے۔

میں کسی بھی منزل/مقصد کے خلاف ہوں۔ ذاتِ خداوندی، ہماری منزل (مقصد) نہیں ہے کیونکہ خدا تو ازل سے موجود ہے، اسی طرح سچائی بھی ہماری منزل و مقصد نہیں ہے کیونکہ سچائی تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ اگر آپ اس دنیا میں موجود ہیں تو پھر ''وصال یار'' کا کوئی امکان نہیں

ہے۔لیکن آپ یہاں موجود نہیں ہیں، خدا آپ کا یہاں منتظر ہے اور آپ اسے یہاں کبھی بھی نہیں ملتے...... آپ کہیں اور جگہ موجود ہیں...... کسی اور سیارے پر موجود ہیں۔ سوال یہ نہیں ہے کہ آپ خدا کے پاس جائیں بلکہ سوال تو آپ کے خدا کے پاس آنے کا ہے۔ خدا آپ کا یہاں منتظر ہے۔

اور جب آپ یہ حقیقت سمجھ جاتے ہیں...... تو پھر ہر شخص اس حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے کیونکہ صدیوں سے انسان کو ایک ہی بات بتائی اور سکھائی جاتی رہی ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ بن جانا چاہئے، کوئی بھی حیثیت اپنا لینا چاہئے۔ اسے اپنے آپ میں بہتری لانا چاہئے، اسے ترقی کرنا چاہئے۔ یہ خیال آپ کی ہڈیوں اور ہڈیوں کے گودے میں رچ بس چکا ہے، اور اس مقصد کے لئے آپ کی کوشش آپ کو پاگل اور دیوانہ بنا دیتی ہے، یہ کبھی آپ کو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی، یہ آپ کو آرام وسکون نہیں لینے دیتی۔ اس ذہنی کیفیت کے ساتھ آپ کے لئے اطمینان وسکون کا حصول ممکن نہیں ہے۔ لیکن آپ کو تو صرف یہی بتایا اور سکھایا گیا ہے کہ دھکم پیل کرو، دوڑو، بھاگو، جلدی کرو، وقت بہت کم ہے، اور وقت، دولت ہے۔ آپ کا کیا منصوبہ ہے، آپ کیا کرنا چاہتے ہیں، کچھ نہ کچھ بن جاؤ، اور کچھ نہ کچھ بننے کے لئے آپ کی یہاں موجودگی ضروری ہے۔ کسی نہ کسی حیثیت کی اپنائیت ایک زہریلا خیال ہے، اگر آپ کوئی نہ کوئی حیثیت اختیار کرنے کے خیال میں مگن ہو جائیں گے تو آپ ذہنی خلل اور خلجان میں مبتلا ہو جائیں گے۔

آپ کو واقعتاً کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے ہی سب کچھ آپ کے پاس موجود ہے۔ جو کچھ آپ بننا چاہتے ہیں، اس حیثیت کے مالک آپ پہلے ہی سے ہیں، ایک لمحے کے لئے بھی آپ اس حیثیت سے محروم نہیں ہوتے ہیں۔ پھر بھی آپ مصائب اور تکالیف میں مبتلا رہتے ہیں، آپ ایک لمحے کے لئے بھی اپنی حقیقت سے اپنی سچائی سے محروم نہیں ہوئے۔ آپ اپنی حقیقت اور سچائی سے کس طرح محروم ہو سکتے ہیں؟

میں اس وقت آپ کے لئے کوئی مقصد ومنزل متعین نہیں کر رہا کیونکہ جب آپ منزل ومقصد کے حصول کے خیال میں مگن ہو جاتے ہیں تو پھر آپ خوشی سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جاتے ہیں۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو تمام مقاصد، منزلوں سے پرے دھکیل دوں، اور آپ کو وہاں چھوڑ دوں جو ایک قطعی مختلف جگہ ہے، یہ لمحہ بہت ہی خوبصورت ہے، اور یہی لمحہ ہی اکمل اور کامل ہے۔

آپ مجھ سے پوچھتے ہیں: ''میں ہمیشہ عجلت میں ہوتا ہوں اور اس فکر میں ہمیشہ رہتا ہوں کہ

میں اپنی منزل پر پہنچ سکوں گا کہ نہیں۔ آپ کی کون سی منزل ہے؟ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ آپ کہاں پہنچنا چاہتے ہیں؟ اب طالب کی تلاش ہے؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے تلاش کیا جائے، اس کے متعلق آشنائی حاصل کی جائے جو آپ کے اندر پوشیدہ ہے، اور پھر آپ کو کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ کو اپنی آنکھیں کھولنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی پہلا قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاؤزو کہتا ہے: ''آپ جس چیز کے پیچھے بھاگیں گے، جس چیز کو تلاش کریں گے، وہ آپ کے ہاتھ نہیں آئے گی، اور جب آپ کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں نہیں ہوں گے، آپ اسے حاصل کر لیں گے۔''

اپنی منزل، اپنے مقصد کی تلاش، خواہش وحرص ہے...... اور جب خواہش وحرص آپ پر غالب آجاتی ہے تو آپ پھر اپنی منزل ومقصد کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، کبھی ایک منزل کی طرف بھاگتے ہیں کبھی دوسری منزل کی طرف لپکتے ہیں۔ بعض اوقات، دولت کا حصول، آپ کا مقصد قرار پاتا ہے، بعض اوقات اقتدار کی ہوس آپ پر غالب آجاتی ہے، بعض اوقات آپ گیان دھیان اور استغراق کو اپنا مقصد گردانتے ہیں، بعض اوقات آپ روشنی اور سچائی کی تلاش میں ہوتے ہیں، بعض اوقات آپ کا مطلوب ومقصود خدا ہوتا ہے اور بعض اوقات آپ سکون کے متلاشی ہوتے ہیں۔ نام مختلف ہیں لیکن مقصد ایک ہی ہے، اور آپ بدستور پریشان اور بے چین رہتے ہیں کیونکہ وقت آپ کے ہاتھ سے پھسلتا چلا جاتا ہے۔ آپ پریشانی وبے چینی سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں؟ کیونکہ وقت ہاتھ سے نکل رہا ہوتا ہے اور آپ ابھی تک اپنے مقصد کے حصول سے محروم ہوتے ہیں اور زندگی کا عرصہ بھی کم سے کم ہوتا جا رہا ہوتا ہے۔ آپ کی توانائی زائل ہو رہی ہوتی ہے اور آپ کی منزل ابھی ناقابلِ حصول ہوتی ہے، تو پھر آپ خوش کیسے رہ سکتے ہیں؟ آپ زیادہ سے زیادہ عجلت کا شکار ہوتے جاتے ہیں، اپنے مقصد کے حصول کی بھوک بڑھتی جاتی ہے۔ موت کا وقت قریب آتا جاتا ہے لیکن منزل ابھی کوسوں دور ہے۔

یہ ایک فطری عمل ہے کہ جیسے جیسے آپ کی عمر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، آپ مزید مشکلات ومصائب میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں۔ موت یا موت کا احساس یا بڑھتی ہوئی عمر آپ کو مصائب وتکالیف میں مبتلا نہیں کرتی بلکہ مقصد کے ناقابلِ حصول ہونے کا احساس آپ کو مصائب وتکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ نوجوانی میں آپ کو امید کی کرن نظر آتی ہے،

اس دور میں آپ کے پاس وافر وقت موجود ہوتا ہے، آپ کے اندر توانائی کی کثیر مقدار موجود ہوتی ہے، آپ صحت منداور تندرست ہوتے ہیں اور آپ نے ابھی تک مایوسی اور پریشانی کا مزہ نہیں چکھا ہوتا اور خواب خوبصورت نظر آتے ہیں۔ آہستہ آہستہ، دن بدن، جب آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ ہوتی جائے گی، آپ پر مایوسی طاری ہوتی جائے گی، آپ کے خواب بکھر جائیں گے، پھر آپ نئے سبز باغ تخلیق کرتے جائیں گے کیونکہ آپ دھوکے اور فریب کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ موت نزدیک سے نزدیک آتی جاتی ہے لیکن مقصد ہاتھ نہیں آتا...... اور یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب آپ خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور مرنے سے گھبراتے اور ڈرتے ہیں۔

لیکن جب آپ کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہوتا تو پھر آپ موت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ جب آپ کسی مقصد سے محروم ہوتے ہیں تو پھر آپ کسی بھی چیز سے نہیں ڈرتے...... کیونکہ آپ کو اپنی کوئی بھی چیز چھن جانے کا خدشہ نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں چیزوں کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ یہ آپ کی پہنچ سے باہر نہیں ہوتیں۔

ایک اختراع پسند ذہن، مقاصد کا انتہائی رسیا ہوتا ہے کیونکہ ایسا ذہن، زیادہ تعلیم یافتہ اور مہذب ہوتا ہے۔ آپ جس قدر زیادہ تعلیم یافتہ ہوں گے، اس قدر زیادہ خواہشات آپ پر غالب آ جائیں گی۔ کیونکہ تعلیم آپ کے اندر نظام کار پیدا کر دیتی ہے جس کے باعث آپ کے اندر خواہشات ابھر آتی ہیں۔ تعلیم آپ کی فطرت کو آلودہ کر دیتی ہے، آپ کے خوشی کے ذرائع میں غلاظت بھر دیتی ہے، آپ میں اَنا اور شعور خود قدری پیدا ہو جاتا ہے۔ دنیا میں جس قدر تعلیم عام ہوتی جاتی ہے، کرۂ ارض پر افراتفری میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے...... پھر بھی کسی کو یقین نہیں ہے کہ وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہوگا یا نہیں۔

آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ کی منزل و مقصد کیا ہے۔ جب آپ اپنے مقصد اور منزل کا تعین کر لیتے ہیں تو پھر آپ اس منزل/مقصد کے حصول کے لئے طریقوں کی تلاش بھی شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن جب آپ کے سامنے کوئی منزل، مقصد نہیں ہوتا تو پھر آپ کو کسی طریقے، راستے کو تلاش کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ پھر یکدم آپ یہاں موجود ہوتے ہیں اور آپ کسی بھی چیز سے محروم بھی نہیں ہوتے۔ محروم ہونے کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آپ کے سامنے کوئی مقصد موجود ہوتا ہے، لہٰذا جب آپ اپنے لئے کسی منزل اور مقصد کا تعین کر لیتے

ہیں تو پھر آپ کو محرومیت کا احساس بھی ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر جب آپ اپنے لئے اس مقصد کا تعین کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک لاکھ مالیت کی رقم موجود ہونا چاہئے، تو پھر آپ کو محرومیت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس وقت آپ کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی، اور آپ کو ایک لاکھ مالیت کی رقم چاہئے۔ اس طرح آپ ایک لاکھ مالیت کی رقم سے محروم ہونے کا تصور اپنے ذہن میں بٹھا لیتے ہیں۔ اور وہ شخص جس کے ذہن میں ایک لاکھ مالیت حاصل کرنے کا کوئی تصور نہیں ہے، جو اس پاگل پن میں مبتلا نہیں ہے، وہ محرومیت کے احساس سے محفوظ ہے۔ یہ دونوں افراد ایک ہی صورت حال سے دوچار ہیں، ممکن ہے کہ دونوں کے پاس ایک ہی قسم کی دولت موجود ہو، لیکن ایک شخص محرومیت کے احساس میں مبتلا ہے، لیکن دوسرا شخص محرومیت کے احساس سے محفوظ ہے۔ محرومیت کے احساس کی موجودگی اور غیر موجودگی کا انحصار ان دونوں کے ذہنی رویوں پر ہے۔

آپ خدا کی قربت سے محروم ہیں کیونکہ آپ نے خدا کو اپنا مقصد بنا رکھا ہے۔ آپ سچائی اور روشنی سے محروم ہیں کیوں کہ آپ سچائی اور روشنی کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اس دنیا کا کوئی بھی انسان محرومیت کے احساس میں اس وقت تک مبتلا نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے لئے کسی منزل اور مقصد کا تعین نہیں کر لیتا۔ جب انسان اپنے لئے کوئی مقصد مقرر کر لیتا ہے تو پھر مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اگر آپ میری بات صحیح طور پر سمجھ رہے ہیں تو پھر منزل و مقصد کے تصور کو اپنے ذہن سے نکال دیجئے۔ اپنے لئے منزل اور مقصد مقرر نہ کریں تو پھر آپ محرومیت کے احساس میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ اس صورت میں محرومیت کے احساس کی موجودگی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ جب آپ کے ذہن میں کسی مقصد کا تصور ہی موجود نہیں ہے تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ آپ محرومیت کے احساس میں مبتلا ہوں۔ اور جب آپ محرومیت کے احساس میں مبتلا نہیں ہیں تو پھر آپ کی کیفیت خدا جیسی ہے۔ جب آپ کسی بھی چیز سے محروم نہیں ہیں تو پھر آپ سچائی اور روشنی سے سرفراز ہیں۔ سچائی اور روشنی کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا شعور اور آگاہی ہے کہ محرومیت کے احساس میں مبتلا ہونے کے لئے کوئی چیز بھی موجود نہیں ہے کیونکہ آپ کسی بھی چیز کے حصول کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

مجھے اپنی بات دہرانے دیجئے۔ سچائی اور روشنی، کوئی مقصد نہیں ہے، یہ تو ایک شعور و ادراک

ہے کہ آپ کسی بھی مقصد کے حصول کے لئے سرگرداں نہیں، آپ کسی بھی قسم کے احساس محرومیت میں مبتلا نہیں، پھر آپ سچائی اور روشنی سے سرفراز ہو جاتے ہیں۔

آپ اسی اور موجودہ لمحے میں ہی سچائی اور روشنی سے سرفراز ہو سکتے ہیں۔ کوئی بھی آپ کو روک نہیں رہا، کوئی بھی آپ کے راستے کی رکاوٹ نہیں ہے...... لیکن مسئلہ تو آپ کے ساتھ ہے کہ آپ مستقبل میں سچائی اور روشنی سے سرفراز ہونا چاہتے ہیں۔ اگر میں آپ سے یہ بات اصرار سے کہوں کہ آپ ابھی اور اسی وقت سچائی اور روشنی سے سرفراز ہو سکتے ہیں، تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے ''ابھی اور اسی وقت'' یہ کیسے ممکن ہے، مجھے تھوڑا سا وقت چاہئے، ہمیں تیاری کرنا ہے۔ ہمیں تیاری کرنا ہوگی، ہمیں گیان دھیان اور غور و فکر میں مبتلا ہونا ہوگا۔ مجھے تھوڑا سا وقت چاہئے، ہم اپنی موجودہ حالت میں کس طرح سچائی اور روشنی سے سرفراز ہو سکتے ہیں۔

آپ تو سچائی اور روشنی سے پہلے ہی سرفراز ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ ''ابھی اور اسی وقت'' روشنی اور سچائی سے سرفراز ہو سکتے ہیں۔ آپ تو کبھی بھی روشنی اور سچائی سے محروم نہیں رہے لیکن آپ کو اس حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔

جب آپ پوچھتے ہیں کہ میں اپنے مقصد کے حصول میں کس طرح کامیاب ہو سکتا ہوں؟ اور پھر جب آپ ''کس طرح'' میں مبتلا ہوتے ہیں، تو پھر آپ اصل نکتے کو سمجھ نہیں پاتے۔ جب آپ ''کس طرح'' میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو پھر آپ مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اور پھر اگلی رات، میں ایک کہانی سُنا رہا تھا......

زین مت کے ایک بزرگ پیر نے اپنا رومال گرا دیا اور اپنے قریب بیٹھے ہوئے اپنے ایک مرید سے کہا: ''اس رومال کو اٹھانے کی کوشش کرو۔''

اس مرید نے فوراً ہی یہ رومال اٹھا کر اپنے مرشد کو دے دیا۔ لیکن مرشد خوش نہیں ہوا۔ اس۔ ، رومال دوبارہ نیچے گرا دیا۔

پھر مرشد کہنے لگا: ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے غور سے سنو، اس رومال کو اٹھانے کی کوشش کرو۔'' اور مرید نے رومال دوبارہ اٹھا لیا۔ یہ صورت حال چھ مرتبہ واقع ہوئی اور مرشد یہ رومال ہر دفعہ گراتا رہا۔ جب مرشد نے ساتویں مرتبہ رومال گرایا تو مرید پر اصل حقیقت منکشف ہوئی۔ اس کا مرشد اشاروں کنایوں میں بات کر رہا تھا۔

''رومال کو اٹھانے کی کوشش کرو!'' تم اسے اٹھانے کی ''کوشش'' کیسے کر سکتے ہو، یا تو تم اسے اٹھاؤ یا نہ اٹھاؤ، تم اسے اٹھانے کی ''کوشش'' کیسے کر سکتے ہو۔'' پھر مرید کو اصل نکتہ معلوم ہو گیا کہ ''کوشش'' تو ممکن ہی نہیں ہے۔ یا تو آپ رومال اٹھا لیں یا نہ اٹھائیں...... ''کوشش'' تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اب مرید کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

پھر مرید نے کہا: ''میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں۔'' اس نے اپنا سر خم کیا اور مرشد کا شکریہ ادا کیا۔

اب مرشد نے کہا: ''یاد رکھو! کبھی کوشش مت کرو...... یا تو کام کرو یا نہ کرو، اس کے درمیان ''کوشش'' کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

اسی طرح یا تو آپ سچائی اور روشنی سے سرفراز ہیں یا نہیں ہیں۔ اس ضمن میں ''کوشش کرنے'' کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کوشش، پریشانی اور بے چینی کا باعث ہے، اور آپ بے شمار طریقوں کے ذریعے کوشش کرتے ہیں۔ جب آپ کی کوشش ایک طریقے کے ذریعے کامیاب نہیں ہوتی تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ نہیں، جناب، یہ طریقہ غلط نہیں ہے...... کوشش صحیح نہیں ہے۔ جب ایک مرشد آپ کی خواہشات کی تکمیل نہیں کر سکتا تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ مرشد ہی کامل نہیں ہے۔ نہیں، ضروری تو نہیں کہ ایسا ہی ہے۔ ممکن ہے کہ مرشد قطعی طور پر غلط نہ ہو کیونکہ آپ کی طرف سے مرشد کی تلاش کی کوشش ضائع چلی گئی۔

آپ کو کلیسا میں اپنا مقصود حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا آپ مندر چلے جاتے ہیں۔ آپ کو مسجد میں اپنا مطلوب حاصل نہیں ہوتا لہٰذا آپ گوردوارہ چلے جاتے ہیں۔ لیکن آپ اپنی کوشش جاری رکھتے ہیں۔ کلیسا، مسجد، مندر اور گوردوارہ...... ہر جگہ آپ کی تلاش ناکام ہو جاتی ہیں کیونکہ آپ جس چیز کی تلاش میں ہیں، وہ آپ کے پاس پہلے ہی سے موجود ہے۔

صرف ایک چیز جسے سمجھنے کی آپ کو ضرورت ہے، وہ کوشش کی بے کار نوعیت کی ہے۔ یہ تو تیز رفتاری کا جنون ہے...... پہلے آپ کوشش میں دیوانہ وار سرگرداں رہتے ہیں، اور پھر دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ آپ اپنی منزل کی طرف تیز رفتاری اور جلدی سے بڑھنا چاہتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کل زندگی کا وجود ہوگا۔ اس لئے انسان اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے کوشش شروع کرتا ہے اور پھر وہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچنا چاہتا ہے۔

اس روزمرہ زندگی یا نام نہاد روحانی دنیا میں، یہی ایک مسئلہ موجود ہوتا ہے۔

دوسرے ہی دن میں کسی کتاب میں پڑھ رہا تھا کہ ایک اوسط امریکی سالانہ پندرہ ہزار گھنٹے گاڑی چلاتا ہے اور تقریباً سات ہزار میل کا سفر طے کرتا ہے، اور جو رقم کماتا ہے، وہ اپنی گاڑی کو صحیح حالت میں رکھنے، اس کی حفاظت کرنے، گاڑی ٹھہرانے کے اخراجات ادا کرنے اور متعلقہ ٹیکس ادا کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ امریکی اپنی زندگی کے ہر گھنٹے میں صرف پانچ میل کا سفر طے کرتا ہے۔

وہ اقوام جن کے پاس چند سڑکیں ہوتی ہیں، وہاں کے شہری یہ فاصلہ پیدل طے کرتے ہیں۔ امریکی اور ان پس ماندہ غیر صنعتی افراد کے درمیان فرق یہ ہے کہ امریکی ہر روز اپنے وقت کا پچیس فیصد کوشش کرنے کی جدوجہد میں گزار دیتے ہیں جبکہ مضافات میں رہنے والے پیدل چلنے والے دیہاتی اپنے وقت کا صرف پانچ فیصد کوشش و تگ و دو میں صرف کرتے ہیں۔

اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کی جانے والی تیز رفتار اور عجلت پر مبنی کوشش، محض مسائل کا ہی باعث بنتی ہے۔ یہ ایک انتہائی مضحکہ خیز حقیقت ہے کہ مضافات میں رہنے والے پس ماندہ شہری اپنے کام پر جانے اور واپس آنے میں اپنے وقت کا محض پانچ فیصد صرف کرتے ہیں جبکہ تمام جدید طریقوں اور تیز رفتار گاڑیوں کی موجودگی میں بھی شہروں میں رہنے والے امریکی اپنے وقت کا پچیس فیصد محض آنے جانے میں صرف کرتے ہیں۔ یہ چیز تو انتہائی مضحکہ خیز ہے...... اور یہ سب ''دراصل'' کس چیز کا شاخسانہ ہے؟

یہ تمام صورت، صرف اور صرف تیز رفتاری اور عجلت کے باعث ہے...... کیونکہ آپ کو اپنی منزل مقصود پر نہایت تیز رفتاری کے ساتھ پہنچنا پڑتا ہے۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ کسی منزل، کسی مقصد کا وجود ہے ہی نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے اس قدر تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اس زندگی کو ایک خوشگوار سفر سمجھیں...... آپ جہاں بھی جاتے ہیں اور واپس آتے ہیں، زندگی کے اس سفر سے لطف اندوز ہوں اور سمجھئے کہ آپ سیر و تفریح کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہاں سے آئے اور یہ بھی خبر نہیں کہ آپ نے کہاں جانا ہے، اور اس وقفے کے دوران آپ موجود ہیں۔ آپ پلک جھپکنے میں نمودار ہوتے ہیں اور پلک جھپکنے میں غائب ہو جاتے ہیں اور اس وقفے کے دوران پلک جھپکنے میں

آپ کی موجودگی روشنی کے ایک کوندے کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ اسی مختصر موجودگی سے لطف اندوز ہوں، اپنی اس موجودگی پر خدا تعالیٰ کے شکر گزار ہوں، خوشی منایئے، اس مختصر زندگی کو کسی مقصد کی تلاش میں ضائع مت کیجئے، کسی منزل تک پہنچنے کے لئے اس زندگی کی لذتوں سے محروم نہ ہوں۔ مزید برآں، سب سے اہم بات یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی کسی بھی منزل کی طرف رواں دواں نہیں ہے، کوئی بھی شخص مسافر نہیں ہے، مسافر کی موجودگی تو محض افسانہ ہے۔

سفر اور مسافرت تو ایک حقیقت ہے لیکن مسافر کا تصور غلط ہے۔

اپنی خوشی اور لطف کے لمحات کا گہرائی سے جائزہ لیجئے اور آپ سمجھ جائیں گے کہ میرے کہنے سے کیا مراد ہے۔ جب آپ واقعی خوش ہوتے ہیں، کوئی بھی دوسرا شخص آپ کے اندر خوش نہیں ہوتا بلکہ آپ کے اندر صرف خوشی موجود ہوتی ہے۔ جب آپ خوشی مناتے ہیں، کوئی دوسرا خوشی نہیں مناتا، بلکہ خوشی آپ کے اندر موجود ہوتی ہے۔ جب آپ محو رقص ہوتے ہیں، اپنے اندر نظر ڈالئے، آپ کے اندر کوئی محو رقص نہیں ہوتا، محض رقص موجود ہوتا ہے۔ یہی تو چیز ہے جسے صوفی...... فنا...... کہتے ہیں۔ آپ کے اندر کوئی نہیں ہوتا، یہ تو خالی ہوتا ہے اور ایک نہایت ہی مقدس اور متبرک خالی پن جس میں کوئی بھی موجود نہیں ہوتا، محض احساس موجود ہوتا ہے۔

جب آپ اپنے لئے کسی مقصد کا تعین کرتے ہیں، پھر یہ مقصد آپ کے اندر اَنا پیدا کرتا ہے، اور پھر اَنا، اعلیٰ سے اعلیٰ مقاصد اور منازل کا تقاضا کرتی ہے۔ اور پھر بڑے بڑے مقاصد و اہداف، بڑی اور بلند اَنا تخلیق کرتے ہیں۔ دنیا دار انسان کے لئے دولت ہی اس کا واحد مقصد ہوتا ہے، اس لئے اس کی اَنا معمولی ہوتی ہے۔ لیکن ایک روحانی انسان کی اَنا بہت بڑی ہوتی ہے کیونکہ اس کا مقصد بڑا ہوتا ہے۔ دولت اس کے پیروں کی خاک ہوتی ہے، وہ خدا کا متلاشی ہوتا ہے، اس سے کم کوئی اور چیز اسے مطمئن نہیں کر سکتی۔ اقتدار اور شہرت کی اس کے نزدیک اہمیت نہیں ہوتی، اسے روشنی اور سچائی کی تلاش ہوتی ہے، لہٰذا وہاں آپ کو اَنا کا بھڑکتا ہوا الاؤ نظر آئے گا جو روحانیت کے دعوے دار انسان کو اپنے احاطے میں لئے ہوگا لیکن دنیا دار انسان معمولی اَنا میں گرفتار ہوگا۔ دنیا دار انسان، اس قدر بڑی اَنا کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کے اہداف و مقاصد روز بروز تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ وہ معمولی چیزوں کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے اور اس طرح، اس میں پیدا ہونے والی اَنا بھی معمولی ہوتی ہے، لہٰذا جب آپ کے مقاصد بڑے ہوں تو آپ کی اَنا بھی

بڑی ہوتی ہے۔ جب آپ کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہوتا...... اَنا غائب ہو جاتی ہے...... آپ خود کو فنا کر لیتے ہیں، آپ کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے۔

اس لئے آپ یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ آپ اپنے لئے بڑے بڑے مقاصد کے تعین کے ذریعے کس طرح اپنے لئے مسائل و مشکلات تخلیق کرتے ہیں۔ آپ اپنے لئے مقاصد تخلیق کر کے کس طرح اپنے لئے اَنا پیدا کرتے ہیں۔ یہ تو ایک مکروہ اور شیطانی چکر ہے...... اور جب آپ کے ذہن میں تیز رفتاری اور عجلت کا تصور پیدا ہو جاتا ہے تو پھر آپ اپنے مقاصد نہایت تیز رفتاری اور عجلت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اول تو جب کسی مقصد و منزل کا وجود نہیں ہوتا تو اس کی تلاش میں سرگرداں بھی کوئی نہیں ہوتا لیکن جب آپ اپنے لئے مقصد متعین کر لیتے ہیں تو پھر آپ اپنے لئے مسائل پیدا کر لیتے ہیں کہ اس مقصد کو تیزی کے ساتھ کیسے حاصل کیا جائے۔ جب کوئی مقصد موجود نہیں ہوتا تو اس کی تلاش میں بھی کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن جب انسان تیز رفتاری اور عجلت کے تصور میں گم ہو جاتا ہے تو پھر مختلف مسائل اور پریشانیوں میں گھر جاتا ہے۔ آپ سو نہیں سکتے، آپ آرام نہیں کر سکتے، آپ محبت نہیں کر سکتے۔ جب اس قدر کام کرنے کو پڑا ہو تو آپ کس طرح سکون و طمانیت محسوس کر سکتے ہیں...... پھر زندگی ایک ویرانہ معلوم ہوتی ہے جب منزل مقصود ابھی بھی آپ سے کوسوں دور ہوتی ہے۔

اس امر کا شعور و ادراک تبدیلی کا عمل ہوتا ہے...... یہ وہ آگہی ہے جسے صوفی توبہ کہتے ہیں...... واپسی، ایک سو اَسی درجے کی واپسی جسے انگریزی میں یوٹرن (U-Turn) کہتے ہیں۔ آپ محض اس نکتے کو سمجھ جاتے ہیں، پھر آپ قہقہہ لگاتے ہیں، اور پھر آپ ایک پیالہ چائے کا پی سکتے ہیں۔

یہی تو سچائی اور روشنی ہے...... خوشیوں بھرا ایک قہقہہ...... اور پیالہ...... چائے کا......!

دوسرا سوال:

آپ سمجھتے ہیں کہ انسان کو اپنی زندگی زیادہ سے زیادہ گیان دھیان استغراق اور غور و فکر میں گزارنا چاہئے۔ اس عمل کے ذریعے زندگی کے مسائل کس طرح حل ہو سکتے ہیں اور جنگوں کی روک تھام کیسے ہو سکتی ہے؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں کسی بھی چیز کے متعلق کچھ نہیں سمجھتا۔ میرا تو اس طرح کا کوئی یقین ہی نہیں ہے۔ لفظ ''یقین اور اعتقاد'' کو میرے ساتھ منسلک مت کیجئے۔

میرا یہ یقین اور اعتقاد نہیں بلکہ مجھے یہ شعور اور آگہی ہے کہ انسان کو صرف گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر ہی کی زندگی بسر کرنا چاہئے ورنہ زندگی، زندگی کہلانے کی مستحق نہیں۔ گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر ہی تو زندگی ہے، اور اس کے بغیر زندگی کے کوئی معنی نہیں۔ پھر تو یہ ہے کہ آپ صرف دکھاوے کی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں...... آپ کی زندگی محض ایک نقاب ہے جو آپ نے اوڑھا ہوتا ہے۔ اس کی کوئی مسلمہ حیثیت نہیں ہوتی، اس میں کوئی گہرائی نہیں ہوتی...... یہ تو محض سطحی اور ظاہری زندگی ہوتی ہے۔

لہٰذا، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا نہیں خیال کہ انسان کو ضرورت سے زیادہ گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر کی زندگی بسر کرنا چاہئے۔ دوسرا یہ ہے کہ میری لغت میں ''چاہئے'' اور ''نہ چاہئے'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میرے ساتھ گفتگو میں یہ الفاظ استعمال مت کیجئے۔ میں آپ کو ''چاہئے'' کا لفظ استعمال کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ تمام 'چاہئے' احساسِ جرم اور احساسِ ندامت پیدا کرتے ہیں۔ جب میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ کو یہ کام کرنا چاہئے، تو میں آپ میں احساسِ جرم اور احساسِ ندامت پیدا کر دیتا ہوں۔ اگر آپ یہ کام انجام نہیں دے سکتے تو آپ احساسِ جرم اور ندامت محسوس کریں گے۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کسی چیز سے محروم ہو گئے ہیں اور آپ مزید پریشان اور بے چین ہو جائیں گے۔ مزید برآں ''چاہئے'' مستقبل کا صیغہ ہے، اور میرا مستقبل کے ساتھ قطعی کوئی تعلق نہیں ہے۔ باغ میں کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھئے، انہیں مستقبل کے متعلق کوئی فکر نہیں ہے پھر بھی ان میں خوبصورتی بدرجہ اتم موجود ہے۔ درختوں پر پرندوں کی چہچہاہٹ سنئے، انہیں ''کل'' کے متعلق کوئی فکر نہیں ہے، پھر بھی وہ حسین اور شاندار معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا ہر لمحہ مسرت اور لطف انگیز ہوتا ہے۔

میں آپ کو کسی ''چاہئے'' کو استعمال کرنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ ''چاہئے'' سے مراد مستقبل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو مستقبل یا کسی اگلے لمحے میں کوئی کام کرنا ہوگا۔ ''چاہئے'' کو ''حال'' سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔ ''چاہئے'' کے ذریعے مستقبل کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ میرا تو تعلق صرف ''حال'' سے ہے، میرا تعلق تو ''موجودہ لمحے'' سے ہے۔ میں آپ کو خوابوں کی دنیا میں نہیں لے جانا چاہتا۔ ''چاہئے'' تو ایک خیالی جنت ہے۔ کہا جاتا ہے ''اگر تم یہ کام کرو گے، تمہیں یہ ملے گا'' یہ تو شرائط اور پابندیاں ہیں۔ میں تو آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کو ذاتِ خداوندی بغیر کسی

شرط کے عطا کی گئی ہے۔ ذاتِ خداوندی ایک نعمت، تحفہ اور عطیہ ہے۔ آپ تو ذاتِ خداوندی کی رفاقت کے کسی بھی قیمت پر حق دار نہ تھے۔ ذاتِ خداوندی کوئی ملکیت میں بسنے والی چیز نہیں ہے۔ ذاتِ خداوندی تو ایک تحفہ ہے اور غیر مشروط نعمت ہے۔ ذاتِ خداوندی ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے اور ذاتِ خداوندی کے حصول کے لئے کسی ''چاہئے'' کی بھی ضرورت نہیں۔

پھر بھی گیان دھیان، استغراق اور غور وفکر کسی بھی قسم کا ''چاہئے'' نہیں ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ آپ گیان دھیان، استغراق اور غور وفکر کس طرح انجام دے سکتے ہیں۔ یہ کوئی دانستہ کرنے کا کام نہیں ہے۔ آپ پر گیان دھیان، استغراق اور غور وفکر کی کیفیت طاری تو ہو سکتی ہے لیکن شعوری طور پر آپ اسے انجام نہیں دے سکتے۔ یہ تو محبت کے مانند ہے، آپ محبت کی کیفیت میں تو مبتلا ہو سکتے ہیں لیکن آپ محبت نہیں کر سکتے۔ کیا آپ نے کبھی محبت کرنے کی کوشش کی ہے؟ پھر آپ کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اس میں بے ساختگی نہیں ہوتی، اس میں تابانی نہیں ہوتی، اس میں خوشی نہیں ہوتی۔ یہ تو ایک فرض بن جاتا ہے۔ آپ کا پیکر خالی ہوتا ہے، آپ کی حرکات بے معنی ہوتی ہیں لیکن روح نہیں ہوتی۔ آپ محبت انجام نہیں دے سکتے، محبت ایک کیفیت، حالت کا نام ہے، یہ کوئی فعل یا عمل نہیں ہے۔ اسی طرح گیان دھیان، استغراق اور غور وفکر بھی ایک کیفیت، ایک حالت کا نام ہے، کوئی فعل یا عمل نہیں ہے۔

گیان دھیان، استغراق اور غور وفکر، خاموشی، عدم خواہش، ماضی اور مستقبل کی عدم موجودگی پر مشتمل ایک کیفیت حالت کا نام ہے۔ یہ ایک کیفیت اور حالت کا نام ہے جب آپ کچھ نہیں کر رہے ہوتے اور صرف خود کو منور کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ آپ کا وجود ہے، آپ اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ آپ کا سانس چل رہا ہے، آپ قطعاً بغیر کسی وجہ کے خوش ہوتے ہیں اور انہی لمحات کو گیان دھیان، استغراق اور غور وفکر کہتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو گیان دھیان، استغراق اور غور وفکر کرنا چاہئے۔ میں تو صرف آپ کو بتا سکتا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے، اگر آپ میری بات سمجھ لیتے ہیں تو پھر آپ اس کیفیت میں ہوں گے۔ اس میں کوئی ''چاہئے'' نہیں ہے۔ اگر آپ میری بات نہیں سمجھتے تو آپ اس کیفیت میں نہیں ہو سکتے۔ لیکن پھر آپ کو بھی احساسِ ندامت اور احساسِ جرم میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ احساسِ جرم اور احساسِ ندامت اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آپ کوئی کام انجام دیتے ہیں

اور اس میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اب گیان دھیان، آپ کے لئے احساسِ ندامت اور احساسِ جرم کا یقینی ذریعہ بن سکتا ہے بشرطیکہ آپ اسے دانستہ طور پر انجام دیں۔ اگر آپ شعوری طور پر اسے خود پر حاوی کرنے کی کوشش کریں گے تو آپ ناکام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح لوگ احساسِ جرم اور احساسِ ندامت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

لوگ محبت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن محبت واقع نہیں ہوتی...... اس طرح یہ لوگ احساسِ جرم اور احساسِ ندامت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کے متعلق سوچتے ہیں، ''میں تو محبت کر ہی نہیں سکتا۔ میں تو محبت کرنے کی بہت کوشش کرتا ہوں لیکن محبت نہیں ہوتی۔'' فطری طور پر وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ان میں کوئی کمی ہے۔ آپ میں کوئی نقص نہیں ہے، کمی اور نقص صرف یہ ہے کہ آپ اس چیز کی کوشش کرتے ہیں جس کی کوشش کی ہی نہیں جا سکتی۔ آپ وہ کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو صرف بے ساختہ اور از خود ہی انجام پا سکتا ہے۔ یہ چیز اس وقت آپ پر وارد ہوتی ہے جب اس کی آمد کا وقت ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کر سکتے ہیں کہ جب آپ پر یہ چیز وارد ہو تو آپ اس کی مزاحمت نہ کریں، اسے خود پر وارد ہونے دیں۔ جب اس کی آمد ہو، اپنے دروازے کھلے رکھیں، بس اتنی سی بات ہے لیکن آپ کا یہ عمل، عمل کے معنی میں نہیں آتا، یہ عدم فعل سے بھی بڑھ کر کوئی چیز ہے۔ آپ گیان دھیان، استغراق اور غور وفکر کو یا تو وارد ہونے کی اجازت دے سکتے ہیں اور پھر اسے یہ اجازت نہیں دے سکتے۔ اس میں ''چاہئے'' کا کوئی تصور نہیں ہے۔

میں آپ کو احکامات جاری نہیں کر رہا۔ میں کوئی کمانڈر نہیں ہوں۔ تمام کمانڈر نہایت خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔ انہوں نے انسانیت کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ تمام کمانڈروں نے انسان کو برائیوں سے آلودہ کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے انسان میں احساسِ جرم اور احساسِ ندامت پیدا کیا ہے۔ ''چاہئے'' بھی ایک احساسِ ندامت اور احساسِ جرم ہے۔

میں تو صرف اپنے تجربات اور آگہی سے آپ کو آگاہ کر رہا ہوں۔ میں کسی بھی طرح آپ کی اصلاح کرنے کی کوشش نہیں کر رہا، میں آپ کو مجبور نہیں کر رہا۔ اگر آپ مجبور ہونا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو کسی ماہر نفسیات کے پاس جانا چاہئے، نفسیاتی تحلیل کے ماہر کے پاس جانا چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ کو مجبور کر دیتے ہیں۔

کسی انسان کو مجبور کردینے کا عمل، اس کے لئے نہایت توہین آمیز ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو انسان کے بجائے کوئی "چیز" سمجھا جارہا ہے۔ ہاں، ایک کار کو گیراج میں بند کیا جاسکتا ہے، اور جب آپ کے غسل خانے میں ٹونٹی سے پانی برس رہا ہو تو مستری ٹونٹی کی مرمت کرسکتا ہے۔ لیکن انسان، کوئی "چیز" تو نہیں ہے، آپ اسے مجبور نہیں کرسکتے۔

پہلے دینی راہ نما یہ کام کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور اب ماہر نفسیات یہ کام کرتا ہے۔ دینی راہ نما اپنے اس عمل میں ناکام ہوچکا ہے، اب ماہر نفسیات بھی ناکام ہے، وجہ یہ نہیں کہ دینی راہ نما، ماہر نفسیات میں کسی بھی قسم کی کمی یا نقص ہے، بلکہ صرف وجہ سے کہ "کوشش" ایک غلط فعل ہے آپ کسی انسان کو مجبور نہیں کرسکتے۔ انسان، آزادی کا دوسرا نام ہے۔ اسے مجبور کردینے کا خیال اسے ایک "چیز" کے مرتبے پر لے آتا ہے، اس کی روح کو ختم کردیتا ہے۔ میں آپ کو "چاہئے" سے روشناس نہیں کرانا چاہتا اور نہ ہی میں آپ کو مجبور کردینا چاہتا ہوں۔ درحقیقت، مجھے آپ کے اندر روحانی نشوونما کی بالکل پروا نہیں ہے۔

مجھے دلچسپی صرف امر سے ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ مجھ پر کیا بیتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ میں نے قصداً یہ کام کیا ہے بلکہ یہ چیز میرے ساتھ پیش آتی ہے۔ اور چونکہ یہ چیز میرے ساتھ پیش آتی ہے، اس لئے میں آپ کو "چاہئے" کے لئے کیسے مجبور کرسکتا ہوں۔ میں تو آپ کو صرف خبردار کرسکتا ہوں کہ یہ چیز کس طرح واقع ہوتی ہے۔ اس کا آپ کے یا میرے کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ جو چیز آپ پر وارد ہورہی ہے، آپ کو اسے قبول کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جب آپ اس چیز کے متعلق شعور و آگہی حاصل کرلیتے ہیں تو آپ میں مزاحمت ختم ہوجاتی ہے اور آپ میں قبول کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے، آپ زیادہ پُرسکون ہوجاتے ہیں۔ یہ شعور و آگہی، آپ کو اَنا سے دور کردیتی ہے، اور پھر اس وقفے کے دوران، گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر، سما جاتا ہے۔

گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر ایک ایسی حالت و کیفیت ہے جب آپ کسی چیز کی بھی کوشش نہیں کررہے ہوتے۔ یہ حالت و کیفیت عدم کوشش اور مکمل سکون پر مشتمل ہے۔ اس حالت میں کوئی مقصد سامنے نہیں ہوتا، کہیں بھی جانا نہیں ہوتا، کچھ بھی کرنا نہیں ہوتا۔ گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر تو صرف اپنے وجود کے ہونے کی خوشی ہے۔ آپ اسے شعوری طور پر کیسے

انجام دے سکتے ہیں؟ جب اسے آپ قصداً انجام دیں گے تو آپ اسے تباہ کردیں گے۔ اس لئے میں آپ کو "چاہئے" استعمال کرنے کے لئے نہیں کہتا۔

آپ پوچھتے ہیں: آپ کا یہ خیال ہے کہ انسان کو زیادہ سے زیادہ گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر کی زندگی بسر کرنا چاہئے۔ نہیں، بلکہ میں تو آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر، آپ کا پیدائشی حق ہے۔ یہ آپ کا منتظر ہے کہ آپ تھوڑا بہت سکون حاصل کرلیں...... تاکہ یہ آپ کے اندر ایک نعمت تخلیق کرے اور آپ محورقص ہوسکیں۔ پھول باغ میں کھلا ہوتا ہے لیکن آپ ان چیزوں کے بارے میں اتنے متفکر ہوتے ہیں جو آپ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ پھول تو پہلے ہی کھلا ہوا ہے، یہ تو اسی لمحے نمودار ہوگیا تھا جب آپ پیدا ہوئے تھے۔ جب سے آپ کا وجود اس دنیا میں موجود ہوا، گیان دھیان استغراق اور غور و فکر کا پھول، اسی لمحے آپ کے وجود میں کھل گیا تھا۔

اور بعض اوقات ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب آپ اس چیز سے آشنا ہوجاتے ہیں۔ یہ چیز آپ کی روزمرہ سرگرمیوں کے نیچے پوشیدہ ہوتی ہے۔ کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ زیرزمین کتنے آتش فشاں پوشیدہ ہوتے ہیں اور بیرونی سطح پر بظاہر خاموشی ہوتی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ زندگی ان دو پرندوں کے مانند ہے جو درخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک پرندہ، درخت کی انتہائی بلند شاخ پر بے حس و حرکت اور خاموش اس طرح بیٹھا ہوا ہے جیسے اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ دوسرا پرندہ ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پھدکتا پھرتا ہے، ایک پھل سے دوسرے پھل کی طرف جاتا ہے، سخت جدوجہد اور کوشش میں مصروف ہے، اپنے مقصد کی خاطر اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہے اور سخت پریشان ہے، تھک چکا ہے اور مایوس و دل گرفتہ ہے۔ ان دونوں پرندوں کی مثال آپ جیسی ہے۔ نچلی ٹہنی پر بیٹھا ہوا پرندہ اچھل کود کررہا ہے، یہ کررہا ہے، وہ کررہا ہے، بھاگ دوڑ کررہا ہے۔ درخت کی بالائی ٹہنی پر بیٹھا ہوا پرندہ، نچلی ٹہنی پر بیٹھے ہوئے پرندے کو احمقانہ طور پر لاحاصل کوشش کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ یہ دونوں پرندے آپ ہی ہیں۔

آپ کے اندر پہلے ہی سے گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر موجود ہے اور جب کبھی یہ حالت ابھر کر سامنے آتی ہے تو پھر آپ کی بے چینی اور بے سکونی قدرے کم ہوجاتی ہے...... ممکن ہے کہ آپ غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہے ہوں، اور اس دوران، آپ کا بکتا جھکتا ذہن، بالکل

پُرسکون اور خاموش ہو گیا ہو۔ آپ ایک قسم کی حیرانی، پُراسراریت میں مبتلا ہو گئے ہوں، غروبِ آفتاب کا خوبصورت منظر، رات اترتی ہوئی، اندھیرا چھاتا ہوا، تمام کرہ ارض سکون کی طرف بڑھتا ہوا، تمام ماحول ساکن اور خاموش۔ اب دن ختم ہو چکا ہے، دن کی مشکلات اور مصائب معدوم ہو چکے ہیں، اور آپ کا ذہن سکون محسوس کر رہا ہے۔ نچلی ٹہنی پر بیٹھا ہوا پرندہ ایک لمحے کے لئے بے حس و حرکت ہو جاتا ہے، اچانک درخت پر صرف ایک پرندہ ہی موجود رہ جاتا ہے، اور پھر آپ کو اپنے اندر سے بے انتہا خوشی پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ یہ خوشی، غروبِ آفتاب کے خوبصورت منظر کے باعث وجود میں آئی ہے۔ یہاں پر آپ غلط سوچ رہے ہیں۔ غروبِ آفتاب کا خوبصورت منظر، ایک واقعے اور صورتِ حال کی حقیقت سے آپ کے سامنے موجود ہو سکتا ہے لیکن خوشی اس کی وجہ سے نہیں ابھری ہے۔ یہ خوشی آپ کے اندر سے خارج ہو رہی ہے۔ ممکن ہے کہ غروبِ آفتاب کا منظر آپ کے لئے کچھ حد تک مددگار ثابت ہوا ہو لیکن یہ خوشی کا منبع نہیں ہے۔ سورج، ایک اچھے منظر کی تخلیق میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے، لیکن خوشی کی وجہ سورج نہیں ہے۔ یہ خوشی آپ کے اندر سے پھوٹ رہی ہے یہ آپ کے اندر سے خارج ہو رہی ہے۔ یہ خوشی پہلے ہی سے آپ کے اندر موجود تھی، اور آپ کے ذہن نے اس خوشی کو باہر آنے کے لئے جگہ مہیا کی ہے اور پھر یہاں سے خوشی اُبھرنا شروع ہو گئی۔

یا پھر چاند کی طرف نگاہ کئے ہوئے، یا کسی بھی قسم کی موسیقی سنتے ہوئے، یا بعض اوقات بانسری کی مدھر لَے کانوں میں گھولتے ہوئے...... یا پھر کسی وقت خالی الذہن بیٹھے ہوئے، محض گھاس پر بیٹھے ہوئے، دھوپ سینکتے ہوئے، یا پھر بعض اوقات بارش میں پیدل چلتے ہوئے، بارش کا پانی آپ کے بدن پر چھینٹے اڑاتے ہوئے، بارش میں جب ہر چیز ساکن اور ٹھنڈی ہو جاتی ہے...... پھر زمین سے اٹھتی ہوئی بھینی بھینی خوشبو، بارش کے برسنے سے پیدا ہونے والی موسیقی...... یکا یک آپ خوشی سے نہال ہو جاتے ہیں۔ یہ خوشی کسی بیرونی ذریعے سے آپ پر وارد نہیں ہوئی، بلکہ آپ کے اندر سے ابھری ہے۔ یہی تو گیان دھیان، استغراق ہے۔

جب آپ اس عمل کو سمجھنا شروع کر دیں گے، تو پھر آپ زیادہ سے زیادہ استغراق میں مگن ہو جائیں گے۔ یہ کوئی کرنے کی چیز نہیں، بلکہ سمجھنے اور شعور حاصل کرنے کی چیز ہے۔

اور پھر آپ یہ سوال بھی پوچھتے ہیں: اس کے ذریعے زندگی کے مسائل کیسے حل ہو سکتے ہیں

یا جنگوں کی روک تھام کیسے کی جا سکتی ہے؟ میں نہ تو زندگی کے مسائل اور نہ ہی جنگوں کے بارے متفکر ہوں۔ دراصل مجھے معاشرے کی قطعاً پروا نہیں ہے۔ میری تو تمام فکرمندیاں ایک انسان کے متعلق ہیں۔ میری تمام تر توجہ کا مرکز آپ ہیں۔ مجھے تو فکر آپ کی ہے، معاشرے کی نہیں ہے۔

ہاں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر زیادہ سے زیادہ لوگ گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر میں منہمک ہونا شروع ہو گئے تو یہ معاشرہ از خود تبدیل ہونا شروع ہو جائے گا۔ لیکن اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر ایسی صورت حال واقع ہو جاتی ہے تو پھر ٹھیک ہے، اسے روکا تو نہیں جا سکتا۔ اگر اس کرہ ارض پر زیادہ سے زیادہ لوگ گیان دھیان کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں، عدم کوشش پر مبنی اس زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں، وہ اپنی خواہشات ترک کر دیتے ہیں، اور اگر زیادہ سے زیادہ لوگ اسی طرح کی پُرسکون زندگی کا آغاز کر دیں تو ان کا ماحول بھی پُرسکون اور پُرسکوت ہو جائے گا، اور قدرتی طور پر معاشرہ بھی حالتِ امن میں آ جائے گا۔

کسی معاشرے میں خانہ جنگی محض اس لئے شروع ہوتی ہے کہ لوگ پریشان اور بے چین ہوتے ہیں اور وہ مسلسل خود سے لڑتے رہتے ہیں، اس لئے کہ وہ غصے سے بھرے ہوتے ہیں، وہ طیش میں ہوتے ہیں...... شکوہ شکایت ان کی زبان پر رہتا ہے...... وہ خوش نہیں ہوتے، وہ ہر چیز کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔ جب آپ خوش ہوتے ہیں تو آپ کی تخلیقی صلاحیتیں اُبھر آتی ہیں اور جب آپ ناخوش ہوتے ہیں تو آپ میں تخریبی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، جب آپ اشتعال میں ہوتے ہیں تو پھر آپ قاتل بن جاتے ہیں یا پھر آپ خودکشی کر لیتے ہیں، جب آپ خوش اور مطمئن ہوتے ہیں تو پھر آپ نغمہ لکھتے ہیں یا تصویر بناتے ہیں...... یعنی آپ کوئی تخلیقی کام کرتے ہیں۔ تخلیقیت، خوشی میں سے ابھرتی ہے اور تخریب کاری، غصے اور اشتعال میں سے پیدا ہوتی ہے۔

اس کرۂ ارض پر بے شمار افراد مشکلات و مصائب میں گرفتار ہیں۔ لاکھوں افراد بُرے حالات میں مبتلا ہیں...... ان کے مصائب اور مشکلات بادلوں کے مانند اکٹھا ہو جاتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ہندوستان کے دیہاتوں میں گھروں کی چھتوں میں سے دھواں اٹھتے دیکھا ہے؟ یہ دھواں بتدریج جمع ہوتے بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور دیہات کے اوپر معلق ہو جاتا ہے۔ اس بادل میں دیہات کے سب گھروں سے خارج ہونے والا دھواں شامل ہوتا ہے۔ جنگ بھی اسی طرح ہے۔ غصہ، اشتعال، تشدد، حرص، جارحیت، ہر گھر کی چھت سے باہر نکلتی ہے، ہر شخص کے

ذہن سے خارج ہوتی ہے۔ پھر یہ سب عناصر اکٹھا ہو جاتے ہیں اور پھر ایک عظیم الجثہ بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں...... پھر جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ پھر ایک دن آپ سب تاریکی، قتل و غارت، آبرو ریزی میں گھر جاتے ہیں۔

ہر دس برس بعد ایک جنگ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ ان دس برس میں اس قدر اشتعال اور غصہ اکٹھا ہو جاتا ہے کہ اس کے اخراج کی جنگ کے علاوہ مزید کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ہم میں اس قدر نفرت و عداوت جمع ہو جاتی ہے کہ دس برس بعد دنیا خلجان اور دیوانگی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس خلجان اور دیوانگی کا اخراج صرف جنگ ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

لیکن اس صورتِ حال سے میرا براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ یہ صورت حال، کوئی براہ راست چیز نہیں ہے۔ اس کے متعلق براہ راست کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہی تو سیاستدانوں کا وطیرہ ہے، امن کے متعلق بیانات دیتے ہیں، امن کی فاختائیں اڑاتے ہیں۔ یہ کس قدر نامعقول رویہ ہے! اور پھر وہ بم بھی تیار کرتے ہیں۔ وہ امن کا راگ الاپتے ہیں اور جنگ کی تیاری کرتے ہیں، وہ نہایت مضحکہ خیز حرکتیں کرتے ہیں کہ وہ جنگ کی اس لئے تیاری کرتے ہیں تاکہ دنیا میں امن قائم ہو سکے۔

میرا معاشرے کے ساتھ براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرا تو ایک فرد کے ساتھ تعلق ہے کیونکہ ایک فرد میں تبدیلی، بالآخر معاشرے میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی براہِ راست رونما نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ براہِ راست تبدیلی لانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ سیاستدان ہیں۔ میں تو قطعاً سیاستدان نہیں ہوں۔

کسی دن، ایک نیا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ افراد خود میں نیا شعور اور آگہی پیدا کر لیں۔ نئے معاشرے کی تشکیل نئے شعور اور آگہی کی ذیلی پیداوار ہے۔

مارکس کہتا ہے: ''پہلے معاشرہ تبدیل ہونا چاہئے، پھر نئی آگہی اور شعور پیدا ہوگا۔'' میں کہتا ہوں: ''پہلے انسان میں نئی آگہی اور شعور پیدا ہونا چاہئے، پھر معاشرے میں تبدیلی رونما ہوگی۔'' شعور اور آگہی زیادہ اہم ہے۔ دنیا میں ایک ایسے شعور و ادراک کا اظہار ہونا چاہئے جو گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر میں ڈوبا ہوا ہو، اور آپ گیان دھیان، خود میں مستغرق اور غور و فکر کئے بغیر آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جب آپ خود کو اس حالت اور کیفیت میں زیادہ سے زیادہ مگن

کر لیں گے تو پھر آپ کے اردگرد ایک ایسی توانائی کا ہالہ تشکیل پا جاتا ہے جس کے باعث آپ سے منسلک لوگ بھی زیادہ سے زیادہ استغراق اور گیان دھیان میں مگن ہو جاتے ہیں۔ جب آپ اس قسم کے کسی انسان کی رفاقت میں بیٹھتے ہیں تو پھر اچانک آپ میں بھی تبدیلی رونما ہونے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

جب آپ کسی ایسی شخصیت کی معیت اختیار کرتے ہیں جو واقعی اشتعال کے عالم میں ہو تو پھر آپ میں موجود کوئی چیز بگڑنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس میں موجود اشتعال، آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور آپ میں موجود اشتعال کو ہوا دیتا ہے۔ جب آپ کسی کم گو اور خاموش شخص کی صحبت اختیار کرتے ہیں تو آپ پر بھی کم گوئی اور خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ ہم باہمی طور پر ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں کیونکہ ہم انسانوں کے سمندر میں رہتے ہیں، ایسی صورت میں ایک دوسرے پر اثرات، ایک قدرتی اور فطری عمل ہے۔ جب آپ کسی کو ہنستا دیکھتے ہیں تو پھر آپ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نمودار ہو جاتی ہے۔ اگر آپ مصائب و مشکلات میں بھی مبتلا ہوتے ہیں تو ایک لمحے کے لئے آپ کے ہونٹ مسکراہٹ سے جگمگا اٹھتے ہیں اور آپ ایک لمحے کے لئے اس مصیبت اور تکلیف کو فراموش کر دیتے ہیں۔ یہ قہقہہ اس قدر خوبصورت، اس قدر متاثر کن، اس قدر دلآویز تھا کہ آپ ایک لمحے کے لئے اپنی مصیبت اور تکلیف کو بھول گئے، آپ اس شخص سے باہم آہنگ ہو گئے۔ اس شخص کا قہقہہ آپ میں تبدیلی رونما کرنے کا باعث ثابت ہوا، آپ بھی مسکرا اٹھے۔ آپ اس کے جال میں پھنس جائیں گے...... یہ ایک دوسری چیز ہے لیکن آپ کے گرد و پیش مسکراہٹ کی لہریں آپ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

اس لئے میں اس ضمن میں معاشرے کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک معاشرے کا کہیں وجود نہیں ہے کیونکہ معاشرہ بے روح ہے۔ صرف انسان اس کرہ ارض پر موجود ہے کیونکہ اس کے اندر روح موجود ہے۔ میرے نزدیک تو انسان ہی قابلِ توجہ ہے، میری درخواست تو انسان سے ہے۔ میں تو انسان میں امنگ و ترنگ پیدا کرتا ہوں، میں تو انسان کو اپنے پاس بلاتا ہوں۔ اور اگر بہت سے انسان اگر گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو پھر آہستہ آہستہ جنگیں ختم ہو جائیں گی۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہمیں امن کے لئے احتجاج کرنے چاہئیں، یا ہمیں امن مارچ کا اہتمام کرنا ہوگا...... یہ سب کچھ فضول اور نامعقول ہے۔ کیا آپ نے کبھی لوگوں کو

جنگوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ احتجاجی مظاہرین بہت غصے میں نظر آتے ہیں۔ وہ کسی سے بھی لڑنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس قسم کے احتجاج کا اختتام پولیس کے ساتھ ٹکراؤ پر ہوتا ہے۔ مظاہرین، پولیس پر پتھر پھینکنا شروع کر دیتے ہیں، وہ بسیں نذرِ آتش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ امن کے لئے کیا گیا ہر مارچ کا اختتام جنگ پر ہوتا ہے...... اور آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ چلاّ رہے ہوتے ہیں...... اور وہ کس قدر مشتعل ہوتے ہیں۔

غصے کے اخراج کا یہ ایک دوسرا طریقہ ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ وہ جنگ کے خلاف ہیں۔ مشتعل شخص کو کسی کے خلاف ناراض ہونے کی ضرورت ہوتی ہے...... کوئی بھی چیز...... کسی بھی چیز کے خلاف اسے اپنے غصے کے اظہار کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن اسے کسی کے خلاف ہونے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے غصے کا اظہار کر سکے اور اسے احساسِ ندامت اور احساسِ جرم بھی محسوس نہ ہو۔

میں ان تمام چیزوں کے حق میں نہیں ہوں۔ ان کا انداز تو سیاستدانہ اور منافقانہ ہے، وہ اسی لگے بندھے معمول کا ایک حصہ ہیں، ان کے ذریعے حالات تبدیل نہیں ہوتے۔ ان کے ذریعے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ حالات تبدیل ہو رہے ہیں، لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔ پانچ ہزار سالوں سے انسان معاشرے کو تبدیل کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے لیکن معاشرے میں پھر بھی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ معاشرے میں تبدیلی صرف اور صرف انفرادی انسان ہی کے ذریعے رونما کی جا سکتی ہے۔ صرف ایک انسان ہی میں یہ صلاحیت اور اہلیت موجود ہے کہ وہ معاشرے میں تبدیلی رونما کر سکے کیونکہ ایک انسان ہی خود کو تبدیل کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اگر بہت سے انسان خود میں تبدیلی لے آتے ہیں تو پھر ایک مختلف قسم کا معاشرہ تشکیل پا جائے گا۔ پھر جنگ کا تصور بھی معدوم ہو جائے گا۔

اور پھر آپ نے یہ سوال پوچھا: ''اس کے ذریعے زندگی کے مسائل کیسے حل کئے جا سکتے ہیں؟'' میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے ذریعے زندگی کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ میرے کہنے سے محض مراد یہ ہے کہ اگر آپ گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر اختیار کر لیتے ہیں تو پھر زندگی کے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ یہ پیدا ہی نہیں ہوں گے۔ دراصل، زندگی کے یہ مسائل اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب ذہن پریشان اور بے چین ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص میرے پاس آیا۔ اسے بے خوابی کی شکایت تھی۔ وہ کسی ہندوستانی ریاست کا ایک سیاستدان اور وزیر تھا اور چاہتا تھا کہ میں اسے کچھ طریقے بتاؤں کہ وہ سکون محسوس کر سکے اور سو سکے۔ میں نے اسے بتایا: ''آپ کا مسئلہ بے خوابی نہیں بلکہ آپ کی حرص ہے۔ آپ رات رات بھر کیا سوچتے رہتے ہیں؟''

اس نے کہا: ''بلاشبہ سیاست کے متعلق، آپ کو معلوم ہے کہ سیاست ایک نہ ختم ہونے والی جنگ ہے، لہٰذا، میں اس کے متعلق سوچتا رہتا ہوں، اور یہ سوچ مجھے اس قدر مشتعل کر دیتی ہے کہ میں رات بھر سو نہیں سکتا۔''

میں نے کہا: ''اس موقعے پر گیان دھیان، استغراق اور غور و فکر، آپ کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتا، سوال یہ ہے کہ آپ میں موجود حرص و ہوس کو کیسے دور کیا جائے۔''

لیکن اسے ان معاملات سے قطعی دلچسپی نہ تھی۔ وہ کہنے لگا: ''اس طرح تو ہو ہی نہیں سکتا، میں سیاست کو نہیں چھوڑ سکتا، میں تو صرف آپ سے خیر و برکت کا طالب ہوں کہ میں سو سکوں۔''

اب وہ مجھ سے معجزہ آرائی کا خواہاں ہے۔ وہ اس وقت بے خوابی کا مریض ہے اور مجھ سے دعائے خیر کا مطالبہ کر رہا ہے کہ اسے بھرپور نیند آ سکے۔ پھر اس نے کہا: ''میں مہاریشی مہیش یوگی کے پاس گیا، اس نے مجھے دعائے خیر دی اور کہا: ''ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی، تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

میں نے کہا: ''یہ سب کچھ احمقانہ ہے۔ تم تو اپنے لئے مسلسل مسائل پیدا کر رہے ہو۔ سوال اب یہ نہیں ہے کہ مسئلہ حل کیا جائے۔ تم تو درخت کی جڑوں میں مسلسل پانی دیئے جا رہے ہو اور درختوں کو سینچ رہے ہو۔ درخت کو پانی دینا بند کر دو۔ درخت کو پانی دینے کے ذریعے اس کی مزید نشو و نما ہو گی۔ میں تمہیں کوئی طریقہ تو نہیں سمجھا سکتا لیکن تمہیں دکھا سکتا ہوں کہ تم اپنی بے خوابی خود پیدا کر رہے ہو۔ اس کی وجہ تمہاری حرص و ہوس ہے۔ اگر تمہاری یہ حرص و ہوس ختم ہو جاتی ہے تو تمہاری بے خوابی دور ہو جائے گی۔''

زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے نہیں ہوتے، انہیں سمجھنا چاہئے۔

گیان دھیان میں مستغرق ذہن شعور و ادراک کا مالک ہوتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ خود ان مسائل کو کیسے پیدا کر رہا ہے۔ پھر قدرتی طور پر وہ ان کی پرداخت سے رک جائے گا۔ اب یہ نہیں کہ وہ یہ مسائل حل کر لیتا ہے بلکہ یہ مسائل اب پیدا ہی نہیں ہوتے۔

مسائل کی تین اقسام ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جنہیں آپ خود پیدا کرتے ہیں اور یہ آپ کی زندگی کے نوے فیصد مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں۔ آپ یہ مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں اور آپ مصر ہوتے ہیں کہ آپ ان مسائل میں گرفتار ہونا نہیں چاہتے، لیکن آپ اس قسم کے مسائل تخلیق کرتے رہتے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ اپنے اس عمل کی فضول نوعیت پر غور کریں، اس عمل کے احمقانہ پن کو دیکھیں۔ جب آپ ان مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت سے مالا مال ہو جاتے ہیں تو ان میں سے نوے فیصد مسائل ازخود ہی غائب ہو جائیں گے...... کیونکہ آپ ان کے متعلق کامل شعور و آگہی حاصل کرلیں گے، اور آپ ان مسائل کی تخلیق سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔

پھر مسائل کی دوسری قسم ہے...... صرف نو فیصد...... یہ وہ مسائل ہیں جو آپ خود پیدا نہیں کرتے۔ یہ مسائل آپ کے اردگرد موجود دیگر لوگوں کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کی طرف سے انہیں سمجھنے کے باعث ان میں سے چند تو حل ہو جاتے ہیں لیکن ان میں سے چند مسائل حل نہیں ہوں گے کیونکہ آپ ان کی تشکیل کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ اپنی بیوی سے حسد کرتے ہیں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے لیکن اگر آپ کی بیوی آپ سے حسد کرتی ہے تو یہ مسئلہ آپ کے غور و فکر کے ذریعے حل نہیں ہو سکتا۔ دراصل، یہ مسئلہ آپ کا تو ہے ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ مسئلہ آپ کے گیان دھیان کے ذریعے حل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ مسئلہ اس وقت حل ہوگا جب بیوی آپ سے حسد کرنا بند کر سکے گی۔ اگر بیوی آپ سے حسد کرتی ہے تو یہ اس کا معاملہ ہے، یہ اس کا مسئلہ ہے، اسے بے چینی و پریشانی میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ لیکن اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہوگی اور آپ اس کے لئے مصیبت میں گرفتار نہیں ہوں گے۔ جب آپ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس مسئلے کا آپ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی حسد کا جذبہ آپ میں پیدا نہیں ہوتا، آپ اسے نظرانداز کر چکے ہیں۔ اس مسئلے کے حل کے لئے آپ کی بیوی کو قدم اٹھانا ہوگا، اسے اس ضمن میں شعور و ادراک حاصل کرنا ہوگا۔

اور پھر ایسے مسائل بھی ہیں جو دوسرے لوگ پیدا کرتے ہیں اور ان کے اثرات آپ پر مرتب ہوتے ہیں اور بعض اوقات جب آپ انہیں سمجھ نہیں پاتے، آپ انہیں اپنے پیدا کردہ مسائل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ آپ سے یہ مسائل حل نہیں ہوں گے، آپ یہ مسائل حل کر سکتے ہی نہیں، لیکن ان کا آپ کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ آپ ان کے بغیر بھی خوبصورتی اور خوشی کے

ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ جب آپ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان مسائل کا آپ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر آپ کے لئے ان کا وجود باقی نہیں رہتا۔

آپ کے شعور و ادراک، سمجھ بوجھ کے باعث نوے فیصد مسائل حل ہو جائیں گے، نو فیصد حل نہیں بلکہ پیدا ہی نہیں ہوں گے کیونکہ وہ آپ سے متعلق نہیں۔ پھر ایک فیصد باقی مسائل رہ جاتے ہیں۔ ان کا آپ یا دوسروں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے...... کیونکہ یہ ایک فیصد مسائل ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

لہٰذا، اگر یہ ایک فیصد زندگی کا لازمی حصہ ہیں، مثلاً موت...... یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے...... اس مسئلے کے پیدا ہونے میں کسی مسائل کا کوئی قصور نہیں...... نہ پھر آپ کا اور نہ ہی کسی اور کا۔ یہ تو مسئلہ ہے ہی نہیں۔ جب ننانوے فیصد مسائل غائب ہو چکے ہیں، تو پھر ایک فیصد مسائل تو مسائل ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک پُراسراریت ہے۔ اس کے باعث عام منظر ہی تبدیل ہو جاتا ہے...... موت تو ایک پُراسرار عمل ہے۔

اسی طرح ہمارے ماحول میں بے شمار ایسے امور ہیں جو اسرار کے پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں اپنے لئے مسائل سمجھتے ہیں کیونکہ ہم مسائل پیدا کرنے کے شوقین ہیں۔ ہم ہر چیز کو مسائل میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان مسائل بلکہ امور کا ہمارے سامنے حل پیش کیا جاتا ہے تو ہم ان کے حل کو بھی مسائل میں بھی تبدیل کر لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر، میں آپ کو سمجھانے کے لئے روشنی اور سچائی کے بارے آپ سے مسلسل باتیں کئے جاتا ہوں۔ آپ اس میں مسئلہ پیدا کر لیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں: ''ہم یہ روشنی اور سچائی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟'' آپ نے اسے بھی ایک مسئلہ بنا دیا ہے۔ پھر آپ پوچھتے ہیں: ''اس کے حصول کے لئے کون سا طریقہ استعمال کیا جائے، کون سا راستہ اختیار کیا جائے؟'' اور یوں آپ نے اسے بھی مسئلہ بنا دیا۔

میں اپنا شعور و ادراک آپ تک منتقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں خود میں موجود محبت و چاہت آپ تک منتقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، میں اپنی ذات آپ تک منتقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا...... اور آپ نے اس چیز کو ایک مسئلے میں تبدیل کر دیا۔ اب آپ پریشان و متفکر ہیں، اور اب آپ بھرپور نیند نہیں لے سکیں گے۔ اب آپ مسلسل اس سوچ میں غلطاں رہیں گے

’’میں کب اور کیسے روشنی اور سچائی حاصل کرسکوں گا، میں ابھی تک روشنی اور سچائی سے محروم ہوں۔‘‘ یہ صورت حال آپ کے لئے مزید پریشان کن ہوگی۔

پھر آپ مختلف طریقے آزمائیں گے لیکن یہ سب بے سود ثابت ہوں گے۔ میں تو بس یہی کہتا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی طریقہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ روشنی اور سچائی ایسی چیز نہیں جس میں آپ کامیاب ہوسکیں۔ جب آپ اپنی سرتوڑ کوشش کر بیٹھتے ہیں اور مزید کچھ کرنے کو آپ کے پاس نہیں ہوتا تو پھر آپ کے اندر سے سچائی اور روشنی ابھرتی ہے۔ سچائی اور روشنی آپ کے اندر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آپ مزید کوشش نہیں کر سکتے...... آپ تمام طریقے آزما چکے ہیں...... اب آپ نہایت پُرسکون ہیں۔ اب کوئی مزید کوشش آپ کے بس میں نہیں ہے۔ آپ اس گھناؤنے چکر سے باہر نکل آتے ہیں۔ اس ناکامی میں سے سچائی اور روشنی نمودار ہوتی ہے۔ مکمل ناکامی ہی سچائی اور روشنی کا دروازہ ہے۔

میں اپنا شعور وادراک آپ تک منتقل کرتا ہوں، آپ اسے ایک مسئلہ بنادیتے ہیں، پھر میں آپ کو شعور وادراک اور سمجھ بوجھ اور اس کی خوبصورتی اور فوائد کے متعلق بتاتا ہوں اور آپ اسے اپنی خواہش وحرص بنالیتے ہیں۔ اس طرح آپ مسئلہ پیدا کر لیتے ہیں۔

پھر ایک فیصد مسئلہ باقی رہ جائے گا لیکن اب اسے آپ قطعی طور پر مسئلہ نہیں سمجھیں گے۔ درحقیقت، یہ امر نہایت اہم بن جائے گا۔ یہ تو ایک پُر اسرار امر ہے، انسان کی پیدائش ایک پُر اسرار عمل ہے، محبت و پیار ایک اسرار ہے، موت ایک اسرار ہے، زندگی ایک اسرار ہے۔ اس کی کسی طرح بھی وضاحت نہیں کی جاسکتی اور اسے بیان کیا بھی نہیں جاسکتا۔ یہ سب پُر اسراریت کی لپیٹ میں ہے، آپ کو خود بخود ہی اس کے متعلق علم ہوتا جاتا ہے۔ آپ کو جس قدر زیادہ علم ہوتا جاتا ہے، آپ اسی قدر سمجھتے ہیں کہ آپ کو کچھ معلوم نہیں۔ جب آپ واقعی حکمت و دانش حاصل کر لیتے ہیں...... جب آپ کو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے...... تو پھر اچانک آپ قطعی بے خبر ہو جاتے ہیں۔ آپ کہیں گے ’’مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔‘‘ قطعی حکمت و دانش یہ ہے کہ آپ کو کسی بھی چیز کا علم نہ ہو۔

لہٰذا، مسائل تین قسم کے ہیں، ان میں سے نوے فیصد بالکل بے معنی ہو جائیں گے کیونکہ آپ انہیں تخلیق نہیں کرتے۔ نو فیصد مسائل موجود رہیں گے، یہ آپ پر اس لئے اثر انداز نہیں ہوں گے کیونکہ آپ کا ان کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر ایک فیصد مسائل باقی رہ جائیں

گے...... لیکن یہ امور، مسائل کی حیثیت سے موجود نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ تو اسرار ہیں، خوبصورت اسرار، جو زندگی کا ایک لازمی حصہ ہیں جن کے بغیر گزارہ نہیں۔

اور پھر جب آپ کی زندگی میں مسائل کا نام ونشان نہ ہو، آپ کی زندگی خوشیوں کا مرقع بن جاتی ہے۔

تیسرا سوال:

ہزاروں برس سے خاندان ایک بنیادی سماجی اکائی کی حیثیت سے موجود ہے لیکن آپ کی اس نئی دنیا میں اس کی افادیت مشکوک سمجھی جاتی ہے۔ آپ کے خیال میں اس کا متبادل کیا ہے؟

خاندان کی ارتقاء انسان (مرد) ہی کے ذریعے ہزاروں برس سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ اب خاندان کی افادیت ختم ہو چکی ہے...... اس نے بہت عرصے تک اپنی موجودگی ثابت کی ہے۔ خاندان، قدیم ترین اداروں میں سے ایک ہے، لہٰذا، شعور وادراک کے مالک چند لوگ ہی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا وجود پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ اس کی مردہ حیثیت کے متعلق فہم حاصل کرنے میں دیگر افراد وقت کا ایک کثیر حصہ صرف کر سکتے ہیں۔

’’خاندان‘‘ نے اپنی ذمہ داری نبھالی ہے، اب نئے منظر نامے میں اس کا کوئی کردار نہیں ہے۔ خاندان کی یہ اکائی ابھی پیدا ہونے والی نئی نسل کے پس منظر میں قطعی غیر متعلق ہے۔

گزشتہ عرصے میں خاندان کے ذریعے فوائد بھی سامنے آئے اور برائیوں کا بھی اظہار ہوا۔ خاندان، انسان کے لئے کافی مددگار ثابت ہوا کیونکہ نسلِ انسانی کا ارتقاء اس کے ذریعے ہوا...... اور خاندان، انسان کے لئے اس لئے نقصان دہ ثابت ہوا کہ خاندان کے باعث انسانی ذہن بدعنوانیوں سے آلودہ ہوگیا۔ لیکن ماضی میں اس کا متبادل کوئی ادارہ نہ تھا اور اس کے علاوہ کسی اور چیز کا انتخاب ہی ممکن نہ تھا۔ یہ ایک ایسی برائی تھی جو ناگزیر تھی جس کی اب مستقبل میں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب جدید دور میں اس کے کئی متبادلات موجود ہیں۔

میرا تو خیال یہ ہے کہ مستقبل میں کوئی مستقل انداز زندگی اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اندازِ زندگی کی کئی ایک اشکال ہوسکتی ہیں۔ اگر کچھ لوگ ابھی بھی ایک ادارے کی حیثیت سے خاندان کا انتخاب کرتے ہیں تو انہیں یہ طرزِ عمل اختیار کرنے کی آزادی حاصل ہے لیکن ان لوگوں کی شرح فیصد بہت کم ہوگی۔ اس کرہ ارض پر وہ خاندان اب بہت کم موجود ہیں جو واقعی خوبصورت

ہیں، واقعی مفید ہیں، جہاں ارتقاء واقع ہوتی ہے، جہاں حاکمیت کا تصور موجود نہیں، جہاں اختیار واقتدار کا کوئی تصور نہیں، کوئی کسی کی ملکیت میں نہیں ہے، جہاں بچے تباہی و بربادی کا شکار نہیں ہوتے، جہاں بیوی، خاوند کو تباہ کرنے کی سازش نہیں کرتی اور نہ ہی خاوند، بیوی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتا ہے۔ جہاں محبت اور آزادی کا دور دورہ ہوتا ہے...... جہاں لوگ اپنے مفاد کے خاطر نہیں، بلکہ اپنی خوشی کی خاطر اکٹھے ہوتے ہیں، جہاں سیاست اور مصلحت کا رواج نہیں، ہاں...... اس قسم کے خاندان ابھی بھی اس روئے زمین پر موجود ہیں۔ اس قسم کے خاندان ابھی بھی موجود ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک تبدیلی چنداں درکار نہیں ہے۔ مستقبل میں بھی وہ اپنی زندگی گزارنے کے لئے یہی طرز اختیار کر سکتے ہیں۔

لیکن لوگوں کی اکثریت کے نزدیک خاندان، ایک نہایت ہی بری چیز ہے۔ آپ ماہرین نفسیات سے پوچھ سکتے ہیں "ہر قسم کی ذہنی بیماریاں" خاندان کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ ہر قسم کا اضطراب، خلجان اور دیوانگی، خاندان کے باعث وجود پذیر ہوتی ہے۔ خاندان کے باعث نہایت ہی بیمار اور بُرے انسان وجود میں آتے ہیں۔"

اب خاندان کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے متبادل طرز ہائے زندگی موجود ہیں۔ اس (خاندان) کا ایک بہت ہی بہترین متبادل اجتماعی مرکز (کمیون) ہے۔

اجتماعی مرکز سے مراد یہ ہے کہ لوگ ایک ڈھیلے ڈھالے خاندان کے مانند رہتے ہیں۔ بچے اجتماعی مرکز کی ملکیت، یعنی سب کی ملکیت ہوتے ہیں۔ یہاں کسی کا کوئی ذاتی اثاثہ اور جائیداد نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی کی ذاتی اَنا ہوتی ہے۔ ایک مرد، ایک عورت کے ساتھ اس لئے اکٹھا رہتا ہے کہ وہ دونوں اکٹھا رہنا پسند کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی رفاقت اور معیت میں لطف محسوس کرتے ہیں۔ جس لمحے انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ مزید خوش نہیں رہ سکتے، وہ ایک دوسرے سے چمٹے نہیں رہتے بلکہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ دیتے ہیں۔ ان کی دوستی قائم رہتی ہے لیکن وہ اب اکٹھے نہیں رہتے۔ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں۔ ماضی میں علیحدگی کے وقت صرف یہ مسئلہ پیدا ہوتا تھا کہ بچوں کا کیا کیا جائے۔ اجتماعی مرکز میں بچے، اجتماعی مرکز کی ملکیت ہو سکتے ہیں اور یہ طریقہ بہت ہی بہتر ہوگا۔ انہیں مختلف لوگوں کے ساتھ پرورش پانے کا زیادہ سے زیادہ موقع حاصل ہوگا۔ بصورت دیگر ایک بچہ صرف اپنی ماں کے ساتھ

ہی پرورش پاتا ہے۔ سالہا سال تک یہ بچہ ماں اور باپ کے ساتھ ہی رہتا ہے اور صرف انہی دو افراد کے اثرات بچے پر مرتب ہوتے ہیں۔ فطری طور پر یہ بچہ اپنے ماں باپ کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ بچے اپنے باپ کا نقشِ ثانی ثابت ہوتے ہیں اور اپنے والدین کے مانند ہی ان کے نقائص اور خرابیاں اپنا کر اپنی پوری زندگی گزار دیتے ہیں۔ وہ اپنے والدین ہی کے مانند ہو جاتے ہیں۔ یہ عمل بہت ہی خطرناک اور تباہ کن ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کے لئے کوئی اور راستہ نہیں ہے، وہ کسی اور ذرائع سے معلومات، شعور و آگہی حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر ایک اجتماعی مرکز میں ایک سو افراد اکٹھے رہتے ہیں تو ان میں سے کئی خواتین اور کئی مرد ہوں گے۔ یہاں بچوں کو کسی بھی قسم کے مقررہ اور پابند اندازِ زندگی کے مطابق رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے باپ سے سیکھ سکتا ہے، وہ اپنے چچاؤں، ماموؤں سے سیکھ سکتا ہے، وہ اجتماعی مرکز میں موجود تمام افراد سے سیکھ سکتا ہے۔ وہ ایک کثیر المقاصد روح کا مالک ہوگا۔

خاندان، افراد کے جذبات کچل دیتے ہیں اور ان کی روح نہایت ہی معمولی ہوتی ہے۔ اجتماعی مرکز میں بچے کی روح بڑی ہوگی اور اسے زیادہ مواقع میسر ہوں گے، اس کی ذات علم و آگہی سے زیادہ بھرپور ہوگی۔ اسے بہت سی عورتوں سے واسطہ پڑے گا، وہ کسی ایک عورت کا اثر قبول نہیں کرے گا۔ بچے کے لئے یہ امر بہت تباہ کن اور نقصان دہ ہے کہ اس پر محض ایک عورت کے ہی اثرات مرتب ہوں...... کیونکہ زندگی بھر آپ ماں کی تلاش ہی کرتے رہیں گے۔ جب آپ کسی خاتون کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں، تو دیکھیں، اس امر کا بہت امکان ہے کہ آپ کو اپنی ماں سے مشابہ کوئی عورت مل جائے، اور یہی وہ چیز ہو سکتی ہے جس کی آپ کو خواہش ہے۔

ہر بچہ اپنی ماں سے ناراض ہوتا ہے۔ ماں کو بچے کو بہت سی باتوں سے منع کرنا ہوتا ہے...... ماں کو اپنے بچے کو بہت سے امور سے روکنا ہوتا ہے...... یہ امر تو ناگزیر ہے۔ حتیٰ کہ ایک اچھی ماں کو بھی "نہیں" کہنا پڑتا ہے، بچے کو کئی باتوں سے روکنا اور منع کرنا پڑتا ہے، اس پر بچہ مشتعل اور ناراض ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے نفرت کرتا ہے اور پیار بھی کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی زندگی کو محفوظ رکھتی ہے، اسے توانائی اور زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی اس کا طرزِ حیات قرار پاتا ہے۔ آپ اسی عورت سے پیار کریں گے اور اسی عورت سے نفرت بھی کریں گے، اس کے علاوہ آپ کے پاس مزید راستہ بھی نہیں ہے۔ آپ لاشعوری طور پر ہمیشہ اپنی ماں کی تلاش میں سرگرداں رہیں

گے۔ اور یہی صورتِ حال خواتین کے ساتھ پیش آتی ہے، وہ اپنے باپ کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں ہوتی ہیں۔ ان کی تمام زندگی باپ اور خاوند کی تلاش پر مشتمل ہوتی ہے۔

اب آپ کا باپ ہی اس دنیا میں اکیلا انسان نہیں ہے، یہ دنیا انسانوں سے بھری پڑی ہے۔ درحقیقت، اگر آپ اپنے باپ کو تلاش کر سکتے ہیں تو پھر بھی آپ خوش نہیں ہوں گے۔ آپ اپنے باپ کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے محبوب/محبوبہ کے ساتھ خوش رہ سکیں گے۔ اگر آپ کو اپنی ماں مل جاتی ہے تو آپ اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکیں گے۔ آپ کو اس کے متعلق پہلے ہی تمام کچھ علم ہے۔ اس کے متعلق مزید معلومات آپ کو درکار نہیں۔ آپ دونوں کے درمیان آشنائی اور واقفیت پہلے ہی سے موجود ہے اور اس کے ذریعے حقارت اور اہانت کا احساس ابھرتا ہے۔ آپ کو کسی نئی چیز کی تلاش کرنا چاہئے مگر آپ کے پاس کسی کا تصور اور خیال موجود نہیں ہے۔

اجتماعی مرکز (آشرم) میں بچے کو کثیر المقاصد روح میسر ہوگی۔ اسے کئی ایک عورتوں سے شناسائی ہوگی، اسے کئی مردوں سے آشنائی ہوگی۔ وہ کسی ایک یا خاتون کا محتاج نہیں ہوگا۔

خاندان کی موجودگی کے باعث آپ میں ملکیت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور ملکیت، انسانیت کے خلاف ہے۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کا باپ کسی کے ساتھ جھگڑ رہا ہے اور اس کا موقف غلط ہے تو پھر بھی آپ کو اپنے باپ کا ساتھ دینا پڑے گا۔ جس طرح لوگ کہتے ہیں ''غلط یا صحیح، میرا ملک تو میرا ملک ہے'' لہٰذا بیٹے بھی کہتے ہیں، صحیح یا غلط، میرا باپ تو میرا باپ ہے، میری ماں تو میری ماں ہے، مجھے تو اس کا ساتھ دینا ہوگا، ورنہ ان کے ساتھ بے وفائی ہوگی۔

آپ کو سبق دیا جاتا ہے کہ آپ بے انصافی سے کام لیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی ماں کا موقف غلط ہے اور وہ اپنی ہمسائی کے ساتھ جھگڑ رہی ہے جس کا موقف صحیح ہے...... لیکن آپ کو اپنی ماں ہی کا ساتھ دینا ہے۔ یہ ایک غیر منصفانہ زندگی کا سبق ہے۔

ایک اجتماعی مرکز میں آپ خاص طور پر کسی ایک شخص کے ساتھ منسلک نہیں ہوں گے...... اور نہ ہی کوئی خاندان آپ کے ساتھ منسلک ہوگا۔ آپ زیادہ سے زیادہ آزاد، خود مختار، اور کم سے کم محتاج اور پابند ہوں گے۔ آپ کا رویہ زیادہ منصفانہ ہوگا اور آپ کو کئی ذرائع اور اطراف سے محبت وچاہت ملے گی۔ آپ یہ محسوس کریں گے کہ زندگی محبت آمیز ہے۔ خاندان آپ کو معاشرے اور دوسرے خاندان کے ساتھ ایک قسم کے جھگڑے اور تنازعے کا سبق دیتا ہے۔

خاندان، اجارہ داری کا تقاضا کرتا ہے۔ خاندان کہتا ہے کہ آپ اس کے ساتھ رہیں اور باقی تمام افراد کے خلاف ہو جائیں۔ آپ کو خاندان کا خدمت گزار ہونا پڑتا ہے۔ آپ کو خاندان کے نام اور شہرت کی خاطر جنگ کرنا پڑتی ہے۔ خاندان کے ذریعے آپ میں خواہشات، جھگڑے اور جارحیت کا احساس پیدا کر دیا جاتا ہے۔ ایک اجتماعی مرکز میں آپ کم از کم جارحانہ رویہ اپنائیں گے۔ آپ اس دنیا میں زیادہ آرام سے رہیں گے کیونکہ آپ کئی ایک افراد سے آشنا ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ میں یہاں ایک اجتماعی مرکز بنا رہا ہوں...... جہاں تمام افراد ایک دوسرے کے دوست ہوں گے۔ حتیٰ کہ خاوند اور بیویاں بھی محض دوست ہی ہوں گے۔ ان کی شادی...... ان کے درمیان محض ایک ایسا معائدہ ہوگا کہ انہوں نے اکٹھے رہنے کا اس لئے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اکٹھے خوش رہیں گے۔ جس لمحے ان میں سے کوئی ایک فرد بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ ان کے درمیان ناخوشی جنم لے رہی ہے، وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں کسی طلاق کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے درمیان شادی موجود نہیں تھی، اور ہر ایک فرد اپنی مرضی اور خواہش سے دوسرے کے ساتھ رہ رہا ہے۔

جب آپ مصائب اور تکالیف کی زندگی گزارتے ہیں تو آہستہ آہستہ آپ اس زندگی کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ کوئی فرد ایک لمحے کے لئے بھی یہ مصائب اور تکالیف برداشت کرے۔ ممکن ہے کہ آپ ماضی میں ایک شخص کے ساتھ رہ رہے ہوں اور خوش ہوں۔ لیکن جب یہ زندگی ناخوشگوار ہو جائے تو آپ کو یہ زندگی ترک کر دینا چاہئے۔ پھر آپ کو غصہ اور ناراضگی بھی محسوس نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی بُرا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے، اور نہ ہی اپنے دل میں نفرت کو جگہ دینا چاہئے...... کیونکہ محبت پر کسی کا زور نہیں اور نہ ہی اس کے متعلق کچھ کہا جا سکتا ہے۔ محبت تو ہوا کے مانند ہے...... آپ محسوس کرتے ہیں کہ محبت ہو جاتی ہے، یہ اگر موجود ہے تو موجود ہے، اور اگر چلی گئی ہے تو چلی گئی ہے۔ محبت ایک اسرار ہے، آپ اسے اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ محبت کو پابند نہیں ہونا چاہئے، اسے کوئی قانونی حیثیت نہیں دینا چاہئے، کسی بھی طور زبردستی محبت کو مسلط نہیں کرنا چاہئے۔

ایک اجتماعی مرکز میں لوگ تو صرف اس لئے رہتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے اکٹھا رہیں اور جب یہ خوشی موجود نہ رہے، وہ علیحدہ ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ یہ صورت حال

افسوسناک محسوس ہوتی ہو لیکن انہیں علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ ممکن ہے کہ ماضی کی حسین یادیں ان کے ذہن میں موجود ہوں لیکن انہیں علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ وہ ایک دوسرے سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ مصائب اور تکالیف بھری زندگی بسر نہیں کریں گے بصورت دیگر تکالیف اور مصائب بھری زندگی ان کا معمول بن جائے گی۔ دونوں افراد بھاری دل کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں لیکن ان کے درمیان نفرت موجود نہیں ہوتی ہے، وہ اپنے لئے دوسرے ساتھی ڈھونڈ لیں گے۔

مستقبل میں، ماضی کے مانند نہ تو شادیاں ہوں گی اور نہ ہی طلاقیں۔ زندگی پہلے سے زیادہ آرام دہ، لچک دار اور پُر اعتماد ہو جائے گی۔ قانونی تصریحات اور وضاحتوں کی نسبت زندگی کے اسرار پر آپ کو زیادہ بھروسا ہوگا...... زندگی میں موجود کسی بھی چیز، مثلاً عدالت، پولیس، مذہبی راہ نما، عبادت گاہ کی نسبت، زندگی زیادہ قابلِ بھروسہ ہوگی۔ اور بچے تو سب کی ملکیت ہونا چاہئیں، خاندان کا ان پر ٹھپہ نہیں لگا ہونا چاہئے۔ وہ سب اجتماعی مرکز کی ملکیت ہوں گے اور اجتماعی مرکز ان کی دیکھ بھال کرے گا۔

انسانی تاریخ میں یہ ایک انتہائی انقلابی قدم ہوگا کہ لوگ اجتماعی مرکز میں رہنا شروع کر دیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک سچی، ایماندار اور قابلِ بھروسا زندگی بسر کریں اور مروجہ قانون کو زیادہ سے زیادہ ترک کریں۔

خاندانی زندگی میں، جلد یا بدیر، محبت و پیار معدوم ہو جاتا ہے۔ شروع شروع میں ممکن ہے ایسا نہ ہو، ممکن ہے کہ یہ شادی باہمی رضامندی کے ذریعے ہوتی ہو۔ جہاں دیگر مفادات اور مقاصد، مثلاً دولت، اقتدار، شہرت بھی مدنظر ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابتدا میں محبت پیار موجود نہ ہو۔ اس شادی، جو زبردستی شادی کے مانند ہے، سے بچے پیدا ہوں لیکن یہ بچے محبت کے بجائے شادی کے ذریعے پیدا ہوئے ہوں۔ اس طرح پیدا ہونے والے بچے ابتدا ہی سے صحراؤں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور محبت و پیار کی غیر موجودگی پر مبنی گھریلو ماحول انہیں کند ذہن، نفرت آمیز بنا دیتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کا پہلا سبق اپنے والدین سے سیکھتے ہیں، اور والدین کے درمیان محبت موجود نہیں ہوتی اور ان کے درمیان مسلسل اشتعال، جھگڑا اور حسد موجود رہتا ہے۔ اور پھر بچوں کو اپنے والدین کے غلیظ چہرے دیکھنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

بچوں کی امیدیں اور توقعات ٹوٹ جاتی ہیں۔ انہیں یقین نہیں ہوتا کہ اگر ان کے والدین

کی زندگی میں محبت موجود نہ تھی تو ان کی زندگی میں محبت موجود ہوگی۔ پھر وہ دوسرے والدین کو بھی دیکھتے ہیں، دوسرے خاندان بھی ان کی نظروں میں آتے ہیں۔ بچے بہت حساس اور متجسس ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گردوپیش کے ماحول کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ اب ان کے لئے محبت سے رہنے، محبت محسوس کرنے کا کوئی موقع نہیں، تو انہیں یہی محسوس ہوتا ہے کہ محبت تو صرف شاعری میں موجود ہے، محبت کا وجود تو صرف شاعری میں ہی ہے...... محبت تو محض تصور اور فسانہ ہے...... عملی طور پر زندگی میں محبت کا کوئی وجود نہیں، اور جب آپ کو یقین ہو جائے کہ محبت تو محض شاعری اور فسانہ ہے، پھر محبت آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکے گی کیونکہ آپ نے محبت کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

اپنی زندگی میں محبت واقع کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی میں کسی اور مرحلے پر محبت کو اپنی میں داخل ہونے دیں۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے والدین کے درمیان گہری محبت موجود ہے، وہ ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں...... ایک دوسرے کو عزت دیتے ہیں...... پھر آپ محبت کی آمد کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ امید کے غنچے کھل اٹھتے ہیں۔ آپ کے دل میں محبت کا بیج نشوونما پانے لگتا ہے۔ آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ بھی محبت میں گرفتار ہونے والے ہیں۔

اگر آپ محبت و پیار کا مشاہدہ نہیں کرتے، تو پھر آپ کس طرح یقین کریں گے کہ آپ بھی محبت میں گرفتار ہونے والے ہیں۔ اگر آپ کے والدین کے درمیان محبت پیدا نہیں ہوتی تو پھر آپ محبت سے کس طرح فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ درحقیقت، آپ ہر وہ کام کریں گے کہ محبت آپ پر وارد نہ ہو، ورنہ آپ کا یہ عمل والدین کے ساتھ بے وفائی کا اظہار ہوتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ بلکہ خواتین لاشعوری طور پر اس خیال میں گم ہوتی ہیں کہ "امی جان، میں اسی طرح مصیبت میں ہوں جس طرح آپ مصیبت میں تھیں۔" بعد میں بچے بھی ایک دوسرے کو کہتے ہیں "ابا جان! فکرمند نہ ہوں، میری زندگی بھی آپ کے مانند مصائب سے بھرپور ہے۔ میرا آپ کا فرق نہیں ہے، میں نے آپ سے بے وفائی نہیں کی ہے۔ میں بھی آپ ہی کے مانند مصیبت زدہ شخص ہوں۔ میں آپ کی روایت نبھا رہا ہوں، میں آپ کا نمائندہ ہوں، ابا جان، میں نے آپ سے بے وفائی نہیں کی ہے۔ دیکھیں، میں تو وہی کام کر رہا ہوں جو آپ میری ماں سے کرتے تھے۔ میں اپنے بچوں کی ماں کے ساتھ بھی وہی سلوک کر رہا ہوں۔ اور جس طرح کا رویہ آپ کا میرے

ساتھ تھا، میرا ان کے ساتھ بھی یہی رویہ ہے۔ جس طرح آپ نے میری پرورش کی، میں اپنے بچوں کی بھی اسی طرح پرورش کررہا ہوں۔"

اور اب بچوں کی پرورش کا یہ مخصوص خیال بھی نامعقولیت پر مبنی ہے۔ آپ اس ضمن میں بچوں کی مدد کر سکتے ہیں، آپ ان کی پرورش نہیں کرسکتے۔ بچوں کی پرورش کرنے کا نظریہ احمقانہ اور نامعقول بلکہ ضرررساں ہے، انتہائی ضرررساں۔ آپ بچے کی پرورش نہیں کرسکتے، آپ بچے کو تعمیر نہیں کرسکتے، بچہ کوئی چیز نہیں ہے، یہ کوئی عمارت نہیں ہے۔ بچہ تو ایک درخت کے مانند ہے، آپ اس کی مدد کرسکتے ہیں۔ آپ زمین تیار کرسکتے ہیں، آپ کھاد ڈال سکتے ہیں، آپ پانی دے سکتے ہیں، آپ جائزہ لے سکتے ہیں کہ کیا سورج کی روشنی پودے تک پہنچ رہی ہے یا نہیں۔ آپ بس اتنا ہی کچھ کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ بات نہیں کہ آپ پودے کو اُگا رہے ہیں، یہ تو خود ہی اُگ رہا ہے۔ آپ اس کی مدد کرسکتے ہیں لیکن آپ اسے اُگا نہیں سکتے۔ بچے تو سراپا اسرار ہوتے ہیں۔ جس لمحے آپ ان کی پرورش کا آغاز کرتے ہیں، اور ان کے لئے ماحول اور طرزِ زندگی کا تانابانا بنتے ہیں، اور ان کے اردگرد مختلف کردار تخلیق کرتے ہیں تو آپ انہیں حدود اور پابندیوں میں جکڑ رہے ہوتے ہیں۔ وہ آپ کو کبھی بھی معاف نہیں کرسکیں گے، اور یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے وہ سبق سیکھیں گے۔ اور وہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ وہی سلوک کریں گے، اور آپ کے بچے، اپنے بچوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ ہر نسل، روئے زمین پر آنے والی نئی نسل کو خلجان اور اعصابی خلل میں مبتلا کرتی ہے، اور پھر معاشرہ، اپنی اس دیوانگی اور پریشانیوں کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔

اب اس وقت ایک نئی چیز درکار ہے۔ انسان پہلے سے زیادہ ترقی کرچکا ہے اور خاندان، ماضی کا قصہ ہے، واقعتاً اس کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ یہ اجتماعی مرکز، یہ آشرم، ایک ایسی چیز ہے جو خاندان کا متبادل ہوسکتا ہے، اور یہ خاندان سے کہیں زیادہ مفید ہوگا۔

لیکن اس اجتماعی مرکز میں صرف گہرے شعور و ادراک کے مالک لوگ ہی اکٹھے ہوسکتے ہیں۔ صرف اس وقت آپ اس آشرم میں اکٹھا ہوسکتے ہیں جب آپ کو علم ہو کہ آپ نے زندگی سے کیسے لطف اندوز ہونا ہے، صرف اس صورت میں آپ اکٹھا رہ سکتے ہیں جب آپ ادراک اور شعور و سمجھ بوجھ کے حامل ہوں۔ محبت پر پابندی یا اجارہ داری کا قدیم اور نامعقول تصور آپ کو

ترک کرنا ہوگا، تب ہی آپ اس اجتماعی مرکز میں رہ سکتے ہیں۔ اگر آپ انہی قدیم تصورات سے چمٹے رہے کہ آپ کی بیوی کا ہاتھ کوئی دوسرا مرد نہ تھامے، اور آپ کا خاوند کسی دوسری عورت کے ساتھ نہ ہنسے...... جب آپ ان نامعقول خیالات اور نظریات کو اپنے ذہن میں بٹھائے رکھیں گے، اس وقت تک آپ اس آشرم میں نہیں رہ سکتے۔

اگر آپ کا خاوند کسی خاتون کی معیت میں ہنس رہا ہے...... ہنسی ہمیشہ مفید ہوتی ہے قطع نظر اس کے کہ کون ہنس رہا ہے۔ ہنسی بہت اچھی چیز ہے، ہنسی قابلِ اہمیت ہے۔ اگر آپ کی بیوی نے کسی دوسرے مرد کا ہاتھ تھام رکھا ہے...... تو بہت اچھی بات ہے۔ دونوں میں گرم جوشی پیدا ہوتی ہے...... گرم جوشی کی روانی اور بہاؤ بہت اچھی بات ہے، یہ قابلِ قدر ہے قطع نظر اس کے کہ یہ گرم جوشی کس میں رواں دواں ہے۔ اور اگر یہ گرم جوشی بے شمار افراد کے ذریعے آپ کی بیوی میں رواں ہوجاتی ہے تو پھر آپ میں بھی اس کا بہاؤ جاری ہوسکتا ہے۔ اگر یہ روانی اور بہاؤ کسی دوسرے میں رک جاتا ہے، تو پھر آپ میں بھی یہ بہاؤ اور روانی رک جاتی ہے۔ اس ضمن میں پرانا نظریہ بہت ہی زیادہ احمقانہ اور نامعقول ہے۔

یہ تو ایسا ہی ہے کہ جب آپ کا خاوند کہیں باہر جاتا ہے، اور آپ اس سے کہتی ہیں "باہر کہیں جاکر سانس مت لو۔ جب تم گھر آؤ تو پھر جتنا مرضی سانس لو، لیکن جب تم میرے پاس آتے ہو، صرف اس وقت ہی تم سانس لے سکتے ہو۔ گھر کے باہر جاکر اپنا سانس روک لو، یوگی بن جاؤ۔ میں نہیں چاہتی کہ تم کہیں اور جاکر سانس لو۔" اب یہ تمام صورت حال احمقانہ اور نامعقول معلوم ہوتی ہے، لیکن پھر اس وقت محبت، سانس لینے کے مترادف کیوں نہیں ہونی چاہئے؟ محبت تو سانس لینے کے عمل کے مانند ہے۔

عملِ تنفس، بدن کے لئے زندگی کا باعث ہے اور محبت روح کے لئے زندگی ہے۔ محبت، عملِ تنفس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ اب جب آپ کا خاوند گھر سے باہر جاتا ہے تو اسے یہ کہئے کہ اسے کسی دوسرے فرد بلکہ خاتون کے ساتھ نہیں ہنسنا چاہئے۔ اسے کسی کے ساتھ بھی محبت آمیز رویہ نہیں اپنانا چاہئے۔ لہٰذا، دن بھر میں تئیس گھنٹے وہ محبت کے بغیر صرف کردیتا ہے اور صرف ایک گھنٹہ، جب وہ آپ کے پاس ہوتا ہے، وہ محبت کرنے کی اداکاری کرتا ہے۔ آپ نے اس میں موجود محبت کو قتل کردیا ہے۔ اب اس میں محبت کا بہاؤ اور روانی رک چکی ہے۔ اگر وہ تئیس گھنٹوں

کے لئے یوگی بننے کے لئے مجبور ہے، محبت آمیز رویہ اختیار نہیں کر سکتا، خوفزدہ ہے، کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ محض ایک گھنٹے کے لئے آرام وسکون محسوس کر سکتا ہے؟ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ اپنے خاوند کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں، آپ اپنی بیوی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، اور پھر آپ بیزار ہو جاتے ہیں، اُکتا جاتے ہیں۔ پھر آپ یہ سوچنا شروع کر دیتے ہیں، وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا/کرتی!'' اور یہ آپ ہی ہیں جس نے تمام صورتِ حال تخلیق کی۔ اور وہ پھر یہ محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے کہ آپ اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتے، اور آپ پہلے کے مانند خوش نہیں ہیں۔''

جب ساحل سمندر پر اور باغوں میں مختلف لوگوں کی اتفاقیہ باہمی ملاقات ہوتی ہے تو دونوں افراد بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لئے کہ وہ آزاد ہوتے ہیں۔ فضا میں اڑتا ہوا پرندہ ایک طرف، اور قفس میں مقید پرندہ دوسری طرف۔ یہ لوگ اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ آزاد ہوتے ہیں۔

انسان، آزادی کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا اور آپ کے قدیم خاندانی ڈھانچے نے آزادی مفقود کر دی ہے۔ اور چونکہ اس کے باعث آزادی مفقود ہو گئی، اس لئے خوشی بھی مفقود ہو گئی۔ محبت بھی مفقود ہو گئی۔ بالکل درست، اس کے باعث بدن تو کچھ حد تک محفوظ رہا لیکن روح چلی گئی۔ اب اس کی مزید ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے روح کی بھی حفاظت کرنا ہے۔ یہ امر انتہائی ضروری اور اہم ہے۔

اب اس خاندانی ڈھانچے کی ماضی یا حال کے تناظر میں قطعی ضرورت نہیں ہے۔ اب تو مستقبل صرف محبت اور محبت بھرے رشتوں کا ہے۔ اب ''خاوند اور بیوی'' نہایت بے ہودہ اور غلیظ افراد تصور کیے جائیں گے۔

اور جب آپ اپنی بیوی یا خاوند کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں، تو فطری طور پر آپ اپنے بچوں کو بھی اپنی ملکیت سمجھیں گے۔ میں تھامس گورڈن کے ساتھ کلی طور پر متفق ہوں جس کا کہنا ہے: ''میرا خیال ہے کہ تمام والدین اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، کیونکہ وہ بنیادی طور پر اپنے بچوں کی طاقت و اختیار کے ذریعے پرورش کرتے ہیں۔'' میرا خیال ہے کہ جب اکثر والدین یہ سوچتے ہیں تو ان کا یہ نظریہ بہت ہی تباہ کن ہے ''یہ میرا بچہ ہے، میں اس کے ساتھ جو چاہوں کروں۔'' بچہ کوئی چیز نہیں ہے، یہ کرسی نہیں ہے، نہ ہی کوئی کار ہے۔ آپ اپنی مرضی کے مطابق

اس کے ساتھ سلوک بھی نہیں کر سکتے۔ وہ آپ کے ذریعے اس دنیا میں وارد ہوا لیکن وہ آپ کی ملکیت نہیں ہے۔ وہ تو اللہ کا مال ہے، اللہ نے اسے زندگی دی ہے۔ آپ زیادہ سے زیادہ اس کی دیکھ بھال پر مامور ہیں، وہ آپ کی ملکیت نہیں ہے۔

لیکن خاندان کا تصور، ملکیت کا تصور ہے، جائیداد، بیوی، خاوند، بچوں کی ملکیت، اور ملکیت کا یہ احساس، زہر کے مانند ہے، اسی لئے میں خاندان کے خلاف ہوں۔ لیکن میں یہ سب ان گھرانوں کے متعلق نہیں کہہ رہا جو واقعی خوش اور محبت آمیز ہیں...... لیکن پھر بھی اسے تباہ ہو جانا چاہئے۔ اس کی اب قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ہر خاندان پہلے ہی سے ایک اجتماعی مرکز ہے، ایک چھوٹا اجتماعی مرکز...... کمیون...... برادری ہے۔

اور، بلاشبہ ایک وسیع و عریض اجتماعی مرکز بہت ہی بہتر ہو گا جہاں زیادہ مواقع میسر ہوں گے اور لوگ بھی زیادہ ہوں گے۔ مختلف لوگ مختلف راگ الاپتے ہیں، مختلف انداز اپناتے ہیں، مختلف انداز میں سانس لیتے ہیں، مختلف ہوائیں چلتی ہیں، روشنی کی مختلف شعاعیں پیدا ہوتی ہیں...... اور بچوں کو جہاں تک ممکن ہو، ان مختلف انداز، ہواؤں، شعاعوں سے مستفید ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنی مرضی کا ماحول اپنا سکیں، تاکہ انہیں اپنی مرضی کا ماحول اپنانے کی آزادی ہو۔

اور بچوں کو ان بے شمار عورتوں کے ساتھ میل ملاپ کا موقع ملنا چاہئے جو ان کی ماں کی طرح نہیں ہیں۔ اس طرح وہ بہت سی عورتوں اور مردوں کے ساتھ محبت و پیار کا اظہار کر سکیں گے۔ زندگی ایک خوبصورت تفریح کے مانند ہو گی۔

چند دن پہلے میں نے یہ قصہ سُنا:

ایک ماں اشیائے ضرورت خریدنے کے لئے دکان پر گئی اور اپنے بچے کو دکان کے اس حصے میں لے گئی جہاں کھلونے موجود تھے۔ وہاں اس بچے نے جھولنے والا ایک گھوڑا دیکھا اور وہ تقریباً ایک گھنٹے تک اس جھولا گھوڑے پر سواری کرتا رہا۔

اس کی ماں نے فریاد کرتے ہوئے کہا: ''نیچے اتر آؤ، میں نے گھر جا کر تمہارے باپ کے لئے کھانا تیار کرنا ہے۔'' ننھے بچے نے ماں کی تمام تر کوششوں کے باوجود جھولا گھوڑے کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ دکان کے مالک نے بھی بچے کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ آخر کار، ماہر نفسیات کو بلایا گیا۔

وہ ماہرِ نفسیات آہستہ آہستہ چلتا ہوا بچے کے پاس آیا اور بچے کے کان میں سرگوشی کی۔ بچہ فوراً ہی جھولے سے اترا اور ماں کی طرف بھاگ کر چلا گیا۔

ماں نے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے ماہرِ نفسیات سے پوچھا: ''آپ نے یہ کارنامہ کیسے سرانجام دیا۔ آپ نے اسے کیا کہا؟''

ماہرِ نفسیات ایک لمحے کے لئے ہچکچایا اور پھر کہنے لگا: ''میں نے اسے یہ کہا تھا کہ اگر تم اس جھولے سے نہ اترے میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔''

لوگوں کو جلد یا بدیر علم ہو جاتا ہے کہ خوف، کارآمد ثابت ہوتا ہے، طاقت اور اختیار مفید ثابت ہوتا ہے۔ بچے اس قدر بے بس اور اپنے والدین کے اس قدر محتاج ہوتے ہیں کہ والدین انہیں خوفزدہ کر سکتے ہیں۔ بچوں پر زیادتی کرنے اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانے کے لئے آپ اس طریقے کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں اور وہ بے بس ہیں۔

اجتماعی مرکز میں انہیں مختلف جگہوں پر جانے کا موقع میسر ہوتا ہے۔ ان کے بہت سے چچا، ماموں، چچیں اور خالائیں ہوں گی۔ اور وہ اس قدر بے بس نہیں ہوں گے۔ وہ اس طرح آپ کے ہاتھ میں نہیں ہوں گے جس طرح اب آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ انہیں زیادہ آزادیاں حاصل ہوں گی، وہ کم سے کم محتاج اور بے بس ہوں گے۔ آپ انہیں اس قدر آسانی کے ساتھ مجبور نہیں کر سکیں گے۔

مجھے معلوم ہے کہ بعض اوقات، خاوند اور بیوی ایک دوسرے کے ساتھ محبت بھرے انداز میں پیش آتے ہیں لیکن یہ صورتِ حال، تنہائی میں واقع ہوتی ہے۔ بچوں کو اس صورت حال کے بارے کچھ علم نہیں ہوتا۔ بچوں کو تو والدین کا برا چہرہ اور برا طرزِ عمل ہی نظر آتا ہے۔ جب ماں اور باپ آپس میں اظہارِ محبت کرتے ہیں، وہ بند دروازوں کے پیچھے کرتے ہیں، وہ چپ چاپ یہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اور بچوں کو یہ مشاہدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ایک دوسرے کے پیار میں کھوئے ہوئے ہیں۔ بچے تو اپنے والدین کے درمیان باہمی جھگڑے، تنازعے اور گالی گلوچ ہی دیکھ پاتے ہیں اور بچوں کے ذہن میں یہی صورتِ حال نقش ہو جاتی ہے۔

ایک خاوند اپنے کمرے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہوتا ہے کہ بیوی اس کے پاس آتی ہے اور اس پر برسنا شروع کر دیتی ہے۔

خاوند لاتعلقی سے پوچھتا ہے ''میں نے کیا کیا ہے؟''

''تمہیں تو مجھ سے پیار ہی نہیں ہے!''

اور پھر تھوڑی دیر بعد خاوند اس کمرے میں جاتا ہے جہاں بیوی بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہوتی ہے اور وہ بھی اپنی بیوی پر برس پڑتا ہے۔

بیوی چلا کر کہتی ہے: ''یہ کس لئے ہے؟''

خاوند نے جواب دیا: ''تاکہ تمہیں فرق معلوم ہو جائے۔''

گھر میں یہ صورت حال مسلسل موجود رہتی ہے اور بچے اس صورت حال کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں: ''کیا یہ زندگی ہے؟ کیا زندگی اسی کو کہتے ہیں؟ کیا اس گھر میں یہی سب کچھ ہے۔'' ان کی امیدیں دم توڑ جاتی ہیں۔ اپنی ناکام زندگی میں داخل ہونے سے قبل ہی انہوں نے ناکامی قبول کر لی ہوتی ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر ان کے والدین جو بہت طاقتور اور عقلمند ہیں، کامیابی حاصل نہیں کر سکے تو پھر ان کے لئے کامیابی کی کیا امید ہے، بالکل بھی نہیں!

اور پھر اپنے والدین کے گھر رہتے ہوئے انہوں نے سیکھ لیا ہے کہ ان پر مصائب و تکالیف کیسے وارد ہوتی ہیں، ان پر جارحیت کیسے وارد ہوتی ہے۔ بچوں کو گھر میں محبت آمیز مناظر دیکھنے کو نہیں ملتے۔ اجتماعی مرکز میں انہیں محبت کے بے شمار مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔ چھوٹے بچوں کو علم ہونا چاہئے کہ یہاں محبت موجود ہے۔ انہیں دیکھنا چاہئے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ محبت بھرا سلوک کر رہے ہیں۔

اس آشرم میں، زیادہ تر ہندوستانی افراد موجود ہیں، ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے، ''یہ سب کیا ہے، سب لوگ کھلم کھلا محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ ان کو برا محسوس ہوتا ہے۔ یہ ان کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔''

دوسرے دن ہی مجھے ایک رسالے کے مطالعے کا موقع ملا جو مراٹھی زبان میں تھا۔ ایک شخص نے اس رسالے میں میرے خلاف مضمون لکھا تھا۔ اس نے لکھا تھا: ''ہر چیز تو درست ہے لیکن جب اوشو مختلف لوگوں کے ساتھ بغل گیر ہوتا ہے اور بوسہ بازی کرتا ہے..... اس کی یہ بات بہت بری ہے۔''

یہ کسی ایک شخص کا نظریہ نہیں ہے..... یہ بہت ہی قدیم نظریہ ہے۔ دراصل، خیال یہ ہے کہ

آپ کھلم کھلا کسی کے ساتھ لڑ سکتے ہیں لیکن کھلم کھلا محبت کا اظہار نہیں کر سکتے۔ چلو لڑائی جھگڑا تو مناسب ہے لیکن آپ کو سرعام کسی کو قتل کرنے کی اجازت ہے۔ درحقیقت جب دو افراد آپس میں لڑ رہے ہوتے ہیں تو پھر لوگوں کا ایک ہجوم یہ سب دیکھنے کے لئے کھڑا ہو جائے گا اور ہر شخص اس صورت حال سے لطف اندوز ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ قتل و غارت کی کہانیاں پڑھتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سنسنی خیز اور جاسوسی کہانیاں پڑھتے ہیں اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ قتل و غارت کی تو اجازت ہے لیکن محبت کے اظہار کی اجازت نہیں ہے۔ اگر آپ سرعام اظہار محبت کرتے ہیں تو اسے فحاشی سمجھا جاتا ہے۔ اب یہ کیسا عجیب معاملہ ہے کہ محبت فحاشی ہے اور قتل فحاشی نہیں ہے؟ عاشق اور معشوق سرعام اظہار محبت نہیں کر سکتے اور فوجی جنرل سرعام اپنے تمغے دکھاتے ہوئے اکڑتے ہوئے چلتے ہیں...... یہ سب قاتل ہیں اور یہ تمغے قاتلوں کے لئے ہیں! یہ تمغے اس امر کا اظہار ہیں کہ انہوں نے کس قدر افراد قتل کئے ہیں، کتنے افراد کو ہلاک کیا ہے۔ یہ امر تو فحاشی نہیں ہے۔

اس عمل کو بھی فحاشی میں شامل ہونا چاہئے، کسی کو بھی سرعام لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ فحاشی ہے، تشدد فحاشی ہے تو پھر محبت و پیار کس طرح فحش ہو سکتا ہے؟ لیکن پیار و محبت کو فحاشی سمجھا جاتا ہے، آپ اسے اندھیرے میں چھپانے پر مجبور ہیں۔ آپ کو تو محبت و پیار ایسے کرنا چاہئے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ آپ کو اسے اس قدر خاموشی، چوری چھپے انجام دینا چاہئے کہ فطری طور پر آپ اس سے بہت زیادہ لطف اندوز نہ ہو سکیں۔ اور پھر لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ محبت کیا ہے۔ خاص طور پر بچوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ محبت و پیار، کس چڑیا کا نام ہے۔

قدرے بہتر اور نئی دنیا میں، زیادہ سے زیادہ شعور و آگہی کے دور میں، محبت و پیار ہر طرف موجود ہوگا۔ بچوں کو معلوم ہو جائے گا کہ پیار و محبت کیا چیز ہے۔ بچوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جب آپ کسی کے ساتھ پیار و محبت کا اظہار کرتے ہیں تو کس قدر خوشی اور لطف اندوز حاصل ہوتا ہے۔ آپ محبت کے پھیلاؤ کو ہر طرف دیکھ سکتے ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ننھے سدارتھا (گوتم بدھ) نے پیار بھرے انداز میں ایک لڑکی کا ہاتھ تھاما ہوا ہے۔ اگر لوگ یہ سب کچھ دیکھتے ہیں تو وہ سب سیکھ جاتے ہیں کہ محبت و پیار کا اظہار کیسے کرتا ہے۔ اگر انہیں علم ہو جائے کہ محبت ہر جگہ موجود ہے تو ان کے دروازے کھلے ہیں۔

محبت کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جانا چاہئے، اس کی زیادہ سے زیادہ تعریف کی جانا چاہئے اور اسے زیادہ سے زیادہ پسند کیا جانا چاہئے اور تشدد کا پرچار کم سے کم کرنا چاہئے اور اسے رد کر دینا چاہئے۔ محبت تو زیادہ سے زیادہ ہر طرف موجود ہونا چاہئے۔ محبت و پیار میں مشغول دو افراد کو متفکر نہیں ہونا چاہئے کہ کسی کو پتا نہ چل جائے۔ انہیں قہقہے لگانا چاہئے، انہیں نغمہ سرا ہونا چاہئے، انہیں خوشی سے چیخنا چلانا چاہئے تاکہ قرب و جوار کے سب لوگوں کو علم ہو جائے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے محبت کر رہا ہے۔

محبت کو ایک تحفے کے مانند ہونا چاہئے، محبت تو ایک روحانی عمل ہے، بہت ہی مقدس عمل ہے۔

آپ ایک قتل ہونے والے شخص کے متعلق کتاب شائع کر سکتے ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، یہ تو فحاشی نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ فحاشی ہے۔ آپ ایک ایسی کتاب شائع نہیں کر سکتے، جس میں بتایا گیا ہو کہ ایک شخص نے ایک برہنہ خاتون کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے...... اسے فحاشی سمجھا جاتا ہے۔ اس دنیا میں ابھی تک محبت کے خلاف اظہار ہوا ہے۔ آپ کا گھرانہ محبت کے خلاف ہے، آپ کا معاشرہ محبت کے خلاف ہے، آپ کا ملک محبت کے خلاف ہے۔ یہ تو ایک معجزہ ہے کہ محبت ابھی تک تھوڑی بہت موجود ہے۔ نا قابلِ یقین امر ہے کہ محبت کا بہاؤ اور روانی ابھی تک جاری ہے، اگرچہ اس کی روانی اور بہاؤ اس قدر نہیں جیسا ہونا چاہئے۔ یہ سمندر کے مانند نہیں بلکہ محض ایک قطرہ ہے لیکن معجزہ یہ ہے کہ بے شمار دشمنوں کی موجودگی میں بھی محبت ابھی تک زندہ سلامت موجود ہے۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ یہ مکمل طور پر تباہی کا شکار نہیں ہوئی۔

اس اجتماعی مرکز/کمیون سے مراد وہ جگہ ہے کہ جہاں لوگ مل جل کر محبت و پیار سے رہیں اور ان کے درمیان نفرت و حقارت موجود نہ ہو، ایک دوسرے کے ساتھ مسابقت نہ ہو، اور جہاں محبت کا بہاؤ اور روانی زیادہ سے زیادہ دستیاب ہو۔ ایک دوسرے کے خلاف حسد نہ ہو اور کوئی کسی کی ملکیت نہ ہو۔ اور بچے بھی سب کی مشترکہ ملکیت ہوں گے کیونکہ بچے تو خدا کا مال ہیں جن کی ہر کوئی حفاظت و نگہداشت کرتا ہے، جن سے ہر کوئی پیار کرتا ہے۔ اور یہ بچے، اس قدر خوبصورت اور پیارے لوگ ہیں کہ کون ان سے پیار کرنا نہ چاہے گا؟ اور انہیں ہر دم یہ معلوم ہوتا رہے گا کہ کس قدر لوگ ان سے پیار کرتے ہیں، ان کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اس اجتماعی مرکز میں ہر مرد اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارتا ہے، ہر خاتون اپنے طور پر زندگی بسر کرتی ہے...... اسی طرح بچوں کو

بھی کھیلنے دیں، انہیں لطف اندوز ہونے دیں۔ انہیں چاہئے کہ جب ان کے والدین محبت میں مصروف ہوں تو انہیں اپنا کام کرنے دیں، بچے انہیں دیکھیں کہ وہ کس طرح اظہارِ محبت کر رہے ہیں، انہیں اس اظہارِ محبت کا حصہ بن جانا چاہئے۔ انہیں دیکھنے دیں کہ جب ان کی ماں محبت کرتی ہے تو اس کے چہرے پر کیسی خوشی و مسرت چھا جاتی ہے، اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور وہ خود میں کھو جاتی ہے۔ ان کا باپ جذبات سے کس قدر مغلوب ہو جاتا ہے، اور وہ خوشی و مسرت سے کس طرح چیختا چلاتا ہے، ان سب امور کا بچوں کو علم ہونا چاہئے۔

جب بے شمار افراد باہمی طور پر اظہارِ محبت میں مصروف ہوں تو بچوں کو ان تمام کے متعلق علم ہونا چاہئے۔ اور میں آپ کو بتاؤں کہ اگر یہ بچے دنیا میں موجود ہیں تو کوئی "پلے بوائے" نہیں پڑھے گا، اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی، اور پھر کسی کو کوک شاستر پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ برہنہ اور ننگی تصویریں غائب ہو جائیں گی، یہ تصویریں محض بھوکی شہوت اور بھوکی محبت کی عکاس ہیں۔

پھر یہ دنیا کسی حد تک عدم شہوت کی طرف گامزن ہو جائے گی اور ہر طرف محبت ہی محبت ہوگی۔ آپ کے دینی راہ نما اور پولیس کے سپاہی نے اس دنیا میں ہر قسم کی فحاشی تشکیل دے دی ہے۔ اس برائی کے ذمہ دار یہ لوگ ہیں اور آپ کے خاندان نے اس میں بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے، لہٰذا خاندان کو تو اب معدوم ہو جانا چاہئے، اسے ایک بڑے کمیون (اجتماعی) کی خاطر معدوم ہو جانا چاہئے، اس زندگی کی خاطر معدوم ہو جانا چاہئے جو معمولی معمولی شناختوں پر مبنی ہے۔

اس اجتماعی مرکز میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہوں گے، بدھ، ہندو، جین، مسیحی اور یہودی، سب یہاں موجود ہوں گے۔ اگر خاندان معدوم ہو جاتے ہیں تو پھر کلیسا بھی معدوم ہو جائیں گے کیونکہ یہ خاندان، کلیساؤں سے منسلک ہوتے ہیں۔ ایک آشرم میں ہر قسم کے لوگ شامل ہوں گے، تمام قسم کے مذاہب، فلسفوں اور نظریات کے حامل افراد شامل ہوں گے، اور بچے ان تمام افراد سے علم اور معلومات حاصل کریں گے۔ ایک دن وہ ایک شخص کے ساتھ کلیسا جائے گا اور دوسرے دن وہ دوسرے شخص کے ساتھ مندر جائے گا، اور پھر وہ ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات حاصل کرے گا، اور اس کی مرضی ہوگی کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے لئے اپنی مرضی اور

صوابدید کے مطابق مذہب کا انتخاب کر سکتا ہے، اسے کوئی مجبور نہ کرتا۔

اس طرح زندگی یہاں اور اب جنت کی شکل اختیار کر سکتی ہے، اس ضمن میں ہر قسم کی رکاوٹیں دور ہونا چاہئیں اور سب سے بڑی رکاوٹ تو خاندان ہے۔

آخری سوال:

صدیوں سے ہی یہ حقیقت تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ یسوع مسیح اور گوتم بدھ جیسے مصلحوں کو آگے آ کر انسانیت کی مدد کرنا چاہئے۔ اگر زندگی محض مذاق کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو پھر ان لوگوں نے کیوں اذیتیں اور مصیبتیں برداشت کیں؟

یہ بھی اس عظیم آفاقی مذاق کا ایک حصہ ہے۔ گوتم بدھ اور یسوع مسیح ...... یہ دونوں اس عظیم ناٹک کا ایک حصہ ہیں۔ انہیں سنجیدگی سے مت لیں، وہ سنجیدہ لوگ نہیں ہیں۔ وہ تو محض ڈرامہ کر رہے تھے۔ یہ سب کچھ محض مذاق تھا۔

جب میں یہ کہتا ہوں "یہ سب مذاق تھا" تو محض اس سے میری مراد یہ ہے کہ اسے سنجیدگی سے مت لیں اور نہ ہی اس سے افسردگی محسوس کریں۔ اسے ایک کھیل اور تفریح ہی رہنے دیں۔

کوئی بھی انسان نجات دہندہ نہیں ہو سکتا...... نہ ہی گوتم بدھ...... نہ ہی یسوع مسیح...... اور نہ ہی کوئی اور شخص...... اور میں بھی اس میں شامل ہوں...... کوئی انسان، نجات دہندہ نہیں ہے۔ پھر گوتم بدھ کا کیا مقصد ہے؟ گوتم بدھ تو محض بخشش اور برکت کی علامت ہے، وہ نجات دہندہ نہیں ہے۔ اگر آپ اس کے متعلق معلومات حاصل کریں، اسے سمجھیں تو پھر آپ کی زندگی میں مزید مصائب و مشکلات نہیں رہیں گی، گوتم بدھ کی ذات ایک روحانی مسرت و خوشی کا نام ہے۔

نہ تو گوتم بدھ آپ کو بچاتا ہے اور نہ ہی یسوع مسیح آپ کو بچاتا ہے۔ کوئی بھی شخص کسی کو نہیں بچا سکتا۔ صرف آپ ہی خود کو بچا سکتے ہیں لیکن یہ لوگ بخشش اور برکت کی علامت ہیں۔ اور اس بخشش اور برکت کا راز یہ ہے کہ خوش رہا جائے، افسردگی کو قریب نہ پھٹکنے دیا جائے۔ بخشش اور برکت کا راز یہ ہے کہ خود کو تکلیف اور اذیت میں مبتلا نہ کیا جائے۔ اور پھر سنجیدہ چہرہ، لمبوترا چہرہ، غیر مذہبی چہرہ۔ یہی وجہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ زندگی ایک آفاقی مذاق ہے۔ زندگی مایوسی کا نام نہیں ہے اور زندگی ناقابلِ احترام بھی نہیں ہے۔ دنیا کے لئے انتہائی عزت و احترام

کی بات ہے کہ میں آپ کو دکھا سکتا ہوں کہ یہ دنیا ایک کھیل ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندو اس دنیا کو ناٹک کہتے ہیں۔

اس دنیا میں ہنسی خوشی وقت گزاریئے اور یہی تفریح و کھیل، آپ کی بخشش ہے، اور پھر صرف آپ ہی ہیں جو خود کو بچا سکتے ہیں۔ میں آپ کو اپنا خلوص پیش کر سکتا ہوں، میں نجات دہندہ نہیں ہوں، میں آپ کے ساتھ صرف ہمدردی، خلوص کا اظہار کر سکتا ہوں۔

☆☆☆

پانچواں باب

ترکیب در ترکیب

ایک دفعہ نقشبندی مسلک کے کسی صوفی بزرگ سے کسی نے پوچھا: ''آپ کے مسلک کے لغوی معنی ''نقش (خاکہ) بنانے والے'' ہیں۔ آپ کس چیز کا نقش (خاکہ) بناتے ہیں اور اس کا استعمال کہاں ہوتا ہے۔

اس صوفی بزرگ نے کہا: ''ہم جو نقش (خاکے) بناتے ہیں، ان کی عظمت کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ ان نقشوں (خاکوں) میں سے ایک کی مثال یوں ہے:

ایک دفعہ ایک لوہار بے گناہ پکڑا گیا اور اسے قید میں ڈال دیا گیا۔ اس نے قید خانے کے پہریداروں کی خوشامد کر کے گھر سے ایک چٹائی منگوائی جو اس کی بیوی نے بُنی تھی۔ وہ اس چٹائی پر نماز ادا کرتا اور خدا کے حضور سجدے بھی کرتا۔ تھوڑے عرصے بعد اس نے قید خانے کے پہریداروں سے کہا: ''میں ایک غریب آدمی ہوں اور مجھے یہ علم نہیں کہ میں اس قید سے چھوٹ سکوں گا بھی کہ نہیں۔ آپ کی تنخواہ بھی کم ہے۔ میں لوہار ہوں۔ مجھے کچھ لوہا اور اوزار لا دو۔ میں چھوٹی موٹی چیزیں بنا دوں گا جنہیں تم بازار میں بیچ سکو گے، اور پھر ہم دونوں کا فائدہ ہو جائے گا۔''

پہریداروں نے لوہار کی بات مان لی، اور پھر لوہار اور پہریدار دونوں نفع کمانے لگے اور ان کی ضروریاتِ زندگی پوری ہونے لگیں۔

پھر ایک دن جب پہریدار، لوہار کی کوٹھڑی گئے تو انہوں نے دیکھا کہ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہے اور لوہار فرار ہو چکا ہے۔

''بہت سالوں بعد، جب اس لوہار کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو جس شخص نے اسے کوٹھڑی میں ڈالا تھا، لوہار سے پوچھا کہ وہ کس طرح کوٹھڑی سے فرار ہوا تھا۔ اس نے کون سا جادو استعمال

کیا تھا۔لوہار کہنے لگا: یہ تو محض ایک نقش (خاکے) کا کمال ہے، یعنی ایک نقش (خاکے) کے اندر ایک اور نقش (خاکہ)۔میری بیوی چٹائیاں بنتی ہیں۔اس نے اس قفل ساز کو تلاش کرلیا جس نے اس کوٹھڑی کے تالے بنائے تھے اور اس سے تالے کا نقش (خاکہ) حاصل کرلیا۔پھر اس نے یہ نقش (خاکہ) چٹائی پر عین اسی جگہ بُن دیا جہاں سجدے کے دوران میرا سر چُھوتا تھا۔میں ایک لوہار ہوں اور مجھے یہ نقش (خاکہ) تالے کے نقش (خاکے) کے مطابق معلوم ہوا۔پھر میں نے لوہے کی اشیاء بنانے کا منصوبہ ترتیب دیا تاکہ لوہا حاصل کرسکوں۔پھر میں نے اس لوہے سے چابی بنالی اور تالا کھول کر فرار ہوگیا۔''

پھر نقشبندی صوفی بزرگ کہنے لگا: ''یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے انسان، اس قیدخانے (دنیا) کی مصیبتوں اور مشکلات سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔''

انسان بغیر کسی تصریح کے پیدا ہوا ہے۔اسے یہ تو علم ہے کہ وہ اس دنیا میں موجود ہے لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔یہ انسان اس دنیا میں بغیر کسی تصریح، بغیر کسی شناخت کے وارد ہوا۔انسان، اس دنیا میں آزادی کی علامت کے طور پر داخل ہوتا ہے۔اس کی تمام زندگی اپنے آپ کو تلاش کرتے، اپنی تصریح کرنے اور خود کو جاننے کی کوشش کرتے صرف ہوجاتی ہے۔

صرف انسان ہی ایک ایسا جانور ہے جو یہ سوال پوچھتا ہے: ''میں کون ہوں؟'' صرف یہ جانور، انسان ہی یہ سوال پوچھ سکتا ہے کیونکہ ہر دوسرے جانور کی ایک قطعی اور مکمل تصریح اور شناخت موجود ہوتی ہے۔گلاب، گلاب ہے اور کتا، کتا ہے..... لیکن ایک انسان، محض ایک انسان نہیں ہے۔انسان میں لامحدودیت اور ماورایت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی ہے۔گلاب، ایک محدود عمل ہے جس کی مکمل تصریح وتشریح موجود ہے جبکہ انسان ایک لامحدود عمل ہے جس کی مکمل تصریح وتشریح ممکن ہی نہیں ہے۔گلاب کی تعریف اور تشریح بیان کی جاسکتی ہے لیکن انسان کی تعریف اور تشریح بیان نہیں کی جاسکتی۔گلاب کو کئی پہلوؤں کے لحاظ سے بیان کیا جاسکتا ہے لیکن انسان کے کسی پہلو کے متعلق بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔انسان کے متعلق کوئی اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ایک انسان آج سخت گنگاہگار ہوسکتا ہے اور کل کلاں وہ ایک نہایت ہی پرہیزگار اور نیک انسان بن سکتا ہے۔انسان کے متعلق کلی طور پر کچھ بھی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔انسان کسی مخصوص امر کے بجائے ایک مستقل عمل اور مراحل کے مانند ہے۔یہی خصوصیت، انسان کی شان،

عظمت اور وقار بھی ہے اور یہی خصوصیت اس کی تذلیل، تحقیر اور اہانت کی بنیاد بھی ہے کیونکہ تمام عمر وہ یہی معلوم کرنے میں گزار دیتا ہے کہ وہ کون ہے اور انسان بار بار اپنے ذات کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے۔تلاش بسیار سے بھی اس کی ذات روشن اور منور نہیں ہوتی۔

اس مرحلے سے آگے انسان کو سمجھنا بہت ضروری ہے کیونکہ اسی شعور وآگہی کے بعد ہی انسان کی شناخت، اس کی سچائی اور اس کی حقیقت کی طرف گامزن ہوا جاسکتا ہے۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ ''انسان کسی شناخت اور تصریح کے بغیر پیدا ہوا ہے''، تو اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ''پہلے سے بنا بنایا'' پیدا نہیں ہوا۔انسان ایک ایسی چیز ہے جس میں روح بعد میں پھونکی جاتی ہے ورنہ دیگر اشیاء مثلاً درخت میں روح، یعنی بیج پہلے موجود ہوتا ہے۔

انسانی ذات کا عمل اُلٹا ہے۔سب سے پہلے اس کی ذات، اس کی زندگی بغیر کسی شناخت، نظام، لائحہ عمل کے وجود میں آتی ہے۔اس کا وجود، نامعلوم اور نیستی سے وجود میں آتا ہے اور وہ پھر آہستہ آہستہ اپنی شخصیت، اپنی شناخت بناتا ہے، اسے اپنی ہستی خود تخلیق کرنا پڑتی ہے، اسے اپنی ہستی خود تشکیل دینا پڑتی ہے اور اس ضمن میں اسے بے شمار مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔کون جانتا ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوتا ہے کہ نہیں۔اس امر کی کوئی ضمانت نہیں کہ آیا اس کی تلاش تکمیل کے مراحل طے کرتی ہے یا نہیں۔

کتے کا وجود، ایک کتے کی حیثیت سے ہی نمودار ہوتا ہے۔اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ایک مور کو مور کی شخصیت اختیار کرنے میں کسی ناکامی کا خوف نہیں ہوتا۔چیتے کو کوئی فکر نہیں ہوتی، اسے بے خوابی کا مرض لاحق نہیں ہوتا کیونکہ وہ پہلے ہی اس ہستی کی شکل اختیار کرچکا ہے جس میں اسے متشکل ہونا چاہئے تھا۔

اس لئے انسان پر ذمہ داری بھی بہت بڑی عائد ہوتی ہے..... کیونکہ بصورت دیگر آپ اپنی روح سے بھی محروم ہوجائیں گے۔یہ ذمہ داری آپ کی اپنی ذات کے متعلق ہے، اسی کو کبھی طمانیت اور تسکین محسوس نہیں ہوتی، آپ کی ذات ہمیشہ خالی رہتی ہے۔اگر آپ اپنی ذات کی تلاش، تخلیق اور تشکیل کی کوشش نہیں کرتے، اگر آپ اپنی ذات کی شناخت کے لئے کوشش نہیں کرتے تو پھر آپ کا وجود بے روح رہے گا۔

انسان کی ذات وہ نہیں، جو تشکیل پاسکتی ہے..... انسان تو محض آغاز ہے، لیکن اس کا اختتام

نامعلوم ہے۔ انسان کسی تصریح، تشریح اور شناخت کے بغیر اس دنیا میں آتا ہے اور قطعی آزاد پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان، اپنی ذات کی تلاش کے لئے سرگرداں نہیں ہوتا تو اس دنیا میں موجود بے شمار انسانوں کے مانند خالی ہی رہے گا۔

یہی صورت حال اس دنیا کے لاکھوں انسانوں کو درپیش ہے۔ وہ بے روح ہیں۔ ان کی ہستی اور ذات تو موجود ہے، لیکن اس میں طمانیت تسکین، خوشی موجود نہیں ہے۔ انسان کی یہ حالت اشتعال، بے چلنی اور مشکلات ومصائب کی مظہر ہے...... یہ حالت جسے گوتم بدھ، مکمل تباہی کے نام سے پکارتا ہے۔ روحانی خوشی اور مسرت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آپ اپنی ذات کی تاریکی سے باہر نکل آتے ہیں، جب آپ کو کوئی شناخت حاصل ہو جاتی ہے، جب آپ کو روشنی اور سچائی نصیب ہوتی ہے، جب آپ کے اندر سے شعلہ سا اٹھتا ہے اور آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کون ہیں۔ اس علم و آگہی کے باعث آپ اپنی ذات اور ہستی سے آشنا ہو جاتے ہیں...... بصورت دیگر آپ اجنبی ہی رہتے جو ہمیشہ اپنی ذات اور گھر کی تلاش میں رہتا ہے اور کبھی اپنے گھر پہنچ نہیں پاتا۔ آپ ہمیشہ ایک مسافر کے مانند راستے کی تلاش میں رہتے ہیں، جسے اطمینان و آرام کبھی نصیب نہیں ہوتا کیونکہ آرام وسکون تو اس مسافر کی قسمت میں ہے جو اپنے گھر پہنچ جاتا ہے۔

لہٰذا، انسان کی تمام زندگی اپنی ذات، اپنے گھر کی تلاش میں صرف ہو جاتی ہے، جہاں وہ اطمینان وسکون کا سانس لے سکے، جہاں آپ اپنی ذات کو سمجھ سکیں، اپنی ذات میں مکمل اور بھرپور مگن ہو سکیں۔ زندگی کے لئے روح ضروری ہے، اور زندگی میں سے روح کی تشکیل لازمی ہے۔

اور جب میں کہتا ہوں کہ ''انسان کو خود اپنی تخلیق کرنا چاہئے'' تو میری مراد یہ ہوتی ہے کہ انسان کو اپنے خدا کی ''صفتِ تخلیق'' اختیار کرنا چاہئے۔ جانور بھی زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں، وہ اپنی شخصیت کی تشکیل و تخلیق نہیں کرتے، اسی طرح درخت بھی زندہ رہتے لیکن وہ اپنی ذات و ہستی کی تشکیل و تخلیق نہیں کرتے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز برآمد ہوتی ہے تو یہ ایک قدرتی عمل ہوتا ہے، پھل اُگیں گے، پھول اُگیں گے، لہٰذا، صرف انسان ہی ہے جو تشکیل و تخلیق کا عمل اپناتا ہے۔ انسان کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا عمل کرے گا، اس امر کا قطعی کوئی امکان نہیں تھا کہ پکاسو ایک تصویر بناتا۔ آم کے پودے سے آم ہی پیدا ہوں گے لیکن انسان کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا تخلیق کرے گا۔ پکاسو کے متعلق کچھ اندازہ نہ تھا کہ وہ تصویر بنائے گا، یا گوتم بدھ

بنے گا، یا پھر ایک رقاص بنے گا یا پھر کچھ اور...... کوئی نہیں جانتا......

انسان تو ایک گورکھ دھندا ہے، ایک تخلیقی گورکھ دھندا ہے۔ وہ اپنی فطرت میں مبہم، متغیر اور متلون ہے۔ آپ اسے قطعی طور پر کوئی نام نہیں دے سکتے، آپ اسے قطعی طور پر کسی بھی قسم کی شناخت نہیں دے سکتے۔ انسان کے اندر روز بروز تبدیلی واقع ہوتی ہے، وہ ایک دریا کے مانند ہے۔ یہ انسان کی عظمت ہے۔ انسان، وہ واحد جانور ہے جو تخلیقی عمل پر قادر ہے، انسان وہ جانور ہے جو خداتعالیٰ کی تخلیقی صفت کو اپنا سکتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک مسئلہ بھی جڑا ہوا ہے۔ کسی بھی قسم کی عظمت، کسی مسئلے یا تکلیف کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی۔ عظمت یہ ہے کہ آپ اپنی کسی خوبی سے محروم ہو سکتے ہیں، آپ اپنی مرضی سے نغمہ سرائی نہیں کر سکتے، آپ اپنی خواہش کے مطابق رقص نہیں کر سکتے۔ آپ ناکام بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا، انسان، مستقل طور پر ناکامی کے خوف میں گرفتار رہتا ہے، اپنی ہستی کے معدوم ہونے کے خوف میں مبتلا رہتا ہے، عدم تسکین اور عدم طمانیت کے خوف کا شکار رہتا ہے۔ خالی ہونے کا خوف اسے دامن گیر رہتا ہے، سبزے اور شادابی سے محرومی اور صحرا بن جانے کے خطرے سے دوچار رہتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے؟ آپ کسی چیز کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ انسان کے وجود اور زندگی کی بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

ناکامی کا امکان ننانوے فیصد ہوتا ہے، لہٰذا کامیابی کا امکان محض ایک فیصد ہوتا ہے، اس لئے انسان کا دل مضطرب رہتا ہے۔ انسان کا ہر قدم نامعلوم ہے جس کی کوئی ضمانت نہیں، جس کا کوئی اندازہ نہیں۔ آپ کا ہر قدم آپ کو نامعلوم کی طرف لے جاتا ہے۔ آپ کو قطعی طور پر نہیں معلوم کہ آپ اپنی منزل تک پہنچ سکیں گے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ایک کھڑی چٹان پر پہنچ جائیں جہاں سے آپ کہیں بھی نہ جا سکیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ واپس لوٹ آئیں اور آپ کی کوشش ضائع ہو جائے، کسی کو بھی نہیں معلوم؟

جب کسی انسان کو اپنی منزل کا علم نہ ہو تو وہ تاریکی میں بھی کھو سکتا ہے لیکن انسان کو تو آگے بڑھنا ہے، اسے کوشش کرنا ہے، کیونکہ اگر آپ کوشش نہیں کریں گے، تو پھر زندگی آپ کے ہاتھ سے پھسل جائے گی۔ کوشش نہ کرنے سے کوشش کرنا بہتر ہے کیونکہ کوشش کے ذریعے آپ اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن عدم کوشش کے ذریعے منزل تک پہنچنے کا قطعی امکان نہیں۔ اس لئے

کوشش یا عدم کوشش کا انحصار، انسان پر ہے۔

اس قسم کے تمام متبادل راستے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے آپ چوراہے پر کھڑے ہیں ...... اور تمام سڑکیں ایک جیسی دکھائی دیتی ہے۔ یہ راستہ بھی درست ہو سکتا ہے، وہ راستہ بھی سیدھا ہو سکتا ہے اور انسان یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون سا راستہ منزل کو جاتا ہے۔ آپ کو مسلسل کوشش میں سرگرداں رہنا ہوگا۔ منزل پر پہنچنے اور مقصد کے حصول کے لئے آزمائش اور غلطی پر مبنی صرف ایک ہی راستہ انسان کے لئے دستیاب ہے ...... یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ یہ طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ وہ خود کو زیادہ باسہولت اور آرام دہ زندگی کا عادی بنا لیتے ہیں۔ کہیں نہ جانے کی نسبت بہتر یہی ہے کہ آپ دوراہے پر بیٹھ کر انتظار کریں، اس طرح کم از کم آپ غلطی سے تو محفوظ ہو جائیں گے۔

لیکن دوراہے پر بیٹھ کر غلطی سے بچنے کی خاطر کوئی راستہ نہ اختیار کرنے کی عادت، آپ کو تسکین وطمانیت مہیا نہیں کرے گی۔ ممکن ہے آپ سے غلطی نہ سرزد ہو لیکن آپ منزل پر بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا، وہ لوگ جو غلطی کرنے سے گھبراتے ہیں، وہ ترقی کرنے اور کامیابی کے حصول کے عظیم مواقع ضائع کر دیتے ہیں۔

انسان کو چاہئے کہ وہ خود کو تلاش کرے۔ اسے سوال پوچھنا ہوگا۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ جو لوگ اس عمل سے اجتناب کرتے ہیں وہ اپنے لئے خطرے کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ "میں کون ہوں؟" یہ سوال پوچھنا چاہئے اور خود سے اس وقت تک پوچھتے رہنا چاہئے جب تک آپ کے اندر سے آپ کو جواب نہیں مل جاتا۔ یہ صرف ایک مذہبی سوال ہے۔

اور یاد رکھیں، انسان کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ یہ "پہلے سے بنا بنایا" پیدا نہیں ہوا۔ انسان کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ انسان تو ایک مسلسل عمل ہے۔ اس نے آگے بڑھنا ہے، اس نے ترقی کرنا ہے، یعنی اسے خود کی تلاش کرنا ہے تاکہ اپنی ذات سے ماورا ہو سکے۔ انسان، اپنی ذات سے ماورا ہونے اور اس سے آگے نکلنے کے لئے مسلسل کوشش میں ہے۔

یہ نہایت عجیب تماشا ہے کہ انسان خود سے ماورا ہونے کی کوشش کرے لیکن انسان بھی عجیب وغریب ہے جسے سمجھنا انتہائی مشکل ہے۔ یہ ایک ایسا پل ہے جسے آپ کو ہر حالت میں عبور کرنا ہے۔ جو لوگ اس پل پر اپنے مکانات بنواتے ہیں تو وہ اس سمندر کے دوسرے کنارے کبھی

نہیں پہنچیں گے۔ انسان کو مسلسل کوشش کرنا ہوگی۔ اس کوشش میں ایک ہزار ایک مشکلات ومصائب ہیں، ایک ہزار ایک مسائل ہیں، ایک ہزار ایک رکاوٹیں ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود انسان کو آگے بڑھنا ہے۔ سچائی کا علم حاصل کرنے سے پہلے انسان بے شمار غلطیاں کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے ماضی سے مسلسل کٹ کر آگے بڑھتا ہے۔ ماضی کی آپ کو خبر ہے اور مستقبل کی آپ کو خبر نہیں ہے اور آپ کو کامیابی کے لئے ہمیشہ نامعلوم کے لئے معلوم کی قربانی دینا ہوتی ہے۔ ترقی اور کامیابی کے حصول کا یہی ایک واحد طریقہ ہے۔ اگر آپ ماضی سے چمٹ جاتے ہیں تو ترقی اور کامیابی رک جاتی ہے۔ اگر آپ ماضی میں بہت زیادہ الجھ جاتے ہیں تو آپ ٹامک ٹوئیاں مارنے لگتے ہیں۔

انسان مسلسل سفر میں مصروف ہے اور ظاہر ہے کہ سفر کے دوران مسائل بھی پیش آتے ہیں۔ جانوروں، درختوں، چٹانوں اور دریاؤں کے لئے مسائل پیش نہیں آتے، مسائل صرف انسان کے لئے پیش آتے ہیں کیونکہ ان درختوں، چٹانوں وغیرہ کے لئے پہلے ہی سے ہر چیز مقرر کر دی گئی ہے لیکن انسان کے لئے ہر چیز پہلے سے مقرر نہیں کی گئی۔ اسے کوشش کے ذریعے اپنے کام کرنے میں، جدوجہد کر کے اپنی قسمت بنانا ہے۔ قدرت نے اسے بے شناخت پیدا کیا ہے، اسے کوشش کر کے اپنی شناخت حاصل کرنا ہے۔ لیکن ان مسائل کو مسائل نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ انہیں اپنی آزمائش سمجھنا چاہئے، ان مسائل کو دشمن نہیں بلکہ دوست سمجھنا چاہئے کیونکہ ان کے ذریعے ہی ایک انسان سیکھتا ہے، علم وآگہی حاصل کرتا ہے، اپنی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے۔

اس تلاش کے باعث نقشے بنانے پڑتے ہیں، خاکے بنانا پڑتے ہیں۔ اس تلاش کے باعث آپ کو راہ نمائی درکار ہوگی۔ یاد رکھئے، نقشہ، صرف ایک نقشہ ہے، یہ ملک نہیں ہے جس کی یہ ترجمانی کرتا ہے۔ بھارت کا نقشہ بھارت نہیں ہے۔ کوئی بھی خاکہ، کوئی بھی نقشہ، سچائی نہیں ہوتا، یہ تو محض نقشہ اور خاکہ ہوتا ہے لیکن اس کے ذریعے بہت زیادہ مدد مل سکتی ہے۔ ایک نقشے کے ذریعے یہ علم حاصل کرتے ہوئے کہ یہ ملک نہیں ہے، بہت زیادہ مدد حاصل ہو سکتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک نقشہ، ملک سے مشابہت بھی نہیں رکھتا ...... یعنی بھارت کے نقشے کو دیکھ کر آپ کسی بھارتی چیز کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ نقشہ کسی کے بھی مانند نظر نہیں آتا۔ نقشہ صرف ایک مددگار آلہ ہے، یہ ایک استعارہ ہے، اور علامتی نمائندہ ہے۔

لیکن یہ نقشہ بہت زیادہ مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ لوگ آپ سے کہیں ماورا اور افضل ہیں، وہ آپ کے لئے نقشے بنا سکتے ہیں...... اور یہی مرشد کا کام ہے۔ جن لوگوں نے اپنی ذات کی آگہی حاصل کر لی ہے، جو اپنی منزلوں تک پہنچ چکے ہیں، جو لوگ اپنی ذات میں روح داخل کر چکے ہیں...... وہ آپ کو راہ نمائی مہیا کر سکتے ہیں، آپ کو نقشے فراہم کر سکتے ہیں۔

صوفی انہیں نقش (نقشے/ خاکے) کہتے ہیں، اور اس ضمن میں ایک عقیدہ/ مسلک بھی موجود ہے...... جسے نقش بند کہتے ہیں۔ یہ صوفیانہ مسلک، بہت ہی اہم ہے۔ انہیں، اس نام سے ہی پکارا جاتا ہے۔ ایک اور عقیدے (مسلک) کو "بُننے والے" کہا جاتا ہے، ایک اور مسلک کو "کشتی ساز" کہا جاتا ہے۔ صوفیوں کے اس طرح کے کام ہوتے ہیں۔ یہ نام بہت عملی ہوتے ہیں اور ان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مسلک کیا کام کر رہا ہے۔

نقشبندی، خاکے اور نقشے (نقش) بناتے رہے ہیں۔ آپ نے ہندوستانی نقش بندیوں کو دیکھا ہوگا۔ صرف لکیریں نظر آتی ہیں، آڑھی ترچھی لکیریں لیکن جب آپ کو معلوم ہوگا کہ ان سے کیسے مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے تو آپ حیران ہو جائیں گے۔ یہ آپ کے تمام سفر کا نقشہ ہے۔ اس نقشے سے کوئی نہ کوئی بات ضرور ظاہر ہوتی ہے لیکن اس بات کو سمجھنے کے لئے آپ کو یہ زبان معلوم ہونا چاہئے۔ اس نقشے کی اپنی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے...... جو عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتی اور عام لوگ اسے خطرناک انداز سے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس نقشے کے اندر بہت زیادہ طاقت پوشیدہ ہے۔ یہ نقشہ صرف انہی کو دیا جا سکتا ہے جو اسے تیار کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب نے اپنی تعلیمات وضع کی ہیں لیکن نقشبندیوں کا مقابلہ کسی کے بس کی بات نہیں۔

سب سے پہلے اس امر کو سمجھنا ہوگا کہ نقشہ ایک طریقہ ہے۔ یہ نہ تو درست اور نہ ہی غلط ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایک آفاقی طریقہ ہے، لہٰذا اس کی اپنی نوعیت کے اعتبار سے سچائی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک دفعہ گوتم بدھ سے کسی نے پوچھا: "کیا بدھ مت کا پیروکار جھوٹ بول سکتا ہے؟ کیا روشنی اور سچائی سے منور کوئی شخص جھوٹ بول سکتا ہے؟" گوتم بدھ نے جواب دیا: "اسے جھوٹ بولنا پڑتا ہے...... کیونکہ اسے نقشے وضع کرنے ہوں گے...... نقشے جھوٹے ہوتے ہیں...... جھوٹے اس لحاظ سے کہ یہ نقشے سچے نہیں ہوتے۔ یہ سچائی کی علامتیں ہوتی ہیں۔ جب آپ سچائی تک پہنچ جائیں گے

تو آپ اس نقشے کو پھینک دیں گے۔ یہ نقشہ صرف اس لحاظ سے مفید تھا۔" اس طرح گوتم بدھ نے سچائی کی ایک انوکھے انداز میں تعریف کی ہے۔ وہ کہتا ہے "جو چیز مفید ہے، وہ سچی ہے۔" اس کی یہ تعریف انتہائی عملی اور سائنسی ہے، اور اسی طرح نقش بندیوں کا طرزِ عمل بھی عملی اور سائنسی ہے۔

ایک قدیم حکایت، نقشبندیوں کی ایک مشہور حکایت ہے کہ آگ میں گھری ایک عمارت میں کچھ بچے موجود تھے۔ ان کے باپ نے انہیں باہر آنے کو کہا۔ جب انہوں نے باپ کے حکم کو نظر انداز کر دیا تو اس نے کہا کہ وہ ان کے لئے کھلونا گاڑیاں لے کر آیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ بھاگ کر اس عمارت سے باہر آ گئے۔ وہ کھلونا گاڑیاں نہیں لایا تھا لیکن اس نے اپنے بچوں کی جانیں بچا لیں۔

باپ نے جھوٹ بولا تھا۔ یہ ننھے بچے اپنے کھیل میں اس قدر مگن تھے کہ انہیں احساس تک نہ تھا کہ وہ آگ کے شعلوں میں گھری عمارت میں کھیل رہے ہیں۔ لیکن ان کا باپ عمارت سے باہر تھا اور اسے خطرے کا احساس ہوا اور اس نے اپنے بچوں کو آواز دی۔ وہ بلند آواز سے بولا: "باہر آ جاؤ!" لیکن بچے اپنے اس کھیل میں اس قدر مگن تھے کہ انہوں نے اپنے باپ کی آواز نہیں سنی۔ اس نے جھوٹ گھڑا۔ اس نے کہا: "دیکھو! میں تمہارے لئے کھلونا گاڑیاں لایا ہوں جو تم ہمیشہ سے لینا چاہتے تھے۔ بہت سی کھلونا گاڑیاں اور بہت خوبصورت، آؤ اور یہ کھلونے لے لو۔" اور وہ سب دوڑتے ہوئے عمارت سے باہر آ گئے۔ باپ کے پاس کھلونا گاڑیاں نہیں تھیں...... باپ جھوٹ بول رہا تھا...... لیکن اس نے اپنے بچوں کی جانیں بچا لی تھیں۔

اب یہ ایک طریقہ ہے، یہ نقشبندی طریقہ ہے، یہ ایک ترکیب ہے۔ یہ نہ تو سچ ہے اور نہ ہی غلط ہے لیکن یہ مفید ہے، انتہائی مفید ہے۔ کیا آپ کہیں گے کہ جب باپ نے جھوٹ بولا تو اس نے گناہ کا ارتکاب کیا؟ کیونکہ تمام مذاہب کی یہی تعلیم ہے۔ "سچائی اختیار کرو، سچ بولو!"

ایسی صورتِ حال اکثر واقع ہوتی ہے کیونکہ آپ سب بچے ہیں، اور گھر کو آگ لگی ہوتی اور آپ نہیں سُنتے۔ آپ اپنے کاموں میں مگن ہیں۔ کوئی شخص بے شمار کاموں میں مشغول ہے، کوئی سیاست کا کھیل کھیل رہا ہے، کوئی کچھ کھیل رہا ہے۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مستغرق ہیں۔ اور پھر آخر تک وہ اپنے خوابوں اور خواہشات میں ہی ڈوبے رہیں گے۔

اور مکان تو مسلسل آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا ہے۔ چونکہ آپ موت کی زندگی گزار رہے ہیں، مکان مسلسل آگ میں گھرا ہوا ہے۔ کسی بھی لمحے آپ ختم ہو جائیں گے۔ لیکن آپ تو

اپنے کاموں میں اس قدر مگن ہیں کہ مرشد کو کوئی نہ کوئی ترکیب وضع کرنا ہوگی۔

ایک دفعہ ایسی ہی صورت حال پیش آ گئی۔

ایک شخص، ایک عظیم بزرگ کے پاس حاضر ہوا کرتا اور ہمیشہ یہی پوچھتا ''جناب، ایک چیز مجھے الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ آپ بہت زیادہ معصوم ہیں، نیک ہیں، پرہیزگار ہیں، یہ کس طرح ممکن ہے؟ میرے ذہن میں یہ شکوک ابھرتے ہیں کہ آپ محض دکھاوا کرتے ہیں۔ گناہوں بھری اس دنیا میں ایک شخص کیسے اس قدر نیک، پرہیزگار اور متقی ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ اندر سے آپ دنیادار ہوں لیکن بظاہر آپ نے اپنی موجودہ حیثیت برقرار رکھی ہو، اور آپ بخوبی طور پر یہ اداکاری کر رہے ہوں۔''

ایک دن وہ شخص پھر آیا، اور اس نے اپنا وہی سوال دہرایا۔ جواب میں مرشد نے کہا: ''دیکھو! ایک اہم چیز ایسی ہے جو میں تمہیں کچھ کہنے سے قبل دکھانا چاہتا ہوں۔ اپنا ہاتھ باہر نکالو۔'' مرشد نے اس شخص کا ہاتھ دیکھا، بہت ہی افسردہ ہو گیا، اپنی آنکھیں بند کر لیں اور رونا شروع کر دیا۔ وہ شخص کہنے لگا: ''جناب کیا معاملہ ہے، آپ کیوں رو رہے ہیں، میں نے پہلے کبھی آپ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا؟'' مرشد نے کہا: ''میں اس لئے رو رہا ہوں کہ تمہاری زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہیں۔ تمہاری زندگی کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اگلے اتوار تم مر جاؤ گے۔ یہی وجہ ہے کہ میں رو رہا ہوں۔ اب تم مجھ سے پوچھو جو تم پوچھنا چاہتے تھے؟''

وہ شخص کہنے لگا: ''میں بھول گیا ہوں کہ میں کیا پوچھنا چاہتا تھا۔ آپ نے مجھے بہت زیادہ پریشان کر دیا ہے۔ میری زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہیں!''

یہ مرشد لوگوں کو اس قدر محبوب تھا، وہ اس کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ انہیں کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی کہ وہ جھوٹ بولے گا۔

بہرحال، وہ شخص بھاگم بھاگ گھر پہنچا، بیمار پڑ گیا اور سات دن تک وہ اپنے بستر سے ہلا تک نہیں۔ ہر روز اس کا دل ڈوب ڈوب جاتا، نہ کچھ کھاتا اور نہ پیتا، وہ ان سات دنوں میں سوچ بھی نہ سکا۔ عزیز رشتہ دار اکٹھے ہو گئے۔ ساتویں دن وہ اس کی موت کا انتظار کرنے لگے، کیونکہ مرشد نے کہا کہ سورج غروب ہوتے ہی اس کی زندگی کا سورج بھی غروب ہو جائے گا۔ اب صرف نصف گھنٹہ باقی تھا۔ سورج اب غروب ہونے ہی کو تھا، سب رشتہ دار، دوست، بیوی اور بچے رو

رہے تھے اور وہ شخص موت کے خیال میں گم تھا۔

پھر وہ مرشد آیا اور اس شخص سے کہنے لگا: ''میرے ایک سوال کا جواب دو۔ ان سات دنوں میں تم نے ایسا کوئی کام کیا جسے تم گناہ کہہ سکتے ہو، تم نے کوئی برا کام کیا؟ کیا اس قسم کا کوئی خیال تمہارے ذہن میں آیا، کسی قسم کا دنیاداری کا کام تمہیں سوجھا؟''

اس شخص نے بہت مشکل سے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا: ''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میں تو مر رہا ہوں۔ جب کوئی شخص مر رہا ہو تو اسے ان گناہوں یا دنیاوی باتوں سے کیا غرض ہو سکتی ہے؟ اب تو صرف موت ہی مجھے نظر آ رہی ہے، میرے قریب آ رہی ہے۔ ان سات دنوں میں کوئی بھی دنیاوی خواہش میرے دل میں پیدا نہیں ہوئی۔ میرا تو صرف خدا ہی کی طرف دھیان تھا، میں خدا سے دعا مانگ رہا تھا اور خدا کے نام کی تسبیح کر رہا تھا۔''

مرشد ہنسنے لگا۔ اس نے کہا: ''اٹھ کھڑے ہو، تم مرنے والے نہیں ہو۔ یہ تو ایک ایسی ترکیب تھی کہ میں تمہیں دکھا سکوں کہ میں اس قدر نیک، پرہیزگار اور متقی کیسے ہوں۔ موت مسلسل مجھے گھیرے ہوئے ہے، اس سے مجھے کوئی غرض نہیں کہ یہ موت مجھ پر سات دنوں یا ستر سالوں میں وارد ہوتی ہے، یہ صرف وقت کی بات ہے کہ موت تو یقینی ہے، کسی بھی لمحے ہم موت کے قابو میں آ سکتے ہیں۔ جب موت قریب ہوتی ہے تو یہ تمہارے ضمیر کے بہت قریب پہنچ جاتی ہے۔ پھر زندگی میں ایک عظیم، ایک انقلابی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔''

وہ شخص ہنسنے لگا: اس نے کہا: ''آپ نے مجھ سے مذاق کیا تھا۔'' اب وہ بالکل ٹھیک تھا۔ چند لمحوں ہی میں اس کی حالت سدھر گئی تھی۔ لیکن وہ کہنے لگا: ''مرشد، ایک چیز مجھے بتایئے، آپ نے یہ جھوٹ کیوں بولا؟'' مرشد کہنے لگا: ''یہ نہ تو جھوٹ تھا، نہ ہی سچ تھا، یہ تو ایک ترکیب تھی، نقش بندیوں کا ایک طریقہ تھا۔''

یہ نقشے، یہ ترکیبیں، آپ کی مدد کے لئے ایجاد کی گئی ہیں۔ ان نقشوں کو بہت زیادہ خود پر طاری مت کر لیجئے۔ انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیجئے۔ اگر آپ انہیں استعمال نہیں کر سکتے تو انہیں بھول جایئے آپ کے لئے ان میں کوئی افادیت موجود نہیں ہے۔

انسان کو اس دنیا میں ایک خاص مقصد کے لئے اتارا گیا ہے اور اس مقصد کا شعور و ادراک بہت ضروری ہے۔ مسیحیت کے نظریے کے مطابق انسان کو بطور سزا، اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

یہ انتہائی احمقانہ نظریہ ہے۔ نہ صرف یہ نظریہ احمقانہ ہے بلکہ اس میں خدا کی توہین کا پہلو بھی موجود ہے کہ خدا نے اس معمولی مقصد کے لئے انسان کو اس دنیا میں بھیج دیا...... کیونکہ حضرت آدمؑ نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی؟ ہر بچہ، اپنے باپ کی حکم عدولی کرتا ہے، اسے اپنے باپ کی نافرمانی کرنا پڑتی ہے۔ درحقیقت، اپنے باپ کی حکم عدولی کے ذریعے وہ اپنی ذات کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی نہ کسی دن، ہر بچے کو اپنے باپ کی تابعداری سے منہ موڑنا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے والدین کی حکم عدولی نہیں کرے گا تو اس کی اپنی ذات اور شخصیت ختم ہو جائے گی۔ اس کی حیثیت محض ایک سایے کی سی رہ جائے گی۔ اسے باغیانہ طرزِ عمل اختیار کرنا ہوگا، اسے ''نہیں'' کہنا ہوگا۔ یاد رکھئے ''نہیں کہنے'' سے مراد صرف اپنے وجود، اپنی ذات اور اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جب آپ اپنے والدین کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دیتے ہیں، آپ اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں۔

آدم وحوا، یہی کچھ کر رہے تھے جو ایک انسان کو کرنا چاہئے۔ یہ صورت حال نہایت فلسفیانہ ہے۔ خدا نے حکم دیا: ''اس درخت کا پھل مت کھانا، علم کے اس درخت کا پھل مت کھانا۔'' اگر آپ اس حکم کے متعلق نقشبندی مسلک کے صوفی بزرگ سے پوچھیں تو وہ کہے گا کہ یہ ایک نقشبندی طریقہ ہے۔ یہ ایک ترکیب ہے۔ خدا، آدم وحوا کو اس درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دے رہا ہے۔ درحقیقت خدا، آدم وحوا کو اس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کر رہا بلکہ ترغیب دے رہا ہے۔ جنت کے باغ میں اَن گنت درخت تھے۔ اگر آدم کو علم کے درخت کی ذمہ داری سونپ دی جاتی تو شاید آدم علم کے اس درخت کو تلاش نہ کر سکتے۔ یہ درخت، جنت میں موجود لاکھوں درختوں میں سے ایک تھا اور یہ کوئی خاص درخت نہ تھا۔ یہ ایک عام سیب کا درخت تھا۔ جنت میں سیب کے لاکھوں درخت تھے لیکن سیب کے اس درخت کو علم سے بھر دیا گیا تھا۔

خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے یہ کیوں کہا: ''اس درخت کے پھل کو مت کھانا!'' مسیحی سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ حضرت آدم کو نظم وضبط سکھانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے حکم کی نافرمانی مت کریں۔ یہ درست نہیں ہے۔ اس کے متعلق نقش بندیوں سے پوچھیں، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں علم ہے کہ مختلف مقاصد کے لئے تراکیب کیسے وضع کی جاتی ہیں۔ یہ مختلف طریقے اور تراکیب ایجاد کرنے والے لوگ ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے سب سے پہلا منصوبہ ترتیب دیا۔ اس نے

حضرت آدم کو ترغیب دی اور ایک مبہم اور غیر واضح حکم کی خلاف ورزی پر اُکسایا۔ ''اس علم کے درخت کا پھل مت کھانا۔'' اس طرح خدا نے آدم وحوا کے دل میں خواہش پیدا کر دی۔

اس کے بعد آدم وحوا، اس درخت کے خواب دیکھنے لگے اور وہ اس درخت کے گرد چکر کاٹنے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ اس درخت کو چھوئیں، اس درخت کے پھل کو ہاتھ لگائیں، اس درخت کے پھل کی خوشبو سونگھیں، وہ محض اب مناسب وقت کے منتظر تھے۔ وہ قدرے خوفزدہ بھی تھے۔ ہر انسان اور انسان کا بچہ خوفزدہ ہوتا ہے، انہیں بھی خوفزدہ ہونا چاہئے تھا۔ کافی دفعہ وہ اس درخت کے پاس گئے اور واپس آئے ہوں گے، کئی دفعہ انہوں نے حکم عدولی، بغاوت کرنے کا سوچا ہوگا...... اور وہ لازمی طور پر خوفزدہ ہو گئے ہوں گے...... ''اگر خدا کو معلوم ہو گیا تو پھر کیا ہوگا؟ پھر اس خواہش سے آپ کب تک باز رہ سکتے ہیں...... کیونکہ یہ تمام صورت حال، باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ تشکیل دی گئی تھی۔ جب ایک دفعہ آدم، خدا کی نافرمانی کرتا، اس کی اپنی ذات سامنے آ جاتی۔ خدا تعالیٰ کی حکم عدولی کے ذریعے آدم کی ذات نمایاں ہو جاتی۔

یہی وجہ ہے کہ بچوں کو ایک نہ ایک دن ہر چیز سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ آپ انہیں کوئی کام کہتے ہیں اور وہ انکار کر دیں گے۔ وہ اپنی شخصیت اور ذات کو نمایاں کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہوتے ہیں ''یہ میری شناخت ہے، یہ میں ہوں۔'' آپ پرے ہو جائیں، مجھے اپنے وجود اور ذات کو نمایاں کرنے دیں۔ یہ میری جگہ ہے، صرف میں یہاں موجود ہوں گا۔''

کل رات ایک سنیاسن، اپنے ننھے سے بچے کے ساتھ میرے پاس آئی کہ اس بچے کو بھی سنیاس دیا جائے۔ میں نے اس بچے کی آنکھوں میں جھانکا اور مجھے اس میں آدم نظر آیا۔ وہ انکار کرنا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں ''نہیں'' کہہ رہی تھیں۔ اس کا تمام بدن سراپا انکار تھا۔ مجھے اس لڑکے سے پیار ہو گیا تھا۔ جب میں نے مالا اس کے گلے میں ڈالنا چاہی تو اس نے یہ مالا پرے کر دی۔

ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ لڑکے میں کسی کی روح موجود تھی...... آرام کی روح اور جذبہ! وہ کہہ رہا تھا ''مجھے تمہاری پروا نہیں، میں، میں ہوں۔ میری ذات کسی دوسرے کی شناخت سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتی۔'' وہ الفاظ کے ذریعے تو نہیں بلکہ اپنی جسمانی حرکات وسکنات، مالا کو پرے پھینکنے کے ذریعے سراپا انکار بن چکا تھا۔

یہی کچھ تو آدم نے کیا تھا۔ یہ سب کچھ آدم نے ہی کرنا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک منصوبہ تھا۔

خداتعالیٰ کا یہ منصوبہ بہت خوبصورت تھا۔ نقش بندی کہتے ہیں کہ خدانے یہ تمام منصوبہ آدم کو ترغیب دلانے کے لئے وضع کیا تھا، کیونکہ جب تک آدم میں یہ خواہش پیدا نہ ہوتی، اسے اپنی شخصیت نمایاں کرنے کا موقع حاصل نہ ہوتا۔ اسے خدا کی نافرمانی کرنا ہی تھی تاکہ وہ دنیا میں قدم رکھ سکتا۔ یہ سزا نہیں تھی، قطعی طور پر یہ سزا نہیں تھی، خدا ناراض نہیں تھا۔

جب اس ننھے بچے نے مالا پرے پھینکی تو مجھے اس سے ایسا پیار ہو گیا جیسا میں نے کسی اور بچے سے پیار نہیں کیا تھا۔ اس میں کچھ حد تک حوصلہ و ہمت موجود تھی۔ وہ بہت چھوٹا بچہ تھا، لیکن اس کی جرات و ہمت بہت بڑی تھی۔ وہ چھوٹا تھا لیکن وہ دنیا بھر سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ خدا نے آدم کو سزا نہیں دی، خدا کو تو آدم سے پیار تھا۔ اگر آدم، خدا کا حکم مان لیتا تو اس دنیا کا وجود بھی نہ ہوتا، یہاں کوئی انسان نہ ہوتا، یہ سب آدم کی نافرمانی کا شاخسانہ تھا۔ پھر انسان کو اپنی پہلی شناخت حاصل ہو گئی اور اسے اپنی ذات کی موجودگی کا پہلی دفعہ احساس ہوا۔

خدا نہ تو ناراض ہے، نہ ہی اس میں اَنا کا مادہ موجود ہے اور نہ ہی وہ دیوانگی کے جذبے سے سرشار ہے۔ اس کا آدم کے ساتھ پیار تھا اور اس کی رحمت آدم کو حاصل تھی۔ یہی میرا احساس بھی ہے۔ جب آدم کو جنت سے نکالا جا رہا تھا تو خدا کی رحمت اس کے ساتھ تھی۔ اب وہ اپنی ذات کے راستے پر گامزن ہو چکا تھا۔ یہی تو ایک باپ اپنے بچوں سے چاہتا ہے کہ ایک دن وہ خود اپنے طور پر اپنے راستے پر گامزن ہو جائیں، وہ خود کو تلاش کریں اور اپنی ذات و شخصیت کی تخلیق و تشکیل کریں۔ آپ کی کتنے عرصے تک نگہداشت و دیکھ بھال کی جا سکتی ہے؟ آپ کو خطرات کا سامنا کرنا ہو گا، آپ کو گناہوں کے درمیان رہنا ہو گا، آپ کو اس دنیا کی بھول بھلیوں کا مشاہدہ کرنا ہو گا۔ یہ نہیں ہے کہ انسان کو جنت سے نکال باہر کیا گیا، بلکہ یہ آدم کی اپنی بغاوت تھی۔ اور اس دنیا میں انسان کی آمد، اس کے لئے سزا نہیں ہے۔ اس کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی تھی، اور اسی منصوبہ بندی کے مطابق خدا نے اس دنیا کی تخلیق کی۔

اب چونکہ مسیحی اس فلسفے کو قطعی طور پر سمجھ ہی نہیں سکے، اس لئے انہوں نے یہ احمقانہ کہانی گھڑی کہ خدا نے آدم کو سزا کے طور پر اس دنیا میں بھیجا۔

اور پھر اس کہانی کا دوسرا حصہ فطری انداز میں آگے بڑھتا ہے۔ یسوع مسیح نے خدا کے حکم پر لبیک کہا اور اسے واپس اپنے پاس بلا لیا گیا۔ اب مسیحیوں کا موقف یہ ہے کہ چونکہ آدم نے خدا کے

حکم کی نافرمانی کر کے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اس لئے تمام بنی نوع انسان کو سزا ملی۔ اور چونکہ یسوع مسیح نے خدا کے حکم پر لبیک کہا، لہٰذا، یسوع مسیح کے ذریعے تمام بنی نوع انسان کی نجات ہو گئی۔

یہ موقف بھی بے معنی ہے۔ آدم کے گناہ کی سزا آپ کو کیسے مل سکتی ہے؟ اور یسوع مسیح کے واپس اپنے خدا کے پاس زندہ جانے سے آپ کی نجات کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر آپ کے اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟ پھر تو آپ محض پتلیاں ہیں۔ گناہ آدم نے کیا اور سزا آپ کو۔ آپ تو اس گناہ میں شریک نہیں تھے۔ آپ کو تو آدم کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا کہ اس کا وجود ہے بھی یا نہیں...... اور آپ کو محض اس لئے سزا مل رہی ہے کہ آدم نے گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔

یہ تو سراسر بے انصافی ہے۔ کسی نے ہزاروں سال پہلے گناہ کیا اور آپ سزا بھگت رہے ہیں۔ یہ تو نہایت ہی غیر منصفانہ عمل ہے اور کسی بھی صورت میں اسے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور پھر دو ہزار سال قبل، یسوع مسیح نے خدا کے حکم پر لبیک کہا، اور اس کے واپس زندہ خدا کے پاس بلائے جانے کے باعث تمام انسانیت کی نجات ہو گئی۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص گناہ کرتا ہے تو سزا آپ کو دی جاتی ہے، اور جب ایک شخص نیک بن جاتا ہے تو آپ بھی نیک بن جاتے ہیں۔ آپ کہاں سے آئے؟ آپ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ پھر آپ کا وجود کچھ بھی نہیں۔ یہ تمام ڈرامہ محض آدم اور یسوع مسیح کے درمیان میں ہی ختم ہو گیا۔ آپ تھے یا نہیں؟ اس سے کوئی فرق رونما نہیں ہوتا۔ اگر آدم نہ ہوتا تو آپ بھی نہ ہوتے، اور اگر یسوع مسیح نہ ہوتے تو آپ کی نجات بھی ممکن نہ تھی۔ یہ سب عقائد کس قدر احمقانہ ہیں۔ نہ تو آپ کو آدم کی وجہ سے سزا ملی اور نہ ہی آپ یسوع مسیح کے باعث نجات پا گئے۔ آپ تو وہی ہوں گے جو آپ کو ہونا تھا اور یہ آپ کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اور اگر آپ یہ ذمہ داری قبول نہیں کرتے تو یہ آپ کی اپنی مرضی ہے۔

نقشبندی کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا نقش تھا، یہ سب سے پہلا منصوبہ تھا جو خدا نے ترتیب دیا۔ خدا نے ایک ایسی صورت حال ترتیب دی کہ آدم نے بغاوت کر دی۔ اور اس وقت سے لے کر انسان بغاوت کرتا چلا آ رہا ہے۔ انسان کو گھر واپس آنے کے لئے اندھیرے میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ سزا نہیں ہے۔ انسان کو بطور سزا اس دنیا میں نہیں پھینکا گیا، انسان کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ خود کو دریافت کرے۔

رابرٹ فراسٹ ہر رات دعا مانگا کرتا تھا۔ مجھے اس کی دعا اچھی لگتی تھی۔ وہ خدا سے اس

طرح کلام کرتا تھا: ''اگر آپ اپنے خلاف میری درخواست معاف کردیں تو میرا آپ کے ساتھ وعدہ ہے کہ اپنے خلاف میں آپ کا بہت بڑا گناہ معاف کر دوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے اور انسانیت کے خلاف آپ کا بڑا گناہ معاف کردوں گا۔''

یہ نہایت بامعنی دعا ہے۔ اگر آدم کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اس کا یہ گناہ چھوٹا ہے۔ اور آدم تو اللہ کا بندہ ہے...... اسے معاف کیا جا سکتا ہے، لیکن خدا کے متعلق کیا خیال ہے؟ اس نے آدم کو ترغیب دی۔ خدا کے متعلق کیا خیال ہے؟ اس نے یہ تمام صورت حال ترتیب دی۔ اگر آدم کے فعل کو گناہ سمجھا جاتا ہے تو پھر یہ چھوٹا گناہ ہے، ایک بہت ہی معمولی گناہ۔ لیکن خدا کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا اسے ایک ایسی معمولی چیز کا بھی علم نہ تھا جسے کوئی بھی ماہرِ نفسیات بھی جانتا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو اُکساتے ہیں، کسی کو ترغیب دیتے ہیں تو آپ ایک خاص صورت حال تشکیل دیتے ہیں۔ خدا نے آدم کو ترغیب دی...... یہ اس کا بہت بڑا گناہ (نعوذ باللہ) تھا۔ اگر آدم کا گناہ گناہ ہے تو پھر خدا کا گناہ بہت بڑا ہے (نعوذ باللہ)۔

لیکن دونوں میں سے کسی کا بھی گناہ نہیں ہے۔ میں آدم کے گناہ کو چھوٹا گناہ نہیں کہتا اور نہ ہی خدا کے گناہ (نعوذ باللہ) کو بڑا گناہ کہتا ہوں۔ یہ تو محض خدا کا منصوبہ تھا کہ آدم اپنے طور پر آگے بڑھے، اپنی ذات کو تلاش کرے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔

کیا آپ نے کبھی مشاہدہ کیا ہے کہ جب درختوں پر بہار آتی ہے اور ان پر پھل آتا ہے اور بیج پک جاتے ہیں...... تو پھر ہر درخت اپنے بیج ہوا کے ذریعے، پرندوں کے ذریعے، پرے پھینکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب بعض اوقات درخت یہ محسوس کرتا ہے کہ بیج بھاری ہونے کے باعث ہوا انہیں دور لے جانے کے قابل نہیں تو وہ ایک منصوبہ ترتیب دیتا ہے، نقشبندی کرتا ہے، ایک ایسی صورت حال پیدا کرتا ہے کہ یہ بیج کہیں اور چلا جائے کیونکہ اگر بیج اس بہت بڑے درخت کے نیچے گرتا ہے تو پھر یہ کبھی بھی نہیں اُگ سکے گا۔ اس لئے اس بیج کو اپنے طور پر اُگنا چاہئے، اسے اپنے لئے جگہ خود تلاش کرنا چاہئے۔

ایسے درخت بھی ہوتے ہیں جو اپنے بیج اس طرح اُگاتے ہیں کہ ان کے گرد روئی کی معمولی سی مقدار موجود ہوتی ہے۔ یہ بیج تو بھاری ہوتا ہے لیکن روئی کا وزن نہیں ہوتا اور ہوا اس روئی کو اپنے ساتھ اڑا کر لے جا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بیج بھی کہیں دور چلا جائے گا اور ایک مناسب

اور کھلی جگہ تلاش کر لے گا جہاں وہ ایک عظیم درخت بن سکتا ہے۔

یہی طریقہ خدا نے آدم کے ساتھ بھی اپنایا۔ خدا نے آدم کو کہیں اور دھکیلنے کی کوشش کی کیونکہ انسان اس جگہ نشو و نما پا سکتا ہے جہاں وہ اپنے طور پر موجود ہو۔ ایک نہ ایک دن، بچے کو سکول جانا ہوتا ہے، ایک نہ ایک دن بچے کو ہوسٹل بھیجنا پڑتا ہے، ایک نہ ایک دن بچے نے یونیورسٹی جانا ہوتا ہے، بچہ روتا اور چلاتا ہوا جاتا ہے۔ وہ اپنے خاندان اور دوستوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ وہ اپنے ماضی سے تعلق نہیں چھوڑنا چاہتا، وہ اپنے آرام و سکون اور تحفظ و سلامتی کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ وہ ان چیزوں کو چھوڑنا نہیں چاہتا لیکن اس نے تو آگے جانا ہے، اسے دنیا میں پھینکا جانا ہے۔ یہی کچھ تو خدا نے کیا، یہ خدائی منصوبہ تھا۔

جب آپ ایک دفعہ اس دنیا میں آ گئے تو پھر آپ خود ہی سیکھ جائیں گے۔ بہت دفعہ آپ گریں گے، یہ ایک قدرتی عمل ہے، بار بار گرنے اور ناکام ہونے کے بعد آپ میں کچھ بصیرت پیدا ہونا شروع ہوگی، اور یہ بصیرت آپ کو آپ کے پیروں پر کھڑا کر دے گی۔

آدم کی اس دنیا میں آمد ہوئی...... آدم کو اس دنیا میں وارد ہونا ہی تھا۔ جب آدم اپنی ذات کو تلاش کر لیتا ہے، اپنی ذات کو پہچان لیتا ہے تو وہ یسوع مسیح بن جاتا ہے۔ یسوع مسیح آدم کے سوا کچھ نہیں کہ جس نے شعور و ادراک حاصل کر لیا تھا۔ اب وہ اپنے گھر واپس جا سکتا ہے، اب خدا اسے وہاں خوش آمدید کہے گا۔ اس نے آگہی اور فہم حاصل کر لی۔ یہ دنیا بذات خود ایک نقش بندی ہے جہاں لوگ اپنی ذات کو پہچان سکیں، اپنی ذات تلاش کر سکیں۔

ضمیر، شعور، آگہی، کسی چیز کے مانند نہیں ہے، یہ نہ تو ٹھوس، مکمل، بھرپور اور عطا کردہ نہیں ہے بلکہ اس کو سیکھنے کی ضرورت ہے، شعور و آگہی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی نشو و نما ہونا ہے، اس کی حفاظت ہونا ہے۔ آپ کو تو اپنے شعور، فہم اور ضمیر کا محافظ ہونا چاہئے۔ آپ کو اس کی نشو و نما کے لئے پانی، جگہ، دھوپ، روشنی اور کھاد فراہم کرنا ہوگی۔ آپ کو اس چھوٹے سے پودے کی حفاظت کرنا ہوگی...... یہ پودا بہت نازک، کمزور، نرم ہے، اسے کوئی بھی چیز کچل سکتی ہے۔

اس لئے یاد رکھئے! ضمیر، شعور، آگہی کسی چیز کے مانند نہیں۔ یہ نہ تو ٹھوس، مکمل، بھرپور اور عطا کردہ نہیں ہے۔ یہ تو ایک مسلسل اور خود تخلیقی عمل ہے۔

اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ شعور و آگہی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آپ ماضی سے

تعلق ختم کر دیتے ہیں۔ جب ہم اپنی عادت سے مجبور ہو کر ماضی سے چمٹے رہتے ہیں تو پھر ہمارا شعور اور فہم نشو ونما نہیں پاتا۔ اب تک جو آپ نے سیکھا ہے، اسے بھول جایئے، یہ سب کچھ اب ختم ہو چکا۔ آپ نے یہ تمام کچھ سیکھ لیا ہے، اسے خود میں جذب کر لیا ہے۔ اب تک آپ جو کچھ بھی بن چکے، اسے بھول جایئے تا کہ آپ اس سے بہتر کچھ اور بن سکیں۔ اپنے ماضی تک محدود مت رہئے۔ جو لوگ ماضی کے قید خانے میں بند ہو جاتے ہیں، وہ قیدی کہلاتے ہیں۔

اسی کو تو نقشبندی صوفی قید خانہ کہتے ہیں۔ ماضی کا قید خانہ۔ اس قید خانے کا تالا ہر روز توڑ دینا چاہئے۔ انسان کو ہر لمحہ اس قید خانے سے باہر نکل کر اپنی نشو ونما کرنا چاہئے۔

آپ کو چاہئے کہ اپنے ماضی کو ترک کر دیں، اس طرح ماضی کے قید خانے سے باہر نکل آئیں گے۔ اگر آپ کا کوئی مستقبل نہیں ہے، صرف آپ کا ماضی ہی ہے تو پھر آپ انسان نہیں، محض ایک شے ہیں۔ انسان وہ ہوتا ہے جس کا مستقبل ہو۔ ایک انسان وہ ہوتا ہے جو ماضی کے بوجھ سے آزاد ہو، جو ماضی کو ترک کرتا جاتا ہو، جو ماضی کو رَد کرتا جاتا ہو۔ آپ کو تو بہت سا پہلے ہی سے معلوم ہے، اسے دہرانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب ایک انسان ماضی کو نہیں دہراتا، جب وہ اپنے سابقہ تجربات نہیں دہراتا، وہ نشو ونما پاتا ہے اور انسان مزید ترقی کرتا ہے۔

انسان میں یہ خوبی ہے کہ وہ اپنی ذات سے بھی ماوراء ہو جاتا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ کی ذات، آپ کی سوچ سے بھی افضل و بلند ہو جائے۔ آپ کو ہمیشہ اپنی سوچ سے آگے بڑھ کر سوچنا چاہئے، آپ کو یہ طریقہ اپنانا ہوگا، آپ کو سرِ عام یہ اعلان کرنا ہوگا۔

یہی تو وہ چیز ہے جسے نئی زندگی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نئی زندگی کی طرف پیش رفت کرتے ہیں تو میں آپ کو نیا نام دیتا ہوں تا کہ آپ کو شناخت حاصل ہو جائے۔ پھر دوبارہ یہ نقشبندی طریقہ ہے...... یہ تو محض اس امر کی علامت ہے کہ آپ کا ماضی ختم ہو چکا ہے، وہ باب بند ہو چکا ہے۔ کسی نئی چیز کا آغاز کریں، اپنی نئی ذات تخلیق کریں۔ اپنی نئی شخصیت اختیار کریں۔ یہ تو محض ایک استعارا ہے۔ اگر آپ اسے بخوبی طور پر سمجھ لیں تو آپ اس کا بہتر استعمال کر سکتے ہیں۔ اور اسی لمحے سے آپ سچائی اور روشنی حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ کو یہ بات مسلسل یاد رکھنا چاہئے۔ ہر رات جب آپ سونے کے لئے بستر پر جاتے ہیں تو اپنی آنکھیں بند کر لیجئے اور اس باب کو بند کر دیجئے جو گزر چکا ہے۔ ماضی کو ختم کر دیجئے۔ اپنے آپ کو یقین دلا دیجئے کہ اب

ماضی کچھ بھی نہیں ہے۔ اپنے ماضی کو بھلا دیجئے، اس بات کا اعلان کر دیجئے تا کہ اگلی صبح آپ تازہ دم بیدار ہوں، تا کہ آپ معصوم بیدار ہوں۔ صرف اس وقت ہی آپ کی آگہی، فہم اور شعور کی نشو ونما ہوتی ہے۔

انسان میں یہ خوبی موجود ہے کہ وہ اپنی ذات سے ماوراء اور بالاتر ہو سکتا ہے۔ اس کی ذات ایک ایسی چیز ہے جو کہیں بلند و بالا ہو سکتی ہے۔ سادہ زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان آزاد ہے...... بلکہ انسان بذات خود آزادی ہے۔ آزادی، انسان کی روح ہے، سب سے پہلے انسان ہے، اس کے بعد اور کوئی چیز ہے۔ انسان کو اپنی روح خود تخلیق کرنا چاہئے، انسان کو خود اپنی ذات، اپنی شخصیت تخلیق کرنا چاہئے۔ انسان تو تغیر پذیر ہے۔ انسان کی ذات اور شخصیت روزانہ نئی پیدا ہوتی ہے اور یہ نئی ذات اور شخصیت، اس کی اپنی ذات اور شخصیت میں سے پیدا ہوتی ہے۔

انسان کا یہی مقصد ہے، اس کی زندگی کا یہی مقصد ہے جو ہر انسان کی ذمہ داری ہے، اور اس مقصد کے لئے آپ کو نقشوں (منصوبوں، طریقوں) کی ضرورت ہے۔ ہر مذہب کے اپنے نقشے ہوتے ہیں، اور یہ بھی یاد رکھئے کہ ان نقشوں کو آپس میں گڈ مڈ مت کریں۔ اگر آپ ایک نقشہ استعمال کر رہے ہیں، تو اس نقشے پر خلوص، عزم اور پختہ ارادے کے ساتھ عمل کیجئے۔ ان نقشوں کو آپس میں گڈ مڈ مت کیجئے کیونکہ مختلف نقشے مختلف لوگوں کے تیار کردہ ہوتے ہیں جن کے اپنے اپنے نظریات ہوتے ہیں۔ ان کی تیاری یکساں خطوط پر نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ ایک نقشہ سڑک کا ہو، دوسرا نقشہ ریل کی پٹڑی کا ہو، تیسرا نقشہ سیاسی ہو جو حد بندیوں کی نشاندہی کرتا ہو، چوتھا نقشہ مذہبی ہو جو کسی اور چیز کو ظاہر کرتا ہو، پانچواں نقشہ جغرافیائی محل وقوع ظاہر کرتا ہو۔ تمام نقشے مختلف لوگوں کے مختلف طریقوں کا اظہار ہیں۔ ان نقشوں کو گڈ مڈ نہ کریں ورنہ آپ الجھ جائیں گے۔ اگر آپ ایک نقشہ استعمال کر رہے ہیں تو ایک ہی نقشہ آپ کے لئے کافی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میں ان کوششوں کے خلاف ہوں جو دنیا میں مختلف مذاہب کو اکٹھا کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ مختلف مذاہب یکجا نہیں ہو سکتے۔ مختلف مذاہب کی یکجائی کے لئے کوشش ایسا ہی احمقانہ اور نامعقول فعل ہے جیسے کیمیا اور نفسیات اور عضویات اور طبیعات اور حیاتیات، تاریخ، جغرافیہ اور مذہب کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تمام عمل محض وقت اور کوشش کا زیاں ہوگا۔ مختلف مذاہب، مختلف طریقے ہیں جن کی اپنی اپنی حدود اور راستے ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ حتمی طور پر ایک سچائی موجود ہے...... جو تمام مذاہب کی منزل ہے لیکن اس منزل تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں۔ سب کی آخری منزل اور ہدف ایک ہے لیکن اس منزل اور ہدف تک پہنچنے کے لئے نقطہ ہائے آغاز کو یکجا نہیں کرنا چاہئے۔ سب کے نقطہ ہائے آغاز مختلف ہیں۔ ان سب کو آپس میں گڈمڈ مت کریں ورنہ آپ الجھ جائیں گے۔ لہٰذا، جو نقشہ آپ کو پسند آ جائے۔ اسے نہایت خلوص کے ساتھ اپنا لیں اور عزم صمیم کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں۔

اس عمل کو اپنانے سے قبل، تین امور کے متعلق آگہی ضروری ہے۔ صوفیانہ مسلک کے تین ستون ہیں۔ یہ نقشبندی ہے، یہ ایک طریقہ، راستہ ہے تاکہ آپ راہ نمائی حاصل کرسکیں۔ یہ ایک قسم کا نقشہ ہے جس کا پہلا ستون اسلام، دوسرا ایمان اور تیسرا احسان ہے۔

اسلام سے مراد بندگی، طاعت ہے، اپنی اَنا سے دستبرداری، ماضی سے نجات، اپنی نام نہاد ''میں'' کی فنا...... مکمل بندگی، سپردگی اور اطاعت۔ یہ پہلا بنیادی ستون ہے۔ اسلام ایک خوبصورت اور حسین لفظ ہے۔ اس کے دیگر کئی معنی بھی ہیں۔ لیکن بنیادی معنی، بندگی، اطاعت اور سپردگی کے ہیں۔ اسلام کے دوسرے معنی امن/سلامتی کے ہیں۔ جب ایک انسان اطاعت اور بندگی کا عمل اختیار کر لیتا ہے تو پھر امن وسلامتی کی فضا قائم ہو جاتی ہے، کیونکہ جب آپ عاجزی اور انکسار کا اظہار کرتے ہیں تو تمام جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ جب آپ کسی مرشد، کسی فلسفے، کسی مسلک یا نقشے کے سامنے اطاعت کا اظہار کرتے ہیں تو پھر آپ کو انتہائی سکون محسوس ہوتا ہے۔ اب آپ کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، آپ کو کوئی ذات ایسی مل گئی ہے جس میں آپ بھروسا کر سکتے ہیں۔ آپ کو کوئی راہ نما ایسا مل گیا ہے جسے راستے کا علم ہے۔ آپ کو کوئی ایسی ہستی مل گئی ہے جو بصیرت، سچائی اور روشنی سے مالا مال ہے۔ آپ اس کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔ جب آپ کسی پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں تو پھر آپ ہر قسم کے خوف اور ڈر سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ جب آپ کسی پر اعتماد کرتے ہیں، اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں تو پھر ہر قسم کے شکوک وشبہات اور تنازعات ختم ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا تیسرا مطلب ''خاموشی'' ہے۔ امن وسلامتی سے مراد یہ ہے کہ اب زندگی میں ہر طرف امن و امان ہے، زندگی میں مزید کوئی انتشار نہیں، بدمزگی نہیں ہے، کوئی پس وپیش، کوئی

ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ میں کون سا راستہ اختیار کروں۔ جب آپ ایک دفعہ اپنے لئے مرشد کا انتخاب کر لیتے ہیں تو پھر ہر طرف امن وسکون کا دور دورہ ہو جاتا ہے کہ اب آپ کی راہ نمائی کرنے والا موجود ہے کہ کونسا راستہ اختیار کیا جانا چاہئے۔ آپ کا خلوص، آپ کی اطاعت اور آپ کی لگن خالص ہے، اب آپ کو کسی اور کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں، آپ اپنے متفکر اور مشکوک ذہن کو ایک طرف رکھ سکتے ہیں، پھر امن وسلامتی کی فضا قائم ہو جاتی ہے......اور پھر خاموشی اور سکوت، جو امن وسلامتی کا دوسرا پہلو ہے۔

کیا آپ نے کبھی مشاہدہ کیا ہے کہ بعض اوقات جب آپ کسی کی محبت وچاہت میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو پھر اچانک آپ کے اندر خاموشی اور سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ آپ کے دل ودماغ میں کوئی خیال بھی موجود نہیں رہتا، کوئی بلبلہ نہیں اُبھرتا، ممکن ہے کہ آپ کے باہر شوروغل برپا ہو، آمدورفت جاری ہو، ہوائی جہاز شور مچاتے گزر رہے ہوں، ریل گاڑی زناٹے سے گزر رہی ہو......لیکن جب آپ کے اندر خاموشی ہو، تو پھر ٹریفک، ہوائی جہاز اور ریل گاڑی کے شوروغل کے باوجود آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آپ ان سب سے بے نیاز اپنے اندر کی خاموشی میں مگن اور مستغرق ہوتے ہیں۔ جب آپ کے اندر خاموشی اور سکوت موجود ہوتا ہے تو پھر آپ کو اپنے گردوپیش میں بھی خاموشی اور سکوت محسوس ہوتا ہے۔

محبت کے معاملے میں طاعت کا عنصر بہت کم ہوتا ہے کیونکہ محبت میں آپ اور آپ کا محبوب برابر ہوتے ہیں۔ یہ طاعت زیادہ حد تک نہیں ہوتی۔ آپ جس خاتون یا مرد کی محبت میں گرفتار ہوتے ہیں، وہ آپ کا آشنا ہوتا ہے لہٰذا، اس معاملے میں اطاعت کا عنصر بہت کم ہوتا ہے۔

جب آپ ایک مرشد کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں تو وہ مرشد آپ سے بے انتہا ماوراء لیکن آپ کے بہت نزدیک ہوتا ہے۔ مرشد سیڑھی کے مانند ہوتا ہے جس کا پہلا قدمچہ بہت نزدیک اور آخری قدمچہ بہت ہی دور، آسمانوں میں بلند ہوتا ہے۔ جو بادلوں کے ساتھ سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے۔ جب آپ طاعت کرتے ہیں تو سیڑھی کا ایک سرا آپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور دوسرا سرا خدا کے پاس ہوتا ہے۔ مرشد تو نا خدا ہوتا ہے، وہ آپ جیسا نظر آتا ہے، بالکل آپ جیسا نظر آتا ہے لیکن پھر بھی وہ آپ جیسا نہیں ہوتا۔ وہ آپ کے پاس پہنچ چکا ہے، اس نے آپ کو تلاش کر لیا ہے، اب آپ کی تلاش ختم ہو چکی ہے۔

اسلام، صوفیانہ مسلک کا پہلا ستون ہے..... طاعت، بندگی، امن، سلامتی، خاموشی، سکوت۔

دوسرا ستون ایمان ہے..... ایمان سے مراد اعتقاد، اعتماد، بھروسا ہے..... یقین نہیں ہے، یقین تو تصورات پر کیا جاتا ہے، بھروسا اور اعتقاد موجود اور حقیقی چیزوں پر ہوتا ہے۔ اگر جو کچھ میں آپ سے کہتا ہوں، آپ اس پر بھروسا اور اعتماد کر لیتے ہیں، تو پھر یہ یقین ہے۔ اگر مجھ میں آپ کو مقناطیس جیسی کشش محسوس ہوتی ہے، اگر کوئی نامعلوم توانائی آپ کو میری طرف کھینچتی ہے، پھر اسے اعتماد کہتے ہیں۔ جب آپ کسی منطقی بیان پر یقین کرتے ہیں، یہ یقین ہے، جب آپ کسی انسان کی موجودگی پر یقین کرتے ہیں تو یہ بھروسا اور اعتماد ہے۔ بھروسا، ذاتی ہوتا ہے اور یقین، تصوراتی ہوتا ہے۔ ایمان سے مراد بھروسا اور اعتماد ہے۔

صوفی کہتے ہیں کہ آپ کوئی بھی کام اکیلا سر انجام نہیں دے سکتے۔ مرشد کی راہ نمائی کے بغیر یہ تقریباً ناممکن ہے۔ مرشد کے بغیر آپ کی ذات اور وجود حادثاتی ہوگا جو ادھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ آپ روشنی اور سچائی حاصل کرنے کے نسبتاً آسانی خود کو جنون میں مبتلا کر سکتے ہیں..... کیونکہ روشنی اور سچائی کے حصول کے لئے ایمان درکار ہے، بھروسا درکار ہے۔

اور ایک چیز یاد رکھئے: ایک لمحے کے لئے بھی مت سوچیں، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ طاعت کا عمل اختیار کرتے ہیں، اعتماد اور بھروسا اپناتے ہیں، کمزور لوگ ہوتے ہیں۔ ایسا قطعی نہیں ہے۔ صرف مضبوط لوگ ہی طاعت کر سکتے ہیں اور صرف طاقتور لوگ ہی اعتماد اور بھروسا کر سکتے ہیں۔ کمزور لوگ ہمیشہ خوفزدہ ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ ڈرتے ہیں۔ بزدل کسی پر بھروسا اور اعتماد نہیں کرتے۔ بھروسا اور اعتماد کرنے کے لئے جرات اور حوصلہ درکار ہوتا ہے۔ بھروسے اور اعتماد سے مراد، خطرہ مول لینا ہے۔ اعتماد اور بھروسے کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسرے کے لئے اپنے دروازے مکمل طور پر وا کرتے ہیں لیکن آپ کو انجام کی خبر نہیں ہے۔

وہ آپ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے، وہ آپ کا استحصال کر سکتا ہے، وہ آپ کو تباہ کر سکتا ہے، آپ کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ کسے علم ہے کہ یہ شخص آپ کے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہے؟ آپ غیر محفوظ ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ تمام حفاظتی تدابیر ختم کر رہے ہیں۔ آپ اپنے اسلحہ خانے کو اس شخص کے لئے کھول رہے ہیں، اور آپ کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کے ساتھ کیا صورت حال پیش آنے والی ہے لیکن ایک بزدل اور کمزور شخص یہ سب کچھ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایک

لمحے کے لئے بھی مت سوچیں کہ جو لوگ طاعت اختیار کرتے ہیں، وہ بزدل یا کمزور ہیں۔ ایسا قطعاً نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل الٹ ہے۔ صرف بہت ہی مضبوط اور طاقتور لوگ ہی طاعت کر سکتے ہیں۔ ایمان کے حامل وہ لوگ ہیں جو حوصلہ اور جرات مند ہیں۔

ایمان کا پہلا مطلب، اعتماد، بھروسا ہے۔ ایمان کے دوسرے معنی مذہب کے ہیں، فرقے کے نہیں ہیں بلکہ مذہبی اقدار ہیں۔ مذہبیت کیا ہے؟ ظاہری صورت حال سے عدم طمانیت، مذہبیت ہے۔ سامنے نظر آنے والی چیزوں سے عدم طمانیت ہے، اس دنیا کے ساتھ عدم طمانیت اور چیزوں کی ظاہری حالت سے عدم طمانیت۔ کس قسم کی روحانی تشنگی کے باعث آپ میں سچائی تلاش کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، زندگی کے معنی ڈھونڈنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ کہاں سے آتا ہے، یہ سب کچھ کہاں جاتا ہے؟ اس تمام اسرار کا ماخذ کیا ہے؟

اس ماخذ کا نام، مذہبیت ہے، اس کا کسی مسلک، ہندومت، اسلام، مسیحیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک مذہبی شخص مذہبی ہوتا ہے، اس کا تعلق ہندو، مسلمان یا مسیحی ہونے سے قطعی نہیں ہوتا۔ آپ کو یہ خصوصیت نظر آ سکتی ہے۔ جب آپ کسی مذہبی شخص کو دیکھتے ہیں تو آپ یہ نہیں محسوس کریں گے کہ وہ مسلمان ہے یا ہندو یا مسیحی ہے؟ آپ کو صرف یہ محسوس ہوگا کہ وہ مذہبی ہے۔ اس کے اردگرد مذہبیت کی خوشبو موجود ہوگی۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور دل کی دھڑکن اس دنیا کی نہیں ہے۔ وہ چلتا تو زمین پر ہے لیکن اس کے پاؤں زمین کو چھوتے نہیں ہیں۔ وہ یہاں ہے مگر یہاں نہیں ہے۔ وہ کسی چیز کے باعث مدہوش ہے لیکن آپ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ کس چیز کے باعث مدہوش ہے۔ اس نے جو چیز پی رکھی، وہ بازار میں کہیں بھی دستیاب نہیں ہے۔ اس نے مدہوشی کی یہ دوا اپنے اندر کی گہرائی سے پیدا کی ہے اور وہ اس دوا سے مدہوش ہے۔ آپ کو اس کی مدہوشی اس کے چلنے، اس کے بیٹھنے، اس کی باتیں کرنے، اس کے دوسرے انسانوں کے ساتھ ملنے جلنے اور ابلاغ کے ذریعے معلوم ہوگی۔ اس پر مدہوشی کا عالم طاری ہوگا۔

اگر آپ کو اس کی رفاقت حاصل ہے، ممکن ہے کہ آپ کو اس کی اعلیٰ روحانیت حاصل ہونا شروع ہو جائے۔ محض اس لئے کہ وہ آپ کی طرف ملتفت ہے، آپ بھی محسوس کریں گے کہ آپ بھی اس کی طرف ملتفت ہو رہے ہیں۔ یہی تو مذہبیت ہے، یہی تو ایمان ہے، جسے ہندو دھرم اور لاؤزو، تاؤ کہتے ہیں، اور جسے یہودی تورات کہتے ہیں۔ یہ مذہب کا سب سے بنیادی اصول ہے

کہ آپ کسی نامعلوم شے سے مدہوش ہو جائیں، اس شئے سے مدہوش ہو جائیں جو اس دنیا کی نہیں ہے، جو یہاں دستیاب نہیں ہے، اس چیز سے مدہوش ہو جائیں جو کسی نامعلوم جگہ سے دستیاب ہے۔ اور اگر آپ نے صوفی دیکھے ہیں تو آپ حیران ہوں گے کہ یہ صوفی دنیا کے سب سے زیادہ مدہوش انسان ہیں۔

اور ایمان کا تیسرا معنی عزم، پختہ ارادہ ہے جس کا اظہار الفاظ کے ذریعے ہی نہیں بلکہ افعال کے ذریعے بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک تبدیلی ہے، یہ ایک آغاز ہے۔ اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے معنی آپ کو نہیں آتے، اور صرف یہ سوچتے ہوئے کہ آپ اس کے معنی ڈھونڈ نہیں پائیں گے، آپ کو قطعی طور پر خود کو اس کے ساتھ منسلک کرنا ہوگا۔ آپ کے تمام خیالات، افعال، اس کے مطابق ہونا چاہئیں۔

سنیاس کا بھی یہی مطلب ہے۔ آپ کو نہ صرف میری باتوں کا یقین کرنا ہوگا، آپ کو نہ صرف میرے ہونٹوں کی حرکت کی پیروی کرنا ہوگی، بلکہ آپ کو مجسم ہی بننا ہوگا جو میں کہہ رہا ہوں، آپ کو میری باتوں کی ترجمانی کرنا ہوگی، آپ کو میری باتیں خود میں سرایت کرنا ہوں گی۔ یہ کوئی فلسفیانہ چیز نہیں رہنا چاہئے، یہ آپ زندگی ہونا چاہئے۔ تب ہی، صرف تب ہی، کوئی شخص اپنی منزل تک پہنچتا ہے ورنہ نہیں۔

اور تیسری چیز احسان ہے۔ احسان سے مراد سنجیدگی اور اخلاص ہے۔ جب تک آپ سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ کوشش نہیں کریں گے، آپ کی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ آپ خدا کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ آپ ہر شخص کو دھوکہ دے سکتے ہیں...... آپ خود کو بھی دھوکا دے سکتے ہیں لیکن آپ خدا کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ سنجیدہ اور پُرخلوص طرزِ عمل اختیار کریں۔

یہ تو روز کا معمول ہے کہ کوئی شخص آتا ہے اور سنیاسی بننا چاہتا ہے۔ پھر میں اس کی آنکھوں اور دل میں جھانکتا ہوں، اور مجھے علم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص سنجیدگی اور خلوص اختیار نہیں کر سکتا۔ اب وہ شخص سوچتا ہے: ''اسے بھی کیوں نہ آزمایا جائے؟ میں یہاں دو تین ماہ سے موجود ہوں۔ میں سنیاسی بن سکتا ہوں، اور جب میں واپس شکاگو چلا جاؤں گا، پھر کسے پروا ہے؟ میں لباس تبدیل کر سکتا ہوں، میں اپنی مالا اپنے صندوق میں رکھ سکتا ہوں۔ اگر کوئی بہتر چیز رونما ہوتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میرا نقصان تو نہیں ہوا، میں کیوں نہ اس کی آزمائش کروں؟''

اگر آپ میری آزمائش کرتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کچھ بھی نہیں ہوگا کیونکہ آپ سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ اس عمل میں شریک نہیں ہیں۔ کوئی چیز اس وقت ممکن ہوتی ہے جب آپ سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوتے ہیں۔ جب آپ اپنی ہر چیز، اپنی شہرت، نام، بلکہ ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

دوسرے ہی دن ایک سنیاسن یہاں آن موجود ہوتی۔ وہ واقعی، زندگی کا مفہوم جاننے میں دلچسپی رکھتی تھی۔ وہ ایک سال سے سنیاسن تھی، لیکن اس نے اپنا نیا نام قطعی طور پر استعمال نہیں کیا تھا۔ اب اسے قدرے ندامت محسوس ہونا شروع ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بتایا: ''میں نے اپنا نیا نام بالکل ہی نہیں استعمال کیا۔'' اب یہاں نام استعمال کرنے کا سوال نہیں ہے، اگر آپ سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ کوشش نہیں کرتے تو آپ کا مقصد حل نہیں ہوتا، اور جب آپ کا مقصد حل نہیں ہوتا تو آپ سوچیں گے: ''سنیاس لینے کا کیا فائدہ ہے؟ اسے چھوڑو کیونکہ اس سے تو کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔'' اس امر کے تو آپ ذمہ دار ہیں۔ آپ کا مقصد اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آپ سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ کوشش کرتے ہیں اور آپ کے لئے یہ ''زندگی یا موت'' کا مرحلہ ہوتا ہے۔

جب میرا دیا ہوا نام آپ کی پہچان بن جاتا ہے۔ جب آپ میرے، بنائے طریقے پر عمل کرتے ہیں، پھر آپ کے مقاصد پورے ہونے شروع ہوتے ہیں۔ پھر کوئی ان مقاصد کی تکمیل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا، مگر اس سے پہلے نہیں۔

اب میں اس سنیاسن کو جان چکا ہوں...... اس کا نام یاما ہے۔ وہ ایک خوبصورت خاتون ہے، اور وہ واقعی اپنے مقصد کی تلاش میں ہے...... لیکن بے دلی کے ساتھ۔ لہٰذا، اب وہ یہاں سے نہیں جا سکتی کیونکہ اس کا آدھا دل تو یہاں ہے، اور وہ یہاں مکمل طور پر داخل بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا آدھا دل ابھی بھی شکوک میں مبتلا ہے۔ اب وہ مشکل میں ہوگی، اب وہ ایک قسم کے ذہنی بے ربطی کے عالم میں ہے۔

احسان سے مراد یہ ہے کہ ذہنی طور پر آپ کی توجہ ایک طرف مبذول رہے، آپ ذہنی طور پر یکسو ہوں۔ اگر آپ خدا کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہتے تو خدا کو بھول جائیں، اپنی توجہ دنیا کی طرف مرکوز کر لیں، اپنے لئے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھیں۔ ایک نہ ایک دن آپ بیزار اور مایوس ہو جائیں گے۔ پھر آپ خدا کی تلاش شروع کریں گے لیکن اس وقت آپ کو اس چیز کی ضرورت نہیں

ہے۔ اگر آپ میں ابھی تک بصیرت، شعور اور آگہی پیدا نہیں ہوئی تو دنیا ہی کی طرف ملتفت رہئے۔ دنیا آپ میں اس قدر شعور، آگہی اور بصیرت پیدا کر دے گی کہ آپ خدا کی تلاش شروع کر دیں گے۔ اس ضمن میں کوئی جلدی نہیں ہے۔ اگر آپ واقعی تیار ہیں تو پھر دو گھوڑوں کی سواری مت کیجئے، کسی ایک کا انتخاب کیجئے۔ اخلاص اور سنجیدگی، احسان کے معنی ہیں۔

احسان کے دوسرے معنی اچھائی اور نیکی کے ہیں...... وہ نیکی اور اچھائی جو اندر سے پیدا ہو، آپ پر باہر سے تھوپی نہ جائے۔ جب ایک شخص سنجیدہ اور پُر خلوص ہوتا ہے تو ایک قسم کی نیکی اور اچھائی اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ اس پُر خلوص اور سنجیدہ انسان کو واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ اس میں سچائی صاف نظر آتی ہے۔ جو کچھ بھی وہ کرتا ہے، نہایت واضح اور شفاف ہوتا ہے۔ اس نے ایک خاص سمت متعین کی ہوئی ہے کیونکہ وہ سنجیدگی اور اخلاص سے خدا کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے، اس لئے وہ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کے قطعی مقصد کے حصول میں مددگار ثابت ہوتا ہے، اور وہ تمام غیر متعلقہ امور اور خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹک دیتا ہے۔ وہ کسی غیر متعلقہ امر اور خیال پر اپنے وقت اور توانائی کا ایک لحہ اور ذرہ بھی خرچ نہیں کرتا۔

اگر آپ واقعی سنیاسی ہیں تو پھر آپ کا ہر عمل اور فعل آپ کو آپ کے مقصد کی طرف لے جائے گا۔ اگر آپ موسیقی بجاتے ہیں تو آپ کا یہ عمل آپ کے گیان دھیان کا ایک حصہ ہوگا، اگر آپ رقص کرتے ہیں تو آپ کا یہ رقص، آپ کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دے گا۔ اگر آپ کسی سے باتیں کرتے ہیں تو یہ باتیں فضول نہیں بلکہ آپ کے مقصد کے متعلق ہوں گی۔ آپ فوراً کہہ دیں گے "یہ باتیں میرے متعلقہ نہیں ہیں، مجھے ان میں دلچسپی نہیں ہے۔" آپ صرف ان کتب کا مطالعہ کریں گے جو آپ کے لئے مفید ہیں۔ آپ احمقانہ اور فضول ناول پڑھنے میں اپنا وقت اور توانائی ضائع نہیں کریں گے۔ آپ اس قسم کی کوئی فلم نہیں دیکھیں گے اور نہ ہی اس قسم کا ریڈیو پروگرام سنیں گے۔

آپ کی زندگی زیادہ سے زیادہ باقاعدہ اور منظم ہو جائے گی اور اس کا ایک خاص رخ متعین ہو جائے گا۔ آپ کے سامنے ایک خاص مقصد ہوگا اور یہ مقصد ہمیشہ آپ کے سامنے رہے گا۔ پھر یہ امکان پیدا ہوگا، پھر آپ میں وہ خوبیاں پیدا ہوں گی، اور پھر آپ میں وہ استحقاق پیدا ہوگا کہ خدا آپ کی طرف ملتفت ہو۔

جب یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی تمام تر کوشش خدا کی تلاش کی طرف ہے، اور آپ کی عام زندگی سراپا عبادت بن چکی ہے تو اسے احسان کہتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جسے بدھ مت کے پیروکار نیکی اور اچھائی کہتے ہیں۔

اور پھر احسان کے تیسرے معنی قطعیت اور اکملیت کے ہیں۔ آپ جو بھی قدم اٹھاتے ہیں، پیچھے نہیں ہٹتے۔ اپنی تمام تر کوشش کیجئے، محض تماشائی مت بنئے۔ جب آپ کسی چیز کے اندر داخل ہوتے ہیں، اسی وقت بس آپ کو اندر کی صورت حال کا علم ہوتا ہے، محض باہر بیٹھ کر تماشا دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اگر آپ رقص کر رہے ہیں تو پھر رقص کیجئے کہ اس لمحے یہ رقص آپ کی ذات میں مجسم ہو جائے۔ اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں۔ اب آپ کا ایک عضو بھی تماشائی نہیں ہونا چاہئے، آپ کو چاہئے کہ قطعی اور کُلی طور پر اس رقص میں محو ہو جائیں۔ وہ چند لمحات، جب آپ کا دھیان اور توجہ کسی بھی چیز میں مکمل طور پر مرکوز ہوتی ہے تو آپ ان لمحات میں خدا کے انتہائی قریب ہوتے ہیں۔ یہی لمحات رحمت، خیر و برکت اور روحانی مسرت کے ہوتے ہیں۔

یہ اسلام اور صوفیانہ مسلک کے تین ستون ہیں۔ یہ تین ستون، آپ کے اندر جذب ہو جانے چاہئیں۔ اور یہ ستون، کسی بھی مذہبی شخص، خواہ وہ صوفی ہو یا نہ ہو، کے لئے درکار ہیں۔ یہ تین ستون انتہائی ضروری ہیں، یہ ایک طریقہ، نقش اور ترکیب ہے۔ اگر آپ اسلام اپنانا چاہتے ہیں تو پھر اطاعت، بندگی، امن و سکون، خاموشی و سکوت، ایمان، مذہبیت، عزم، پختہ ارادہ، احسان، سنجیدگی، اخلاص، نیکی، اچھائی، قطعیت، اکملیت کا راستہ اختیار کیجئے۔

اب ایک چھوٹی سی کہانی......

ایک دفعہ نقشبندی مسلک کے کسی صوفی بزرگ سے کسی نے پوچھا: "آپ کے مسلک کے لغوی معنی "نقش (خاکہ) بنانے والے" ہیں۔ آپ کس چیز کا نقش (خاکہ) بناتے ہیں اور یہ کہاں استعمال ہوتا ہے؟"

اس صوفی بزرگ نے کہا "ہم جو نقوش (خاکے) بناتے ہیں، ان کی عظمت کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ ان نقوش (خاکوں) کے ضمن میں ایک مثال یوں ہے۔

ایک دفعہ ایک لوہار بے گناہ پکڑا گیا اور اسے قید کر دیا گیا۔ اس نے قید خانے کے

پہریداروں کی خوشامد کر کے گھر سے ایک چٹائی منگوائی جو اس کی بیوی نے بُنی تھی۔ وہ چٹائی پر نماز ادا کرتا اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتا۔ تھوڑے عرصے بعد اس نے قید خانے کے پہریداروں سے کہا "میں ایک غریب آدمی ہوں اور مجھے یہ علم نہیں کہ میں اس قید سے رہائی پاسکوں گا یا نہیں، آپ کی تنخواہ کم ہے۔ میں لوہار ہوں۔ مجھے کچھ لوہا اور اوزار لا دو، میں چھوٹی موٹی چیزیں بنا دوں گا جنہیں تم بازار میں فروخت کر سکو گے، اور پھر ہم دونوں کا فائدہ ہو جائے گا۔"

پہریداروں نے لوہار کی بات مان لی، اور پھر لوہار اور پہریدار دونوں فائدہ اٹھانے لگے اور ان کی ضروریاتِ زندگی پوری ہونے لگیں۔

پھر ایک دن جب پہریدار لوہار کی کوٹھڑی کی طرف گئے تو انہوں نے دیکھا کہ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہے اور لوہار فرار ہو چکا ہے۔

بہت سالوں بعد، جب اس لوہار کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو جس شخص نے اسے کوٹھڑی میں ڈالا تھا، لوہار سے استفسار کیا کہ وہ کس طرح کوٹھڑی سے فرار ہوا تھا، اس نے کون سا جادو استعمال کیا تھا۔ لوہار نے کہا: "یہ تو محض ایک نقش (خاکے) کمال ہے، یعنی ایک نقش (خاکے) کے اندر ایک اور نقش (خاکہ)۔ میری بیوی چٹائیاں بُنتی ہے۔ اس نے اس قفل ساز کو تلاش کر لیا جس نے اس کوٹھڑی کے تالے بنائے تھے۔ میری بیوی نے اس قفل ساز سے تالے کا نقش (خاکہ) حاصل کر لیا اور اس نے یہ نقش (خاکہ) چٹائی میں عین اس جگہ بُن دیا جہاں سجدے کے دوران میرا سر چُھوتا تھا۔ میں ایک لوہار ہوں اور مجھے یہ نقش (خاکہ) تالے کے نقش (خاکے) کے مطابق معلوم ہوا۔ پھر میں نے لوہے کی اشیاء بنانے کا منصوبہ تشکیل دیا تاکہ لوہا حاصل کر سکوں۔ پھر میں نے اس لوہے سے چابی بنائی اور تالا کھول کر فرار ہو گیا۔"

پھر نقشبندی صوفی بزرگ کہنے لگا: "یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے انسان، اس قید خانے (دنیا) کی مصیبتوں اور مشکلات سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔"

انسان، اپنی اَنا کا قیدی ہے۔ یہ اَنا ایک قید خانہ ہے، اور اگر آپ اس قید خانے سے رہائی پانا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے: اسلام، ایمان، احسان۔ اگر آپ یہ تین چیزیں اپنا لیتے ہیں تو پھر آپ کو اس قید خانے سے رہائی پانے کا مکمل طریقہ معلوم ہو سکتا ہے۔

یہ ایک خوبصورت حکایت ہے، ایک سادہ مثال ہے...... لیکن بہت ہی اہم حکایت ہے۔

آپ اپنے موجودہ قید خانے سے کس طرح رہائی پا سکتے ہیں؟ آپ کو یہ طریقہ کسی ایسے شخص سے پوچھنا ہوگا جسے اس طریقے کے متعلق علم ہو۔

کوٹھڑی سے فرار ہونے والے قیدی نے کہا:

"یہ تو محض ایک نقش (خاکے) کا کمال ہے یعنی ایک نقش (خاکے) کے اندر ایک اور نقش (خاکہ)۔ میری بیوی چٹائیاں بُنتی ہے، اس نے اس قفل ساز کو تلاش کر لیا جس نے اس کوٹھڑی کا تالا بنایا تھا......

اس کرہ ارض پر ہمیشہ ایسے انسان موجود ہوتے ہیں جو اس شخص کو تلاش کر لیتے ہیں جس نے قید خانے کے دروازے کا قفل بنایا ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں مرشد کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے رفیق ہوتے ہیں جس نے سب سے پہلا منصوبہ ترتیب دیا، جس نے آدم کو بغاوت کی ترغیب دی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس تمام قصے کو اس کی حقیقت کے لحاظ سے دیکھنے آئے، جنہوں نے اس تمام قصے کو بغور سمجھا کہ انسان اس دنیا میں کیسے وارد ہوا، کیوں وارد ہوا اور واپس اس دنیا میں کیسے جا سکتا ہے۔ یسوع مسیح اس دنیا سے کیوں چلے گئے، ان کو کیوں نجات دی گئی اور باقیوں کو یونہی چھوڑ دیا گیا۔ کیا فرق ہے؟ یسوع مسیح بندگی و اطاعت اختیار کرتے ہیں، اپنی اَنا سے دامن چھڑا لیتے ہیں، یہی مسیحی صلیب سے مُراد ہے یسوع مسیح اپنا سر تسلیم خم کر لیتے ہیں، اپنی اَنا سے دامن چھڑا لیتے ہیں۔ پھر یسوع مسیح اپنی اَنا کے ساتھ ہی فوت ہو گئے اور عیسیٰ کی حیثیت سے دوبارہ پیدا ہوئے۔ اب یسوع مسیح کا وجود باقی نہیں، اب عیسیٰ پیدا ہو چکے ہیں۔

درحقیقت ان دونوں الفاظ کا اکٹھا استعمال درست نہیں ہے۔ ایک زمانہ ایسا تھا جب یسوع مسیح تھے، لیکن عیسیٰ نہیں تھے، اور اب یہ زمانہ ہے کہ عیسیٰ تھے اور یسوع مسیح نہیں تھے۔ یہ دونوں نام کبھی بھی اکٹھے نہیں تھے، یہ اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے۔ یسوع مسیح، ایسا آدم ہے جو اس دنیا میں کہیں کھو گیا ہے...... لیکن اسے خبر نہیں کہ وہ اس دنیا میں ہی اٹک چکا ہے جو اپنی اَنا میں زیادہ سے زیادہ الجھ کر رہ گیا ہے۔ عیسیٰ ایک ایسا شعور اور آگہی ہے جو طاعت و بندگی کی طرف واپس جا رہی ہے۔

آدم نے انکار کر دیا۔ انکار کے ذریعے اَنا اور شعور خود قدرتی پیدا ہوتی ہے۔ یسوع مسیح نے اطاعت کی، اطاعت، اَنا کی فنا ہے، اطاعت، اسلام ہے۔ اطاعت کا اظہار کرنے سے اس کی زندگی کی تمام تر رخ تبدیل ہو گیا اور وہ جنت کی طرف واپس گامزن ہو گیا، وہی جنت جو اللہ تعالیٰ

کی تخلیق کردہ ہے۔

''یہ تو محض ایک نقش (خاکے) کا کمال ہے یعنی ایک نقش (خاکے) کے اندر ایک دوسرا نقش (خاکہ)۔ میری بیوی چٹائیاں بُنتی ہے، اس نے اُس قفل ساز کو تلاش کرلیا جس نے قفل تیار کیا تھا، اور اس سے تالے کا نقش (خاکہ) حاصل کرلیا۔ یہ نقش اس نے عین اسی جگہ چٹائی میں بُن دیا جہاں پانچ وقت کی نماز کے دوران میرا سر سجدے کی جگہ چُھوتا تھا۔''

اس کی بیوی نے جو ترکیب اختیار کی، وہ یہ تھی کہ اگر اس کا خاوند پانچ وقت کی نماز اس چٹائی پر پڑھتا، تو پھر کہاں تک وہ اس نقش (خاکے) کو تلاش کرنے سے محروم رہتا؟ میں بھی ہر روز یہی کہتا ہوں کہ آپ کب تک خدا کی تلاش سے محروم رہیں گے۔ آپ کا سر پانچ وقت، ہر روز اس جگہ کو چھوئے گا، اور پھر بالآخر، ایک دن اس نقش (خاکے) کو دیکھ ہی لیں گے کہ کیا معاملہ ہے، یہ کیا چیز ہے، ایک نہ ایک دن آپ باشعور اور بابصیرت ہو جائیں گے۔

''میں ایک لوہار ہوں اور یہ نقش (خاکہ) مجھے تالے کے اندرونی نقش (خاکے) کے مانند محسوس ہوا۔ میں نے چابی بنانے کے لئے لوہے کے حصول کے لئے لوہے کی چیزیں بنانے کا منصوبہ ترتیب دیا...... اور میں پھر فرار ہوگیا۔''

پھر نقشبندی بزرگ کہنے لگا: ''یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے ایک انسان، اس قیدخانے (دنیا) کی مصیبتوں اور مشکلات سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔

یہ قیدخانہ ہمارا اپنا تیار کردہ ہے...... یہ ہماری اَنا ہے اور ہم اس سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔

لہٰذا، ان تین الفاظ پر غور وفکر کیجئے: اسلام، ایمان، احسانؔ

☆☆☆

چھٹا باب

سراسیمگی

پہلا سوال:

آپ کہتے ہیں کہ اب تو کہیں جانا ہی ہے۔ کہیں جانے سے مراد یہ ہے کہ آپ فریب اور سراب میں مبتلا رہیں۔

اور بعض اوقات مجھے ایسے ہی نظر آتا ہے......

اور آپ کہتے ہیں کہ مذہبیت، شعور و آگہی کا استرداد ہے اور کسی انسان کو دوراہے پر کھڑا رہنے کے بجائے کوشش کرنا چاہئے اور غلطیاں کرنا چاہیں......

آپ کہتے ہیں کہ یہ صورت حال تو پہلے ہی سے موجود ہے...... طالب خود مطلوب ہے......

اور آپ کہتے ہیں کہ مذہب تو آپ کی ذاتی تخلیق ہے، مسلسل بغاوت اور نافرمانی......

ان تمام امور کے درمیان یکجائیت اور ہم آہنگی، محض فضولیات ہے۔

یہ درست ہے۔ کیا آپ نے کبھی بچے کی پیدائش کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہ محض فضولیات ہے۔ یہ ایک نئے شعور وادراک کی پیدائش ہے۔ آپ کسی عجیب وغریب چیز کا مشاہدہ کررہے ہیں۔ یہ واقعہ، ہزاروں سالوں میں کہیں ایک دفعہ واقع ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی نئی چیز جنم لیتی ہے، یہ محض فضولیات میں شامل ہے۔ آپ سائنسدانوں سے استفسار کرسکتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش بارے ان کا کیا نظریہ ہے۔ دنیا کی تخلیق محض نامعقولیت، انتشار وافتراق ہے۔ اس کائنات نے محض انتشار وافتراق میں سے جنم لیا ہے۔

اس سے پہلے کہ میں آپ کو نئی شکل دوں، مجھے آپ کو تباہ کرنا پڑے گا۔ مجھے پرانی شکل کو ہر قیمت پر ڈھانا اور منہدم کرنا ہوگا۔ قدرتی طور پر، جب پرانی چیز تباہ ہو جاتی ہے اور نئی شکل ابھی تشکیل

نہیں پاتی تو درمیانی وقفہ، عبوری اور عارضی دور ہوتا ہے جہاں ہر چیز فضول اور بے معنی ہوگی۔

لیکن اگر اسی انتشار و افتراق میں سے کوئی ستارہ جنم لیتا ہے تو اس کو خوش آمدید کہنا چاہئے۔ منضبط نظام ہمیشہ اچھا نہیں ہوتا، ہمیشہ مفید نہیں ہوتا۔ ضروری نہیں کہ انتشار و افتراق بھی ہمیشہ نقصان دہ ہو۔ ہر شخص کو حالات کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے۔ اگر تخریب اور تباہی ہدف ہے تو پھر یہ تشدد ہے، یہ بہت بری بات ہے۔ اگر تخلیق مقصد و ہدف ہے تو پھر کون انسان تخریبی عمل کے بغیر تخلیق کر سکا ہے؟ آپ کو تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اور یہی تو میرا طریقہ ہے...... کہ میں آپ کے سامنے متضاد باتیں کروں۔ یہ میرا طریقہ ہے۔ یہ ایک نقشبندی طرز ہے۔ میں کسی خاص وجہ کے باعث خود کی تکذیب کرتا ہوں۔ اگر آپ مسلسل میری بات سنتے رہیں گے تو جلد یا بدیر آپ یقین کرنا بند کر دیں گے۔ یہی تو میرا مقصد ہے کیونکہ آپ کو پتا چل جائے گا کہ اس شخص پر یقین بے معنی ہے۔ کل کلاں کو وہ اپنے موقف کی تکذیب خود کر دے گا۔ اس سے پہلے کہ آپ کوئی نظریہ قائم کریں، وہ اس کی تکذیب کر دے گا۔ جب آپ کو یہ سب کچھ پتا چل جاتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ ایک مخصوص تصور اور نظریے کے ساتھ چمٹ جانے کی ذہن کی عادت ختم ہو جائے گی۔ یہ عادت صرف اس وقت ہی ختم ہو سکتی ہے جب آپ مسلسل اپنی تکذیب کرتے رہے ہوں۔

اگر میں مسلسل سچ بولتا رہوں تو میں آپ کا نظریہ، آپ کا اعتقاد بن جاؤں گا، میں آپ کا کلیسا بن جاؤں گا، میں آپ کا مذہب بن جاؤں گا۔ اور میں آپ کا مذہب یا کلیسا یا اعتقاد بننا نہیں چاہتا...... میں تو آپ کے لئے خیر و برکت کا باعث بننا چاہتا ہوں، آپ کی آزادی بننا چاہتا ہوں۔ یہ مقصد قطعی مختلف ہے۔ اگر آپ کسی قسم کے نظریے/عقیدے کی تلاش میں ہیں تو پھر آپ مشکل میں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ انندویدا...... جس نے یہ سوال پوچھا ہے، مشکل میں ہے۔ اسے کسی نظریئے، عقیدے اور تحفظ کی تلاش ہے۔ وہ کسی ایسے نظریئے، اعتقاد کی تلاش میں ہے جس کے ساتھ وہ منسلک ہو سکے، وہ خود کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ایک پناہ گاہ کی تلاش میں ہے۔ وہ زندگی کی مصیبتوں اور مشکلات کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔ وہ ایک ایسی زندگی گزارنا چاہتا ہے جو نظریات، تصورات اور فلسفوں پر مشتمل ہو۔ وہ بنے بنائے ذہن کے ساتھ خدا کو دیکھنے کا خواہاں ہے۔

بغیر تیاری کے خدا سے وصل سے مراد، خدا ہی میں مدغم ہو جانا ہے لیکن خدا کا قرب صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہیں۔ خدا کوئی نظریہ یا تصور نہیں ہے۔

لیکن آپ کو تو کسی مسلمہ نظریئے اور تصور کی ضرورت ہے تا کہ آپ اس پر انحصار کر سکیں، اور آپ اس فلسفے اور نظریئے کی خاطر جدوجہد کر سکیں اور اس نظریئے و فلسفے کے نام پر دلائل بازی کر سکیں۔

لیکن میرے متعلق استدلالی رویے کی اپنائیت بہت مشکل ہے۔ آپ قطعی طور پر یہ نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی شخص دیکھ سکتا ہے کہ میری باتیں تصاویر پر مبنی ہوتی ہیں اور اس چیز کو دیکھنے کے لئے کسی خاص بصیرت کی بھی ضرورت نہیں۔ محض ذہانت کے ذریعے آپ یہ دیکھ سکیں گے کہ میری باتیں سچ کے بارے نہیں ہیں، یہ باتیں مختلف طریقے ہیں، مختلف تراکیب ہیں تا کہ آپ کے ذہن میں موجود خیالات کو ختم کیا جائے۔ یہ بات معلوم کرنے کے لئے انتہائی ذہانت درکار ہوگی۔

میں آپ سے کبھی نہیں کہوں گا کہ آپ میرے ساتھ مستقل ٹھہرے رہیں...... آپ کو آگے جانا ہے۔ ہر روز میں ایک نظریہ اور تصور تخلیق کروں گا اور ہر روز تباہ کروں گا۔ جلد یا بدیر آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ کسی نظریئے اور تصور کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جب آپ کسی سے پیوست ہو جاتے ہیں اور وہ چیز یا انسان آپ سے چھن جاتا ہے تو آپ کو تکلیف پہنچتی ہے۔ لہٰذا، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کسی کے ساتھ وابستہ ہوتے ہی کیوں ہیں؟ اور یہ عدم وابستگی ہی آزادی ہے۔

یہ متضاد باتیں اور مذاکرات، سچ کے متعلق نہیں ہیں...... بالکل بھی نہیں ہیں۔ سچ تو بولا ہی نہیں جا سکتا۔ نہ کسی نے آج تک سچ بولا اور نہ ہی کبھی کوئی سچ بولے گا۔ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ سچ کو دنیا تک محدود نہیں کیا جا سکتا اور میں سچ نہیں بول رہا ہوں۔ میں تو محض آپ کے دل میں ایک احساس پیدا کر رہا ہوں، عدم وابستگی کا احساس، غیر وابستہ ذہن، نا مطمئن ذہن۔ جب آپ اس کیفیت و حالت میں مبتلا ہوں گے تو آپ سچ سے آشنا ہو جائیں گے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سچ کیا ہے لیکن میں آپ کے لئے ایک ایسا طریقہ اور ترکیب تو وضع کر سکتا ہوں جس کے ذریعے آپ سچ کی پہچان کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اگر آپ مجھے ایک فلسفی سمجھ کر میری باتیں سنیں گے تو آپ مجھے سمجھ نہیں پائیں گے، اگر آپ

مجھے ایک ماہر دینیات سمجھ کر میری باتیں سنیں گے تو پھر بھی آپ میری باتیں سمجھ نہیں پائیں گے اور اگر آپ مجھے ایک ماہر منطقیات سمجھ کر میری باتیں سنیں گے تو اس وقت بھی آپ میری باتیں سمجھ نہیں پائیں گے۔ میں تو منطق کو تباہ کرنے کے لئے منطق استعمال کرتا ہوں، میں تو الفاظ محض الفاظ کو تباہ کرنے کے لئے استعمال کرتا ہوں۔ جب آپ ذہانت، خاموشی اور آہستگی سے میری بات سنتے ہیں تو یہ حقیقت آپ پر آہستہ آہستہ زیادہ سے زیادہ منکشف ہوتی جاتی ہے۔ جب سچ کے متعلق کوئی خاص نظریہ آپ کے ذہن میں موجود نہیں ہوتا تو پھر سچ آپ کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے۔

لہٰذا، میری یہ باتیں اور بیانات متضاد نوعیت کے ہیں اور یہی تضاد اور بوالعجبی میرا طریقہ ہے۔

اور میں آپ سے یہ نہیں کہتا ''یہ کرو، یہ نہ کرو'' اس وجہ سے آپ دوبارہ اپنے لئے مشکلات پیدا کر لیں گے۔ آپ کچھ کر گزرنے کی شدید خواہش کے ساتھ میری بات سنتے ہیں۔ لہٰذا، جب مجھے یہ کہتے ہوئے سنیں ''یہ کام کرو......'' یا پھر آپ سمجھتے ہیں کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ''یہ کام مت کرو......'' تو آپ اس کا مطلب فوراً سمجھ لیجئے...... آپ اسے انجام دینے کے لئے تیاری شروع کر دیں۔ اور پھر اگلے لمحے میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ پھر آپ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ آپ عملی اقدام اٹھانے کے لئے بالکل تیار تھے اور اس سے پہلے کہ آپ عملی قدم اٹھاتے، میرا کہنا غلط ثابت ہو چکا ہے۔

میں تو اس کوشش میں ہوں کہ آپ سچ کے حصول سمیت تمام خواہشات ترک کر دیں۔ یعنی آپ امن وسکون کی کیفیت حاصل کر لیں کہ آپ کے دل میں موجود ہر قسم کی خواہشات ختم ہو جائیں۔

آپ کوئی بھی کام کرنے کے ضمن میں عجلت میں کیوں ہیں؟ آپ محض اپنی ذات اور وجود کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟ اپنے وجود اور ذات کا اظہار عقلمندی اور برکت کا باعث ہے۔ جس لمحے آپ کسی کام کا آغاز کرتے ہیں، آپ اُلجھن میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ آپ جو کچھ بھی کام کرتے ہیں......اور میں اسے غیر مشروط طور پر کہتا ہوں...... جو بھی ہے، اس کے ذریعے آپ میں مزید اَنا پیدا ہوگی۔ کسی کام کو کرنے سے انسان میں غرور پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اَنا، مشکل کا باعث ہوتی ہے۔ آپ کو اس اَنا سے نجات حاصل کرنا ہوگی اور اَنا ہمیشہ اس امر کی منتظر رہتی ہے کہ آپ کوئی کام انجام دیں۔

جب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کو بتاؤں کہ غور وفکر اور گیان دھیان کیا ہے تو میں آپ

سے ایک کام کرنے کے لئے کہتا ہوں اور آپ کسی اور کام کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ میں آپ سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں، میں تو صرف اپنے انداز غور وفکر سے آپ کو آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں، میں تو صرف ایک کام کرنے کی کوشش میں ہوں کہ میں آپ کو آگاہ کروں کہ غور وفکر اور گیان دھیان کی کیفیت اور حالت کیا ہے۔ جب میں آپ کو اس حالت وکیفیت کے بارے بتا رہا ہوتا ہوں تو اپنے دل میں آپ یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ اسے کیسے حاصل کیا جائے، اس کے متعلق کیا کیا جائے۔ آپ ایک قطعی مختلف سمت میں چل پڑتے ہیں۔

میرا تو موقف ہے کہ غور وفکر اور گیان دھیان کا عمل انجام نہیں دیا جا سکتا بلکہ ایک شخص اس کیفیت میں مبتلا ہو سکتا ہے لیکن آپ اسے انجام نہیں دے سکتے۔ یہ تو محبت کے مانند ہے۔ آپ محبت میں تو مبتلا ہو سکتے ہیں لیکن اس کے متعلق آپ کیا کر سکتے ہیں۔ یا تو آپ اس میں مبتلا ہو جائیں یا نہ ہوں۔ آپ میری بات سنتے رہیں، اپنی مرضی کے مطابق ان کی تشریح کرتے رہیں اور میری بات کے متعلق اس حوالے سے سوچتے رہیں کہ اسے کیسے انجام دیا جائے۔ میں تو آپ سے صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ اگر میری بات محض سن سکتے ہیں، تو پھر آپ روشنی اور بصیرت حاصل کر پائیں گے۔ آپ کو کوئی دوسرا طریقہ اپنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ صرف یہ چیز سننے، صرف یہ چیز دیکھنے کے ذریعے کہ آپ اور میرے درمیان کون سی چیز منتقل ہو رہی ہے تو آپ بصیرت اور روشنی حاصل کر لیں گے۔

لیکن آپ کو یہ سب کچھ زیادہ پسند نہیں ہے کیونکہ آپ اپنی اَنا کو ترک نہیں کرنا چاہتے۔ اگر محض میری صحبت میں رہنے کے باعث آپ بصیرت اور روشنی حاصل کر لیتے ہیں تو پھر آپ کی کیا حیثیت ہے؟ آپ کون ہیں؟ پھر آپ نے کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟ پھر اس کے متعلق آپ کس طرح شیخی بگھار سکتے ہیں؟ یہ آپ کے لئے ایک تحفہ ہوگا۔ آپ کو اس کے لئے شکر گزار ہونا چاہئے۔ آپ کو اس کے لئے اظہارِ تشکر کرنا چاہئے۔ آپ دنیا کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں ''میں نے یہ معرکہ سرانجام دیا ہے؟'' اس کا اس امر سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے یا نہیں۔

نہیں، اب آپ کو اس امر میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ یہ کام کرنے، اسے حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں تا کہ آپ یہ کہہ سکیں کہ آپ نے یہ چیز حاصل کر لی ہے۔ لیکن آپ بصیرت

اور آگہی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ صرف آپ ہی اس راہ میں رکاوٹ ہیں۔

بصیرت اور روشنی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آپ اپنی ذات کو فنا کر لیتے ہیں۔ یہ بصیرت اور روشنی آپ کو ابھی بھی حاصل ہے، یہ آپ کے اردگرد موجود ہے۔ بصیرت اور سچائی ایک ایسی چیز ہے جو آپ کے وجود کا باعث ہے۔ یہ بصیرت اور سچائی، سورج کی شعاعوں میں رقصاں ہیں، پرندوں کی چہچہاہٹ میں موجود ہے، یہ درختوں میں محوِ رقصاں ہے۔ یہ مجھ میں موجود ہے، آپ میں موجود ہے۔ آپ ایک ایسے مرحلے اور مقام پر موجود ہیں جہاں آپ کوئی کام نہیں کر رہے ہوتے..... اور اچانک آپ کو یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے، اس کی تاباں اور روشن موجودگی آپ کے سامنے آ جاتی ہے، لیکن یہ عمل اس وقت رونما ہوتا ہے جب آپ دانستہ کوئی کام انجام نہیں دے رہے ہوتے۔ جب آپ کوئی کام کرتے ہیں تو آپ متفکر ہو جاتے ہیں، آپ کو خدشات لاحق ہو جاتے ہیں۔ کام کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی بیرونی دنیا سے متاثر ہیں اور جب کسی کام میں مصروف نہیں ہوتے تو آپ اپنی اندر کی دنیا میں مگن ہوتے ہیں۔ کام نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ وہاں ہیں جہاں آپ کو موجود ہونا چاہئے، جہاں آپ درحقیقت موجود ہیں۔ جب آپ کسی کام میں مصروف ہوتے ہیں تو آپ مستقبل کی طرف سفر کرتے ہیں اور جب کسی کام میں مصروف نہیں ہوتے تو آپ ابدیت کی پُرسکون کیفیت میں محو ہوتے ہیں۔

میرا طریقہ نہایت عجیب و غریب اور متضاد نوعیت کا حامل ہے تاکہ آپ میرے کسی ایک نظریے اور تصور سے وابستہ اور پیوستہ نہ رہ سکیں..... اور آپ ایک نہ ایک شکر گزار ہوں گے کہ میں نے کبھی مستقل رویہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ مستقل وابستگی اور پیوستگی ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے آپ ایک سمت گامزن نہیں ہو سکتے، جسے بصیرت اور روشنی کہتے ہیں۔ جب آپ کسی نظریے یا فلسفے کے ساتھ مستقل وابستگی اور پیوستگی اختیار کر لیتے ہیں تو پھر آپ پیروکار بن جاتے ہیں، آپ منطقی اور فلسفی بن جائیں گے۔ آپ دنیا کے سامنے خوبصورت نظریات و تصورات پیش کریں گے اور آپ کا ذہن، نظم و ضبط کے تحت کام کرنے لگے گا۔ لیکن آپ کے اس عمل کا بصیرت اور آگہی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب آپ قطعی طور پر کسی نظریے یا فلسفے کے ساتھ منسلک نہیں ہوں گے تو پھر آپ بصیرت اور روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔

اور جب آپ یہ دیکھ سکیں گے کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں تو آپ حیران ہوں گے کہ میرے

تمام بیانات تغیر پذیر ہیں لیکن میری ذات میں غیر تغیر پذیری موجود ہے۔ اور یہ غیر تغیر پذیری یہ ہے کہ میں مستقل طور پر تغیر پذیر ہوں۔ ایک نہ ایک دن آپ کو یہ غیر تغیر پذیری دکھائی دے گی۔

بظاہر میں بہت سی باتیں کروں گا اور میرا ہر بیان ایک دوسرے کے متضاد ہوگا اور آپ کو اجازت نہیں ہے کہ آپ میرے کسی ایک بیان اور بات سے مستقل طور پر وابستہ ہو جائیں۔ میں تو یہاں اس لئے ہوں کہ آپ کے تمام خیالات سے آگاہ ہو جاؤں، اور آپ کو اپنی طرف سے محض چند باتیں بتاؤں۔

دوسرا سوال:

آگے بڑھنے کے لئے کیا ہمیں خود کو دھکیلنا اور مجبور کرنا ہوگا..... کیا یہ درست ہے؟ مجھے نفرت ہے کہ میں اپنے خلاف ہی لڑوں۔

اس سوال پر غور کیجئے۔ میں تو ہمیشہ سے ہی کہتا ہوں کہ سچائی اِدھر اُدھر نہیں، بلکہ یہیں موجود ہے اور آپ کو سچائی حاصل کرنے کی جدوجہد کی ضرورت نہیں ہے۔ کوشش ہی کے باعث آپ اس کے حصول میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ آپ کو دریا کی روانی کے خلاف جدوجہد نہیں کرنا پڑتی۔ دریا کی روانی اور بہاؤ کی مخالف سمت سفر کر کے آپ کہیں بھی نہیں پہنچ سکتے۔ آپ تھک جائیں گے اور پژمردگی آپ پر چھا جائے گی۔

دریا کے بہاؤ اور روانی کی مخالف سمت میں سفر کرنے کے ذریعے آپ اپنی مکمل ناکامی کو دعوت دے رہے ہیں۔ آپ دریا کی طغیانی کے خلاف جنگ نہیں لڑ سکتے۔ زندگی کا دریا بہت بڑا ہے۔ آپ کے وجود اور ذات کا دریا بہت بڑا ہے اور آپ ایک قطرے کے برابر ہیں۔ آپ سمندر میں ایک بلبلے کے مانند ہیں..... اور یہ بلبلہ سمندر کے خلاف لڑنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کا رخ بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اپنا ذاتی مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ تو ایک مضحکہ خیز امر ہے، اور یہ تمام جدوجہد آپ کو بھی مضحکہ خیز بناتی ہے، اور یہ تمام جدوجہد آپ کو تھکا دیتی ہے، آپ کو پژمردہ بنا دیتی ہے، آپ بے زار، افسردہ اور آپ کی حالت قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔

لیکن اس جدوجہد سے ایک بات ضرور ظاہر ہوتی ہے..... وہ یہ کہ آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی ذات کا بھی وجود ہے۔ آپ کی اَنا کو بہت تسکین حاصل ہوتی ہے۔ آپ جدوجہد کر رہے ہیں، آپ نہایت اچھی طرح کوشش کر رہے ہیں۔ ممکن ہے آپ کامیاب نہ ہوں لیکن کوئی آپ کو

بزدل کا خطاب نہیں دے سکتا، کوئی آپ کو طعنہ نہیں دے سکتا کہ آپ نے بہت اچھی جدوجہد نہیں کی۔ ممکن ہے آپ کو کامیابی نصیب نہ ہو یا کسے معلوم ہے، آپ کو کامیابی نصیب ہو سکے...... آپ کا ذہن اسی طرح سوچتا رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ دوسروں کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن ممکن ہے کہ آپ کو استثنیٰ حاصل ہو۔ ممکن ہے کہ آپ وہ کام کر سکیں جو دوسرے نہ کر سکیں ہوں۔ اپنی بہترین کوشش کریں۔ آپ کی اَنا تسکین اور طمانیت محسوس کرے گی کہ آپ کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ جس قدر بڑی جدوجہد ہوگی، اتنی ہی بڑی اَنا ہوگی۔ آپ جس قدر زیادہ دریا کی روانی کے خلاف سفر کریں گے، آپ اس قدر محسوس کریں گے کہ آپ کی ذات ''موجود'' ہے۔ جب آپ دریا کی روانی اور بہاؤ کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں تو آپ کہتے ہیں ''میں موجود ہوں''۔ ''میں'' کا احساس تب ہوتا ہے جب آپ کسی کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ آپ جس قدر زیادہ جدوجہد کرتے ہیں، احتجاج کرتے ہیں، آپ اس قدر زیادہ جدوجہد کرتے ہیں، آپ اپنی ''میں'' کو زیادہ سے زیادہ محسوس کرتے ہیں۔

آپ کسی دوسرے شخص کو اپنا دشمن سمجھیں اور وہ آپ کی پہچان اور تشریح بن جاتا ہے۔ کسی شخص کو اپنا دوست سمجھیں اور آپ کی شخصیت کی حدود لامحدود ہو جاتی ہیں۔ جب آپ اپنے دوست یا محبوب کے پاس بیٹھے ہوتے ہیں تو آپ کی حدود مبہم ہوتی ہیں، وہ تہہ در تہہ ہوتی ہیں۔ آپ ایک دوسرے کے اندر اور اوپر سرایت کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں آپ کا اختتام ہوتا ہے اور کہاں آپ کے دوست کا آغاز ہوتا ہے، اور اگر یہ دوستی واقعی نہایت گہری ہے تو پھر بہت خوبصورت صورت حال واقع ہوتی ہے...... اور غائب ہو جاتی ہے۔

یہ ایک ہندوستانی دیومالائی حکایت ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے آپ کو مندرجہ ذیل تین الفاظ کے متعلق فہم حاصل کرنا ہوگی۔

پہلا لفظ ''تخلیق'' کا ہے۔ یہ حکایت ''تخلیق'' کے متعلق کسی بھی دوسری دیومالائی حکایت سے زیادہ خوبصورت ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ ''وہ'' اکیلا تھا۔ ''وہ'' سے مراد خدا ہے۔ وہ اکیلا تھا لیکن درحقیقت وہ اکیلا نہیں تھا۔ وہ ''دو'' (2) کا مجموعہ تھا۔ وہ مرد اور عورت، دونوں اکٹھا تھا۔ وہ گہری محبت کی آغوش میں تھا۔ لیکن وہ واحد تھا کیونکہ اس کی کوئی حد نہیں تھی۔ یہ کہنا ممکن نہیں تھا کہ اس کا کہاں اختتام اور اس کے محبوب کا آغاز کہاں سے ہوا تھا۔ مرد اور عورت ایک ہی آفاقی

معانقے میں تھے جو نہایت خوشی و مسرت کے عالم میں ایک دوسرے میں گم ہو گئے تھے۔

ابدیت ختم ہوگئی اور اس نے خود کو تنہا محسوس کرنا شروع کیا۔ قدرتی طور پر جب آپ کی کوئی پہچان نہ ہو تو پھر اس امر کی کوئی اہمیت نہیں کہ آپ دو ہیں، آپ خود کو اکیلا ہی محسوس کرتے ہیں۔ اس نے خود کو اکیلا محسوس کرنا شروع کر دیا۔ یہ اکیلا پن، اس قدر بھاری ہو گیا کہ اس نے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

علیحدہ ہونے کو سنسکرت میں ''پت'' کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہے ''علیحدہ ہو جانا''۔ اسی ''پت'' سے ہندی لفظ ''پتن'' اخذ کیا گیا ہے...... پتن سے مراد علیحدگی ہے۔ وہ دو میں تقسیم ہو گیا۔ اور اسی ''پت'' سے اخذ کرتے ہوئے ہندوستان میں خاوند کو ''پتی'' اور بیوی کو ''پتنی'' کہتے ہیں۔ وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا...... ایک حصہ ''پتی'' بن گیا یعنی شوہر اور دوسرا حصہ ''پتنی'' یعنی بیوی بن گیا۔ یہ دونوں الفاظ پتی اور پتنی لفظ ''پت'' سے اخذ کئے گئے ہیں، یعنی وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

اور پھر، اس حکایت کے مطابق، اس علیحدگی کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتے رہے ہیں کیوں اب یہ دونوں خود کو نہایت تنہا اور اکیلا محسوس کر رہے ہیں، اس لئے ان دونوں کے درمیان محبت کی شدید خواہش نے جنم لیا۔

جب آپ اپنے محبوب کے ساتھ اکٹھا ہوتے ہیں تو آپ اپنی تمام شناختوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ آپ کو یہ نہیں محسوس ہوتا کہ آپ کون ہیں کیونکہ آپ کا محبوب انتہائی بے تکلفانہ اور گہرے انداز میں آپ سے سرایت کر چکا ہوتا ہے۔ محبت کے عالم میں اَنا غائب ہو جاتی ہے، اَنا اس وقت ابھرتی ہے جب آپ کسی سے نفرت کرتے ہیں، کسی سے لڑتے ہیں، کوشش کرتے ہیں۔ جب آپ کسی دشمن کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں تو آپ کی تمام شناختیں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں کیونکہ آپ ایک دوسرے میں سرایت نہیں کرتے، ایک دوسرے میں جذب نہیں ہوتے۔ آپ کسی بھی مرحلے پر ایک نہیں ہوتے، آپ دونوں کے درمیان فاصلہ قائم رہتا ہے۔

لہٰذا درحقیقت نکتہ یہ ہے کہ جب آپ کوشش کرتے ہیں تو یہ سچائی کے لئے نہیں ہوتی، جب آپ بھاگ دوڑ کرتے ہیں تو یہ روشنی اور بصیرت کے لئے نہیں ہوتی، جب آپ کوشش و بھاگ دوڑ کرتے ہیں تو یہ خود کی پہچان کرانے کے لئے ہوتی ہے...... کہ آپ زبردست ہیں، طاقت ور ہیں، آپ دنیا کے مخالف ہیں، آپ وجودِ ہستی کے مخالف ہیں، لیکن اس وقت ایک مسئلہ پیدا ہوتا

ہے کہ جب آپ یہ کہتے ہیں ''میں ہوں'' تو پھر یہ شدید خدشہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر ''میں ہوں'' تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دن ''میں نہ ہوں۔''

آپ کو یہ حقیقت سمجھ لینا چاہئے۔ یہ ایک ایسا بنیادی اور ابتدائی مسئلہ ہے جس کا ہر ذہین شخص کو ایک نہ ایک دن سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلے تو آپ نہایت فخر سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ''میں ہوں'' کہ میں بھی کوئی خاص چیز ہوں۔'' اس لئے تمام عمر آپ کسی نہ کسی طرح ایک خاص اور غیر معمولی شخص بننے کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں، آپ کوئی مشہور مصور، شاعر یا سیاستدان بن جاتے ہیں، آپ کے پاس دوسروں سے کہیں زیادہ دولت آ جاتی ہے، آپ کے پاس رہائش کے لئے ایسی جگہ ہوتی ہے کہ سب لوگ آپ سے حسد کرتے ہیں، آپ کسی نہ کسی طرح ثابت کر دیتے ہیں کہ آپ ایک خاص اور غیر معمولی شخص ہیں، آپ دوسروں سے افضل و برتر ہیں، لوگ ایک دوسرے سے مختلف کام کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد ایک ہوتا ہے۔ اگر آپ گہری نظر سے جائزہ لیں تو آپ کو مقصد ایک ہی نظر آئے گا۔ یہ لوگ دنیا کے سامنے یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ ''میں ہوں۔''

لیکن تب ایک مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ پہلے تو آپ کو اپنی ہستی منوانے کے لئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور جب آپ اپنی ہستی کو ثابت کر لیتے ہیں تو آپ کو یہ پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ اگر آپ آج موجود ہیں تو کل کلاں کو آپ ناموجود بھی ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں ہر چیز زوال پذیر ہے۔ کل درخت موجود تھا، آج نہیں ہے۔ صبح چمن میں پھول کھلا ہوا تھا، شام تک یہ مرجھا چکا ہے۔ بچہ زندہ تھا اور آج وہ مر چکا ہے۔ ہر جگہ آپ کو نظر آتا ہے کہ موت، زندگی کے تعاقب میں ہے۔ ہستی، عدم ہستی کے نرغے اور حصار میں ہے۔ جب زندگی پیدا ہوتی ہے تو موت بھی پیدا ہو جاتی ہے...... یہ دونوں متوازی ہیں۔

جب آپ اپنی ہستی کی پہچان کرا لیتے ہیں تو پھر اچانک آپ کو اپنے ہستی میں اس وقت ایک لرزہ اور کپکپی سی معلوم ہوتی ہے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صفحۂ ہستی سے مٹ سکتے ہیں، آپ موت کا شکار ہو سکتے ہیں۔ پھر دوبارہ مصیبت اور پریشانی سامنے کھڑی ہے۔

پہلے تو آپ خود میں اَنا پیدا کرتے ہیں، پھر آپ متفکر ہو جاتے ہیں کہ آپ کی اَنا ایک دن ختم ہو جائے گی۔ اگر آپ خود میں انا پیدا ہی نہ کریں تو پھر اس کی موت کا خدشہ بھی موجود نہیں

رہتا، یہ تو پھر قطعی ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ جب آپ کی ہستی موجود ہی نہیں ہے تو پھر موت کیسی! جب آپ میں اَنا ہی موجود نہیں ہوگی تو آپ کس طرح موت کا شکار ہو سکتے ہیں؟

گزشتہ رات میں ایک اور کہانی پڑھ رہا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب قصہ تھا۔ ایک بچہ قبل از وقت پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ بچہ زندہ تھا لیکن طبی سائنس کی رُو سے یہ بچہ زندہ نہیں تھا۔ اس کا وزن صرف نصف پاؤنڈ تھا لیکن زندہ تھا۔

اب مشکل یہ تھی کہ طبی سائنس کے مطابق، نصف پاؤنڈ سے کم وزن کا بچہ، بچہ نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ ایسا کبھی ہوتا نہیں ہے۔ کم از کم بچے کا وزن لازمی طور پر ایک پاؤنڈ تو ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ ایک پاؤنڈ وزنی بچہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا لیکن وہ چند دن یا چند لمحات زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن اس بچے کا وزن ایک پاؤنڈ بھی نہیں تھا اس لئے ڈاکٹر اس بچے کو پیدائش کا سرٹیفکیٹ جاری نہیں کر سکا۔ لیکن بچہ زندہ تھا اور وہ دو دن زندہ رہا۔ اڑتالیس گھنٹوں تک بچہ زندگی سے معمور رہا۔ اس کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ جاری نہیں کیا گیا۔ اور پھر بچہ مر گیا۔ اب اس کی موت کا سرٹیفکیٹ جاری نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ جب بچہ پیدا ہی نہیں ہوا تو پھر آپ اس کی موت کی تصدیق کیسے کر سکتے ہیں؟ لیکن اب تک صورت حال نہایت سادہ تھی۔

لیکن تب ہسپتال کی انتظامیہ نے والدین سے بچے کی اڑتالیس گھنٹوں تک نگہداشت اور ادویات کے لئے رقم طلب کی تو پھر والدین نے کہا ''اگر بچہ پیدا ہی نہیں ہوا اور اس طرح وہ مرا بھی نہیں تو پھر یہ رقم کاہے کے لئے؟ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ نے اڑتالیس گھنٹے نگہداشت کی، لیکن آپ نے کس چیز کی نگہداشت کی؟''

اب یہ ایسا پیچیدہ اور عجیب و غریب معاملہ تھا کہ ہسپتال انتظامیہ نے خاموشی کو ہی بہتر سمجھا۔ انتظامیہ عدالت میں بھی نہیں گئی کیونکہ یہ ممکن ہی نہ تھا۔ پہلے بچے کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا، پھر موت کا سرٹیفکیٹ جاری ہوتا، اور پھر اڑتالیس گھنٹوں کی نگہداشت کے لئے اخراجات طلب کئے جاتے۔

موت تو اس وقت ممکن ہے جب اَنا پیدا ہو۔ اگر اَنا پیدا ہی نہیں ہے تو پھر موت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ زندگی تو ابدی ہے۔ زندگی تو لافانی ہے۔ اَنا بھی لافانی ہونا چاہتی ہے لیکن یہ ناممکن ہے۔ آپ لافانی ہیں لیکن اَنا فانی ہے۔ اَنا کو تو موت کا شکار ہونا ہی ہے، اسے ایک ہزار

ایک مرتبہ مرنا ہے۔ اور پھر اَنا، نہایت ہی کمزور اور نازک ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی توہین کرتا ہے تو یہ قدرے ختم ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کا کاروبار دیوالیہ قرار دے دیا جاتا ہے تو پھر جذبے ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص معمولی غلطی کرتا ہے تو وہ بھی معمولی موت کا شکار ہوتا ہے۔ جب آپ معمولی غلطیاں کرتے ہیں تو آپ کئی بار مرتے ہیں۔ اَنا تو ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہتی ہے کیونکہ یہ تو ایک مصنوعی چیز ہے، یہ ایک سراب اور فریب ہے اور اس اَنا کو زندہ رکھنے کے لئے آپ کو دریا کی مخالف سمت بہنا ہوگا۔

اس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اَنا زندہ رہے تو پھر سب سے پہلے آپ کو لڑائی جھگڑا، کوشش، تشدد، جارحیت، درکار ہوں گی۔ یہ عناصر اَنا کی زندگی کے لئے ایندھن اور خوراک ہیں لیکن یہ عناصر تباہی و بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ اور پھر انتہائی مشکل اور مصیبت اس وقت رونما ہوتی ہے جب اَنا پیدا ہوتی ہے، پھر خوف، موت کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ پھر اَنا کو بھی مصیبت کا شکار ہونا پڑتا ہے لیکن اَنا کی غیر موجودگی پر مبنی حالت ہی خوشی، طمانیت اور سکون کی حالت ہے۔

آپ مجھ سے پوچھتے ہیں: کیا یہ نظریہ درست ہے کہ ہمیں آگے بڑھنے کے لئے خود کو دھکیلنا اور زبردستی کرنا ہوتی ہے؟ یہی تو میں آپ کو بتاتا رہتا ہوں کہ یہ نظریہ انسانیت کے لئے ایک نہایت ہی مہلک اور خطرناک عنصر ہے۔ اس نظریے نے انسانیت کو زہر آلود کر دیا ہے لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اَنا کے بغیر آپ کا گزارا نہیں تو پھر آپ کو یہ زہر پینا پڑے گا۔ پھر آپ کو مستقل اور مسلسل مصائب اور مشکلات میں مبتلا رہنا ہوگا اور آپ ہر وقت خود کو جہنم میں محسوس کریں گے لیکن آپ کو یہ غرور تو ہوگا کہ "میں تو ہوں!"

جب جارج برنارڈ شا بستر مرگ پر تھا تو اس سے کسی نے سوال پوچھا: "آپ کہاں جانا چاہتے ہیں، جنت یا دوزخ میں؟" جارج برنارڈ شا نے جواب دیا: "اس کا انحصار حالات پر ہے، اگر میں جنت میں پہلے جا سکتا تو میں جنت میں جاؤں گا، لیکن مجھے سب سے پہلے جانا ہوگا۔ اگر ایسا ممکن نہیں...... کیونکہ دوسرے لوگ پہلے وہاں پہنچ چکے ہوں، یسوع مسیح اور گوتم بدھ وغیرہ، اگر انہوں نے پہلے ہی اہم مناصب سنبھال لئے ہوں، اگر وہ پہلے ہی خدا کے اطراف میں موجود ہوں تو پھر میں جہنم میں جانا پسند کروں گا، لیکن میں جہاں بھی جاؤں، سب سے پہلے جاؤں گا، خواہ جہنم ہی ہو۔"

جارج برنارڈ شاہ بحیثیت مجموعی، بنی نوع انسان کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس کا کہنا بالکل درست

تھا۔ آپ بھی اپنے ذہن میں اندر تک جھانک کر دیکھیں، آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ آپ جہنم میں جانا چاہتے ہیں اگر آپ کو وہاں کا بادشاہ بنا دیا جائے؟ یا پھر جنت، اگر آپ کو وہاں کا خادم بنا دیا جائے؟ اور آپ حیران ہوں گے کہ آپ بھی جارج برنارڈ شاہ کے ساتھ متفق ہیں۔ آپ کا ذہن کہے گا "ایک خادم کی حیثیت سے کیا کیا جا سکتا ہے؟ سب کچھ بھول جاؤ جہنم ہی بہتر ہے، وہاں تو بادشاہت ہوگی!" بے شک آپ کو جہنم میں جلنا تو ہوگا لیکن آپ کی اہمیت تو ہوگی۔ بادشاہوں کو تکالیف و مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں کہ بادشاہت ان کے لئے نہایت اہم ہے۔ سیاستدان بھی تکالیف اور مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں لیکن ان کی حیثیت بہت اہم ہوتی ہے۔ دولتمند لوگ، ذہنی سکون سے محروم ہوتے ہیں لیکن امارت کی بھی اپنی اہمیت ہے۔ غریب لوگ، ممکن ہے زیادہ مصائب و تکالیف میں نہ گرفتار ہوں...... وہ ذہنی بے چینی اور اذیت میں مبتلا نہیں ہوتے، وہ اس قسم کی چیزوں کے متحمل ہی نہیں ہو سکتے۔ یہ سب مصائب اور تکالیف آپ اس وقت برداشت کرتے ہیں جب آپ انہیں برداشت کرنے کے متحمل ہوں۔ کوئی بھی زیادہ مصیبت و تکلیف برداشت نہیں کر سکتا، جھیلنے کے لئے کچھ ہے ہی نہیں۔ غریب لوگوں کو آپ مزید مشکلات میں مبتلا نہیں کر سکتے، وہ تو پہلے ہی آخری صف میں کھڑے ہیں، آپ انہیں مزید پیچھے نہیں دھکیل سکتے۔

گداگر، بہت زیادہ تکالیف و مصائب میں گرفتار نہیں ہوتے۔ کوئی گداگر، رچرڈ نکسن کے مانند کیسے مصائب جھیل سکتا ہے؟ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ گداگر کو کہاں پھینک سکتے ہیں؟ وہ تو پہلے ہی پچھلی صف میں موجود ہے، آپ اُسے مزید پیچھے کہاں دھکیل سکتے ہیں۔ وہ تو مزید مصائب جھیلنے کے قابل ہی نہیں ہے لیکن وہ تو گداگر ہے، ایک معمولی انسان، اور یہ معمولی حیثیت اس کے دل میں مسلسل اور مستقل طور پر خنجر کے مانند پیوست رہتی ہے کہ "میں تو ایک معمولی انسان ہوں!" لیکن یہ گداگر بھی ایک خاص اور مشہور شخص بننا چاہتا ہے خواہ اسے مصائب و مشکلات جھیلنی پڑیں۔

ہمیں ہر قیمت پر اس زہریلے اور خطرناک ذہن کے اندر جھانکنا ہوگا کہ یہ ذہن اپنے لئے جہنم تخلیق کرنے کے باوجود اَنا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ذہن اپنی اَنا سے محروم ہونے کے بعد، خوش، عقلمند اور مطمئن ہونے کے لئے تیار نہیں ہے، اور آپ یہی چیز انجام دیتے رہتے ہیں۔ میں آپ کو یہی کچھ کرتے روز دیکھتا ہوں۔ معمولی معمولی چیزوں کے لئے آپ اپنی خوشگوار زندگی قربان کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں لیکن آپ اپنی اَنا سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ اور آپ اس اَنا

کے حصول کی خاطر بڑی سے بڑی مصیبت جھیلنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا، اپنی اَنا اور شعور خودقدری سے خبردار اور ہوشیار رہئے۔

میں آپ سے نہیں کہہ رہا کہ آپ اپنے اس راستے پر زبردستی چلیں۔ اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اطمینان کیجئے۔ دریا کی روانی کے ساتھ بہتے جائیں، آپ کو تیرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، دریا کو اجازت دیں کہ وہ آپ کو بہالے جائے۔ یہ آپ کو سمندر میں لے جائے گا، یہ تو پہلے ہی سمندر کی طرف جا رہا ہے، آپ کو کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوشش اس وقت درکار ہوتی ہے جب آپ دریا کے مخالف سمت بہنا چاہتے ہیں۔ جب آپ جھگڑے، جارحیت اور تشدد میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب آپ فطرت کے مطابق عمل کرتے ہیں تو پھر آپ کو جدوجہد اور کوشش درکار نہیں ہوتی، فطرت تو پہلے ہی سیدھے راستے پر گامزن ہوتی ہے۔ فطرت کی موجودگی میں طمانیت اور سکون محسوس کیجئے۔ پھر آپ کا دل نغمہ سرا ہو جائے گا کیونکہ تمام مصائب و مشکلات پہلے ہی دور ہو چکی ہوں گی۔

لیکن ان مصائب و مشکلات کے غائب ہونے کے ساتھ آپ بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنی ذات اور مصائب و مشکلات، دونوں کو بیک وقت حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ خوشی و مسرت سے بھی لطف اندوز ہوں اور اپنی اَنا بھی قائم رکھیں۔ یہ ناممکنات میں سے ہے کیونکہ قدرت اس طرح روئے عمل نہیں ہوتی۔ آپ کو ان میں سے ایک کو ترک کرنا ہوگا۔ یا تو آپ خوشی و مسرت سے ہاتھ دھو لیں اور اپنا شعورِ خودقدری قائم رکھیں، یا پھر اپنی اَنا ترک کر دیں اور خوشی و مسرت سے مستفید ہوں۔ یہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اور پھر میں یہی چیز آپ سے بار بار کہتا ہوں کہ مشکلات و مصائب کی اپنائیت، آپ کا اپنا انتخاب ہے۔

آپ میرے پاس آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ان مصائب و مشکلات سے کس طرح نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ آپ اَنا کو چھوڑے بغیر پریشانیوں اور مشکلات سے نجات کے متمنی ہیں۔ لیکن یہ ممکن ہے۔ جب میں آپ سے کہتا ہوں کہ ''اپنی اَنا کو ترک کر دیں'' تو آپ کی آنکھوں سے یہی سوچ ظاہر ہوتی ہے کہ میں موضوع تبدیل کر رہا ہوں۔ آپ یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ میں تو اس لئے یہاں آیا تھا کہ یہ پوچھوں کہ میں مصائب و مشکلات سے کس طرح نجات حاصل کر سکتا ہوں، اور میں کسی اور چیز کا ذکر لے بیٹھا ہوں۔ میں آپ سے کہتا ہوں ''اپنی اَنا کو ترک کر

دیجئے۔'' بلاشبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کوئی اور ہی چیز ہے۔

بھرپور چاندنی رات تھی۔ مُلّا نصرالدین، ایک خوبصورت خاتون کے ساتھ بیٹھے رومان جھاڑ رہے تھے، عشق کرنے کی کوشش میں تھے لیکن خاتون، نہایت ہی دنیادار اور عملی قسم کی عورت تھی۔

جب مُلّا اس خاتون کی محبت میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے تو بالآخر خاتون نے کہا، ''مُلّا، آپ کی محبت سر آنکھوں پر، لیکن آپ مجھ سے شادی کریں گے؟''

مُلّا نے کہا: ''سنو، موضوع تبدیل نہ کرو!''

یہی کچھ میں نے بار بار آپ کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ آپ اپنا ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں اور میں کوئی دوسری بات شروع کر دیتا ہوں۔ بظاہر یہ کوئی دوسری بات معلوم ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک اصل بات یہی ہے۔ آپ مصائب و مشکلات سے تو نجات کے خواہاں ہیں لیکن آپ اپنی اَنا ترک نہیں کرنا چاہتے اور یہ مصائب و مشکلات دور نہیں ہو سکتیں کیونکہ یہ اَنا کا سایہ ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ اپنی اَنا سے دامن چھڑا لیں، یہ مصائب و مشکلات ختم ہو جائیں گی۔ معلوم ہوتا ہے یہ بہت بڑی قیمت ہے جو آپ کو ادا کرنا ہوگی۔ آپ کہتے ہیں: ''میں اس کے متعلق سوچوں گا۔'' دراصل، آپ اپنی مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کرنا ہی نہیں چاہتے۔ اگر آپ واقعی چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مصائب سے نجات حاصل کر لیں تو پھر اس حقیقت سے آشنا ہوتے ہی آپ فوری طور پر اپنی اَنا کو ترک کر دیں گے۔

سگمنڈ فرائڈ نے کہا ہے کہ انسان قدرتی طور پر مصائب و مشکلات کا مارا ہوا ہے۔ مجھے تو اس بات پر یقین نہیں ہے لیکن نوے فیصد افراد اسے درست سمجھتے ہیں۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔ فرائڈ محسوس کرتا ہے کہ اس دنیا میں انسان بے بسی اور ناامیدی کا مرقع ہے اور وہ بنیادی طور پر مصائب اور مشکلات کا ہی گورکھ دھندا ہے، اس کے یہ خراب حالات تبدیل نہیں ہو سکتے وہ خوش نہیں ہو سکتا۔ فرائڈ کے کہنے سے مراد یہ ہے کہ انسان کی خواہشات لامحدود اور ناممکن ہیں۔ انسان ناممکنات کا متمنی ہے۔ وہ اپنی اَنا کو بھی برقرار رکھنا چاہتا ہے اور وہ خوش بھی رہنا چاہتا ہے۔

یہ تو ایسے ہی ہے کہ آپ چمکدار اور مکمل دھوپ کے خواہاں ہیں جہاں قطعاً بادل نہ ہوں لیکن آپ سیاہ رات کی ٹھنڈک اور خاموشی کے بھی خواہاں ہیں۔ اور آپ آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کے متمنی ہیں۔ اس طرح آپ ناممکنات کا تقاضا کر رہے ہیں۔ یہ تو قطعی ممکن ہی نہیں ہے، آپ

صرف یہ فرض ہی کر سکتے ہیں۔ یہی تو لوگ کرتے ہیں۔ آپ محض فرض ہی کر سکتے ہیں۔ آپ ایک چمکدار دن ساحل سمندر پر بیٹھ سکتے ہیں اور اپنی آنکھیں بند کر سکتے ہیں۔ یہ تو اداکاری ہے، یہ تو محض مفروضہ ہے۔ اگر آپ اپنی آنکھیں بند رکھیں تو آپ اپنے اندر رات کی تاریکی پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ ساحل سمندر پر بیٹھے بیٹھے چمکدار دھوپ اور رات کی تاریکی دونوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن یہ محض آپ کا تصور اور مفروضہ ہے۔ دراصل اس وقت تو چمکدار دن ہے اور رات کی تاریکی تو محض ایک مصنوعی تصور ہے جو آپ نے اپنی بند آنکھوں کے ذریعے پیدا کیا ہے۔ ناممکن کو تو ممکن بنایا ہی نہیں جا سکتا۔

عقلمند اور فہیم شخص تو ہمیشہ اپنی زندگی میں یہ دیکھتا ہے کہ کیا وہ کوئی ناممکن کام کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔ جس لمحے ہی اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ کوئی ناممکن کام کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ فوراً ہی اس کام سے رک جاتا ہے۔ وہ انسان یہ منصوبہ فوراً ترک کر دیتا ہے۔ میرے نزدیک یہی عقلمندی اور سمجھداری ہے۔

بے عقل اور جاہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو بغیر سوچے، بغیر صورت حال کا جائزہ لئے اس طرح کوشش و جدوجہد میں مصروف ہوتے ہیں جیسے وہ ایک دائرے میں چکر لگا رہے ہیں۔ آپ کوشش مسلسل میں تو مصروف رہ سکتے ہیں لیکن آپ کی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوگی کیونکہ دائرہ، دائرہ ہی ہوتا ہے اور یہ مربع نہیں بن سکتا۔ اور پھر مربع، مربع ہے اور دائرہ نہیں بن سکتا۔ آپ جدوجہد اور کوشش کرتے رہیں لیکن آپ کی یہ کوشش ناکامی سے دوچار ہوگی۔ کیونکہ آپ ناممکن کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

اور آپ کہتے ہیں: ''مجھے خود سے لڑنے سے نفرت ہے۔ اب یہ بھی جدوجہد اور کوشش ہے۔ نفرت! آپ کو پہلے خود سے لڑنے سے نفرت ہے...... پھر آپ دوسری غلطی کرتے ہیں...... یہ غلطی زیادہ شدید ہوتی ہے، پھر آپ اس جدوجہد اور کوشش کے خلاف بھی لڑتے ہیں کیونکہ آپ نفرت کرتے ہیں۔ میں تو آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ زندگی کو قبول کریں۔ میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ زندگی کو ''جیسے ہے جہاں ہے'' کی بنیاد پر قبول کر لیں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ اب ایک اور مشکل آن پڑی ہے۔

مثلاً، آپ یہ دیکھتے ہیں کہ آپ مسلسل جدوجہد اور کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ کیا آپ

کو یہ صورت حال بھی قبول کر لینا چاہئے؟ میرا جواب اثبات میں ہے۔ اگر آپ یہ صورت حال قبول کر لیں گے تو یہ صورت حال غائب ہو جائے گی۔ صورت حال کی قبولیت کے ذریعے، صورت حال تبدیل ہو جاتی ہے۔ آپ کو ہر امر، ہر صورت حال قبول کر لینا چاہئے حتیٰ کہ کوشش اور جدوجہد کو بھی قبول کر لینا چاہئے۔ آپ کیا کر سکتے ہیں اگر آپ جدوجہد اور کوشش کر رہے ہیں اور دریا کے مخالف سمت تیر رہے ہیں، آپ ایک اور مسئلہ پیدا کر رہے ہیں۔ اگر میں کہتا ہوں ''جدوجہد اور کوشش مت کرو'' تو پھر آپ اپنے طور پر کوشش اور جدوجہد شروع کر دیں گے۔ یہ صورت حال، مزید نازک اور عجیب وغریب ہوگی۔ آپ اپنی طرف سے جدوجہد اور کوشش کرتے رہیں گے۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ ''کوشش اور جدوجہد مت کرو'' تو میں یہ نہیں کہہ رہا ہوتا ہوں کہ ''اپنے طور پر کوشش اور جدوجہد شروع کر دو، بلکہ میرے کہنے سے مراد یہ ہے کہ ''صورت حال کو قبول کیجئے۔'' اگر آپ چاہتے ہیں کہ دریا کی روانی کے مخالف تیریں، تو پھر دریا کی روانی کے مخالف سمت میں تیرنا شروع کر دیں۔ ایک نئی کوشش مت کریں۔ مخالف سمت تیرتے رہیں، اور اپنے عمل کی نامعقول اور احمقانہ نوعیت دیکھتے ہوئے بھی اپنی کوشش جاری رکھیں۔ یہ دیکھیں کہ آپ کا یہ عمل احمقانہ ہے اور آپ کا رویہ بھی احمقانہ ہے، دریا کو واپس دھکیلا نہیں جا سکتا پھر بھی دریا کے مخالف سمت تیرتے رہئے، اس صورت حال کا مشاہدہ کریں اور بعینہ اس صورت حال کو قبول کریں۔

صورت حال کی قبولیت اور اس آگہی کے دوران ایک دن اچانک آپ کو احساس ہوگا کہ آپ کے ہاتھ رُک گئے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ آپ نے انہیں روک دیا ہے...... اگر آپ نے اپنا ہاتھ روک دیا ہے تو آپ نے موقع ضائع کر دیا ہے۔ پھر دوبارہ یہ کوشش روکنے کی ہے۔ پہلے آپ دریا کی روانی کے خلاف جدوجہد اور کوشش میں مصروف تھے...... پھر آپ اپنی ہی کوشش اور جدوجہد کے خلاف مصروفِ عمل تھے...... اور اس طرح کسی حد تک آپ اپنے ہاتھ روکے ہوئے تھے کہ کہیں یہ ہاتھ دوبارہ دریا کی روانی کو روکنے کے لئے کوشش میں مصروف نہ ہو جائیں۔ یہ کوئی خوبصورت صورت حال نہیں ہوگی۔ آپ پریشان ہوں گے، آپ کو غصہ آ رہا ہوگا، آپ بے حس و حرکت کھڑے ہوں گے، آپ تیر نہیں رہے ہوں گے، آپ مسرت کے عالم میں بہہ نہیں ہوں گے، آپ بے بسی اور مایوسی محسوس کر رہے ہوں گے۔ اور پھر کسی بھی لمحے موقع حاصل ہونے پر، آپ دریا کی مخالف سمت تیرنا شروع کر دیں گے۔ آپ اپنی خواہش کو کہاں تک روک سکتے ہیں؟

لہٰذا میری بات سنئے، میری بات غور سے سنئے۔ اگر آپ دریا کو مخالف سمت دھکیل رہے ہیں تو میں نہیں کہتا کہ اپنی یہ کوشش روک دیں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اس طرح آپ کچھ بھی نہیں حاصل کر پائیں گے۔ میری بات غور سے سنئے، اسے اپنے ذہن ودل میں بٹھالیں۔ اگر آپ دریا کی مخالف سمت بہنے کی پرانی عادت میں مبتلا ہیں...... آپ سالہا سال سے اسی کام میں مصروف ہیں، تو پھر اپنے اس عمل کو جاری رکھئے لیکن اس حقیقت کا بھی مشاہدہ کرتے رہئے کہ آپ کا یہ عمل نامعقول اور احمقانہ ہے، آپ نامعقول اور احمق بنتے جا رہے ہیں۔ اپنی خلاف عادت عمل مت کیجئے۔ اپنے آپ پر جبر کرنے کی کوشش مت کیجئے۔ یہ صورت حال رونما ہونے دیجئے لیکن یہ تصور اور سوچ سامنے رکھئے کہ یہ صورت حال نامعقول اور احمقانہ ہے، بلامقصد ہے، اس میں سے کوئی بھی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ یہ صورت حال واقع ہونے دیجئے لیکن اس صورت سے کوئی توقع مت رکھیں، مایوسی کے منتظر رہیں، قطعی طور پر خبردار رہیں کہ آپ کو مایوسی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا، آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، آپ اپنی توانائی ضائع کر رہے ہیں اور یہ سب کچھ آپ کی پرانی عادت کا شاخسانہ ہے۔ اپنا یہ عمل جاری رکھیں، پیچھے مت ہٹیں۔

اور پھر ایک دن آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ہاتھوں کی حرکت آہستہ سے آہستہ ہوتی جا رہی ہے۔ دریا کے خلاف آپ کی جدوجہد نرم پڑ گئی ہے۔ اور پھر ایک دن، جب آپ کی سوچ واضح اور شفاف نوعیت اختیار کر لے گی، جب آپ ہر چیز صاف طور پر دیکھ سکیں گے، آپ کو صورت حال کی نامعقولیت اور احمقانہ پن کا اندازہ ہو جائے گا۔ جب آپ کو اس صورت حال کے بودے پن اور نامعقولیت کا احساس ہو جائے گا تو آپ کے ہاتھ خود بخود رک جائیں گے۔ یہ نہیں کہ آپ اپنے ہاتھوں کو روکیں گے، یہ از خود ہی رک جائیں گے، اور جب یہ ہاتھ خود بخود اور اپنے طور پر رکتے ہیں تو پھر یہ ایک نہایت ہی پُر وقار اور خوبصورت صورت ہوگی۔

تیسرا سوال:

آپ نے مجھے قائل کر لیا ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی سوال پوچھا اور اس کا جواب دیا جائے میں بخوشی آپ کی بات مان چکی ہوں۔

یہ سوال یوگا پوجا نے پوچھا ہے۔

پُوجا، میں بہت خوش ہوں کہ یہ کوئی سوال ہی نہیں ہے، لیکن اپنے ذہن میں ایک لفظ تبدیل

کر لو، اسے یقین مت کہو، اسے تبدیلی کہو۔ جو تم کہنا چاہتی ہو، تم نے اس کے لئے غلط لفظ استعمال کیا ہے، بس یہی بات ہے۔

یقین، ذہن کی منطقی اور فکری کیفیت کا نام ہے۔ اور ہر یقین کے پیچھے شکوک وشبہات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یقین، کسی بھی شخص کو تبدیل نہیں کرتا، یہ ایک ذہنی کیفیت ہے، یہ آپ کی ذات کو کیسے بدل سکتا ہے؟ اور یقین تو کسی کی ذاتی چیز نہیں ہوتی، اسے کسی سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ میں کسی چیز کے متعلق نہایت قطعی انداز اختیار کرتا ہوں اور آپ قائل ہو جاتے ہیں کیونکہ میں اس چیز کے متعلق نہایت منطقی انداز میں بات کر رہا ہوں۔ میری منطق سے آپ متاثر ہو جاتے ہیں، آپ اس کے خلاف دلائل نہیں دے سکتے، اس لئے آپ قائل ہو جاتے ہیں۔ یقین، ہم کسی دوسرے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ ایک مسیحی بن جاتے ہیں، ایک پکے مسیحی، کیونکہ آپ کے والدین مسیحی تھے، یا پھر ایک اچھے ہندو بن سکتے ہیں، ایک جنونی ہندو بن سکتے ہیں کیونکہ آپ کے والدین ہندو تھے۔

ایک سکول کی ٹیچر نے اپنے طلبہ کو انجیل پڑھاتے پڑھاتے ان سے پوچھا ''تمہیں خدا پر کیونکر یقین ہے؟''

ٹیچر کو مختلف طلبہ کی طرف سے مختلف جوابات ملے۔ کچھ نے کہا کہ ہمارا اعتقاد یہی ہے، کچھ نے غیر سنجیدگی سے الٹے پلٹے جواب دیئے۔ ایک بچہ جو ایک مشہور شخص کا بیٹا تھا، اس نے جواب دیا:

''میرا خیال ہے یہ ہماری خاندانی روایت ہے جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے!''

اسی طرح آپ کسی چیز کے قائل ہوتے ہیں۔

اگر آپ میرے ساتھ بات کریں گے تو میں یقین کا قائل نہیں ہوں اور میں کسی چیز کے متعلق آپ کو قائل کرنے میں بھی دلچسپی نہیں رکھتا۔ سچ، سچ ہے، اس کے لئے یقین درکار نہیں۔ اگر آپ کو اس کا علم ہے یا نہیں ہے، اسے یقین کی ضرورت نہیں ہے، اس ضمن میں اعتقاد اور یقین کسی کام کے نہیں، آپ کو یقین درکار نہیں بلکہ تبدیلی درکار ہے، قلب کی تبدیلی، ایک سو اسی درجے کی مکمل تبدیلی...... سوچ میں یکسر تبدیلی، دنیا کے متعلق نقطہ نظر میں تبدیلی۔ یہ یقین نہیں ہے، یہ تبدیلی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ کے نظریات وخیالات تبدیل ہوئے، بلکہ آپ خود تبدیل ہو گئے۔

اور پُوجا کا بالکل یہی مطلب ہے۔ اس نے صرف غلط لفظ استعمال کیا ہے۔ وہ کہتی ہے

''اس سے پہلے کہ آپ کوئی سوال پوچھیں اور آپ اس سوال کا جواب دیں، میں آپ کی قائل ہو چکی ہوں۔'' وہ دوبارہ یہی لفظ ''قائل'' استعمال کر رہی ہے۔ اگر آپ کے خیال کے مطابق یہ یقین ہے تب آپ سوچیں گے کہ یہ اس لئے ہے کہ آپ نے مجھ پر یقین کرنا شروع کر دیا ہے۔

لیکن پُوجا کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس کے کہنے سے مراد عین وہی ہے لیکن اس نے الفاظ صحیح استعمال نہیں کئے۔

بہت خوب، میں بہت خوش ہوں، اگر آپ نہایت توجہ اور لگن سے میری بات سنتے ہیں، تو ہر شخص میری بات توجہ اور لگن کے ساتھ سن سکتا ہے۔ اگر آپ میری بات سنجیدگی سے نہیں سنتے، اگر آپ میری بات توجہ سے نہیں سنتے، اگر آپ میری بات بغیر مقصد کے محض لطف اندوز ہونے کے لئے سنتے ہیں...... جیسے کوئی موسیقی سنتا ہے، یا پھر آبشار کی آواز سنتا ہے یا پھر مرغ کی آواز سنتا ہے، لہٰذا، آپ میری بات غور سے نہیں بلکہ محض میری صحبت میں رہنے کے لئے سنتے ہیں تو پھر آپ میں تبدیلی رونما ہونا شروع ہو جاتی ہے، میرے جسم سے نکلنے والا شعلہ آپ کے بدن کی بجھی ہوئی شمع کو جلانے کے لئے لپک کر آپ کی طرف جاتا ہے۔

چوتھا سوال:

اوشو، جب یہ آشرم نزدیک آتا نظر آتا ہے تو ہم میں جذبہ وشوق پیدا ہوتا ہے، کیا آپ کی خواہش ہے کہ ہم ہمیشہ اس عمارت میں رہیں؟

بالکل درست!

پانچواں سوال:

کیا یہ ضروری ہے کہ ہر شخص کا کوئی مذہب یا اس قسم کی کوئی چیز ہو؟

ہاں، ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کوئی مذہب یا اس قسم کی کوئی چیز اختیار کرے۔ اس کا انحصار آپ کی مرضی پر ہے ورنہ آپ انتہائی مصائب و مشکلات محسوس کریں گے اور کئی چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔

ایک چھوٹا سا قصہ سنئے!

نرس (مریض سے): تمہارا کس مذہب سے تعلق ہے؟

مریض: کسی سے بھی نہیں۔

نرس: تم کس عبادت گاہ میں جاتے ہو؟

مریض: میں کسی عبادت گاہ میں نہیں جاتا!

یا

ایک شخص بحری جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ سمندری طوفان کے باعث جہاز تباہ ہو گیا اور ایک مسافر کے علاوہ تمام لوگ ہلاک ہو گئے۔ وہ مسافر کافی مدت ایک صحرا میں بھٹکتا رہا۔ آخر ایک دن، ایک اور بحری جہاز قریب سے گزرا تو اس مسافر نے بحری جہاز کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور یوں یہ مسافر اپنی زندگی بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر اس بحری جہاز کے کپتان نے مسافر سے پوچھا: ''اس تمام عرصے تم خود کو مصروف رکھنے کے لئے کیا کرتے رہے؟''

مسافر نے جواب دیا: ''میں عمارتیں تعمیر کرتا رہا۔'' پھر وہ کپتان کو جزیرے کے ایک گوشے کی طرف لے گیا اور اسے ایک خوبصورت عبادت گاہ دکھائی۔

کپتان نے کہا: ''بہت ہی خوبصورت ناقابلِ یقین حد تک خوبصورت!''

مسافر نے کہا: ''یہ تو کچھ بھی نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ کپتان کو ایک اور طرف لے گیا جہاں ایک اور خوبصورت تعمیر شدہ عبادت گاہ موجود تھی۔

کپتان حیرانی سے کہنے لگا: ''مجھے سمجھ نہیں آ رہی، تم اس جزیرے میں واحد انسان تھے، پھر تم نے دو عبادت گاہیں کیوں تعمیر کیں۔''

مسافر نے جواب دیا: ''اس ایک عبادت گاہ میں تو میں عبادت کے لئے جاتا تھا اور دوسری عبادت گاہ میں اس لئے نہیں جاتا تھا کہ اگر مجھے وہاں سے رقم ملتی تو پھر بھی میں وہاں نہ جاتا۔''

یہ ایسے طریقے ہیں جن کے ذریعے آپ اپنی شخصیت، ذات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ایسے طریقے ہیں جن کے ذریعے اَنا اپنی پہچان کراتی ہے۔ آپ ہندو ہو یا مسلمان، یا پھر بدھ مت، آپ ہندوستانی ہوں یا جرمن یا اطالوی، آپ کیتھولک ہوں یا پروٹسنٹ، انہی طریقوں کے ذریعے آپ اپنی ہستی کی پہچان کراتے ہیں۔

درحقیقت، ایک مذہبی شخص کو کسی مذہب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک مذہبی شخص، لامذہب ہوتا ہے۔ ایک مذہبی شخص میں مذہبی ہونے کی خوبی موجود ہوتی ہے لیکن اس خوبی کو الفاظ میں بیان

نہیں کیا جاسکتا۔ یہ خوبی تو اس کے اردگرد موجود روشنی اور ضیاء سے بھی بڑھ کر ہے۔ بالکل درست اس شخص کے افعال میں آپ کو شان اور وقار نظر آئے گا، اس کی زندگی سراپا تشکر ہوگی اور اس کا رویہ ہمدردانہ ہوگا۔ لیکن وہ ہندو، مسلمان یا مسیحی نہیں ہے۔ مذہبی انسان ہونے کے لئے یہ تو معمولی طریقے ہیں بلکہ مذہبی ہونے کے لئے یہ حقیقی طریقے نہیں ہیں۔

مذہب، بنیادی طور پر ایک طرزِ حیات ہے، کس طرح آپ نے زندگی گزارنا ہے اور کس طرح آپ نے مرنا ہے، کسی طرح آپ نے زندہ رہنا ہے، اور کس طرح زندگی سے لطف اندوز ہونا ہے، کس طرح مرنا ہے اور اس سے کس طرح لطف اندوز ہوتا ہے، کس طرح وقار اور تمکنت کے ساتھ زندہ رہنا اور کس طرح وقار اور تمکنت کے ساتھ مرنا ہے، اور کس طرح آپ نے اپنی تمام زندگی (موت سمیت) کو ایک خوشگوار اور حسین تقریب کی حیثیت دینا ہے۔

مذہب کا انجیل، گیتا یا قرآن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذہب تو خود میں ایک کیمیائی تبدیلی لانے کا نام ہے۔ اس لئے جب بھی آپ کو کوئی اصلی حقیقی شخص ملے گا، وہ نہ تو ہندو ہوگا، نہ ہی مسلمان اور نہ ہی مسیحی اور نہ ہی یہودی، بلکہ اس میں ایک نامعلوم خوبی موجود ہوگی جو اس کی پہچان ہوگی لیکن یہ پہچان اس کی اَنا کی نہیں بلکہ اس کی طرزِ حیات کی ہوگی۔

بالکل درست، یسوع مسیح کے اردگرد آپ کو مذہبیت کی ایک خوبی ملے گی اور یہی خوبی آپ کو گوتم بدھ، محمدؐ یا نانک کے گرد بھی ملے گی۔ آپ کو ان تمام ہستیوں میں یہ خوبی موجود ملے گی لیکن آپ کو بغور مشاہدہ کرنا ہوگا اور آپ کو اس خوبی کا ادراک کرنے کے لئے مخصوص بصیرت خود میں پیدا کرنا ہوگی۔

یہ گرونانک کی زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ بابا گرونانک ایک ایسے شہر وارد ہوئے جہاں پہلے ہی بے شمار نیک صوفی بزرگ موجود تھے، مسلمان، جین، بدھ مت، ہندو۔ یہ شہر بے شمار نیک افراد سے اَٹا پڑا تھا۔ بلاشبہ، جب کسی ایک جگہ بے شمار نیک اور متقی افراد جمع ہو جائیں تو ایک اور نئے نیک بزرگ کے آنے سے اختلافات اور عداوتیں تو پیدا ہوتی ہی ہیں اور اب ایک نیا صوفی بزرگ اس شہر میں وارد ہو رہا تھا۔

اب اس شہر میں پہلے سے موجود بزرگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے "ہماری تعداد تو یہاں پہلے ہی بہت زیادہ ہے، پھر یہ شخص یہاں کیوں آ رہا ہے۔" پھر انہوں نے آپس میں مشورہ

کیا اور بابا نانک کو ایک پیغام بھیجا جو ابھی شہر سے باہر ہی قیام پذیر تھے۔ پیغام یہ تھا: "اس شہر میں پہلے ہی بے شمار صوفی موجود ہیں اور کاروبار نہایت مندا ہے کیونکہ گاہک بہت کم ہیں اور صوفی بہت زیادہ ہیں، اس لئے براہ مہربانی کسی اور جگہ چلے جایئے!"

انہیں یہ علم تھا کہ اگر نانک کا نام اس شہر میں پہنچ گیا، ان کی شہرت اس شہر میں پہنچ گئی، اور اگر بابا نانک یہاں آ گئے تو تھوڑے بہت جو گاہک یہاں موجود ہیں، وہ بھی ہاتھ سے جاتے رہیں گے۔ اس لئے انہوں نے ایک خوبصورت قدم اٹھایا۔ انہوں نے نانک کو پیغام بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ ناراض نہ ہوں۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں نانک بُرا نہ مان جائیں کیونکہ یہ ان کی زیادتی تھی۔ وہ نانک کو روکنے والے کون ہوتے تھے؟ لیکن وہ مکار لوگ تھے، انہوں نے علم و حکمت کی کتابیں کھنگالیں اور ایک طریقہ معلوم کر لیا۔

انہوں نے نانک کو تیل سے بھرا ہوا ایک پیالہ بھجوایا کہ اس میں مزید ایک قطرہ بھی تیل ڈالنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس سے مراد یہ تھی کہ یہ شہر نیک لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، اور اب مزید کسی شخص کے یہاں آنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اس وقت بابا نانک ایک درخت کے نیچے کنویں کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے، ان کا ایک چیلا ایک ساز بجا رہا تھا۔ لوگ وہ پیالہ لے کر بابا نانک کے پاس آئے۔ بابا نانک نے انہیں دیکھا، وہ پیغام کا مطلب سمجھ گئے، کنویں کے ایک طرف سے پھول توڑا اور پیالے میں موجود تیل پر رکھ دیا اور پھول تیرنے لگا۔ یہ پھول اس قدر ننھا منا تھا کہ اسے تیرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آ رہی تھی اور نہ اس نے کوئی خاص جگہ گھیر رکھی تھی۔ پیالے میں سے تیل کا ایک قطرہ تک نہ گرا، اور پھر بابا نانک نے ان سے کہا "واپس جاؤ اور یہ پیالہ انہیں دے دو جنہوں نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔"

چیلا حیران و پریشان یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں سمجھ سکا کہ بابا نانک اور ان لوگوں کے درمیان کیا پیغام رسانی ہو رہی تھی۔ پیالہ بھی بہت پُراسرار تھا۔ لوگ دراصل کیا کہنا چاہتے تھے۔ بابا نانک کہنے لگے "وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اس شہر میں پہلے ہی سے بے شمار نیک اشخاص اور صوفی موجود ہیں اور اس شہر میں مزید گنجائش نہیں ہے۔" لیکن بابا نانک نے کہا کہ "ایک مذہبی شخص کو کسی بھی قسم کی جگہ درکار نہیں ہوتی۔ یہ میرا جواب ہے۔ میرا کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں اور نہ ہی میرا کسی کے ساتھ کوئی مقابلہ ہے۔ مذہبی شخص کاروباری نہیں ہوتا، مذہبی شخص کو کوئی جگہ درکار نہیں

ہوتی۔ انہیں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تو اس طرح اس شہر میں ہوں جیسے یہ پھول تیر رہا ہے۔ میں تو یہاں اس پھول کے مانند ہوں...... ایک دن میں یہاں ہوں گا، کل وہاں ہوں گا۔ انہیں میرے متعلق فکر کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔"

یہی تو مذہبیت ہے، نہ کسی کے ساتھ مقابلہ، نہ کسی کے ساتھ جھگڑا، نہ کسی کے ساتھ زیادتی۔ اور ہر شخص کو معلوم ہے یہ دنیا چندروزہ ہے، یہ تو کارواں سرائے ہے...... صرف ایک رات کا قیام، اور دوسری صبح روانگی، عین اس پھول کے مانند۔

ایک مذہبی انسان کو باقاعدہ مذہب کے ساتھ کوئی سروکار نہیں لیکن اسے اپنے اندر کی شاعری، اپنی زندگی کی شاعری کے مطابق زندگی بسر کرنا ہوتی ہے۔ اسے اپنے اندر کے رقص کے مطابق زندگی گزارنا ہوتی ہے، اس میں رقص کرنے کی توانائی موجود ہوتی ہے۔ اسے زندگی سے گہرا عشق ہوتا ہے، وہ زندگی کے ساتھ رومانوی پیار کرتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور خوشیوں کا ثرت شکر ادا کرتا ہے۔ اور ہم معمولی انسان، ان نعمتوں اور راحتوں کے مستحق بھی نہیں ہوتے، یہ تو ہمارے لئے تحائف کے مانند ہیں۔

آپ پوچھتے ہیں: "کیا یہ ضروری ہے کہ ہر شخص کا کوئی مذہب یا اس قسم کی کوئی چیز موجود ہو؟"

دوسری بات یہ ہے کہ مذہب کی اقسام نہیں ہوتیں...... مذہب ایک ہوتا ہے لیکن اس کی شکلیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ آپ اپنا مکان ایک طرح بناتے ہیں، کوئی دوسرا شخص اپنا مکان کسی دوسری طرح بناتا ہے اور تیسرا شخص کسی تیسرے ماہر تعمیرات سے اپنے مکان کا نقشہ بنواتا ہے، لیکن ان تمام مکانوں کا مقصد ایک ہوتا ہے کہ آپ کو سر چھپانے کی جگہ چاہئے، آپ کو ایک چھت چاہئے۔ کوئی شخص ہندوستانی طریقے سے کھانا پکاتا ہے، کوئی شخص چینی طریقے سے کھانا پکاتا ہے اور کوئی شخص کسی اور طریقے سے کھانا پکاتا ہے لیکن ان سب کا مقصد صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے بھوک مٹائی جائے...... آپ کو خوراک چاہئے، آپ کو غذائیت چاہئے۔

لہٰذا یہ سب مذاہب، مختلف قسم کی غذائیت فراہم کرنے کے طریقوں کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ ان میں سے کسی بھی طریقے کا انتخاب آپ کی اپنی مرضی ہے لیکن یہ امر بھی اس قدر اہم نہیں ہے۔ اہم چیز یہ ہے کہ آپ خدا کے پاس عافیت ڈھونڈیں، اس کی بندگی اور اطاعت کریں، صوفی اسے اسلام کہتے ہیں، عزمِ صمیم، ایمان، احسان اور یقین و بھروسا۔

چھٹا سوال:

چار سال قبل میں نے کہیں پڑھا تھا کہ میرے مرشد/گرو کی دعائے خیر کے باعث میرے خون کا کینسر جاتا رہا۔ جب میں نے اس کے متعلق آپ کو بتایا تو آپ نے کہا "جس دن سے تم نے سنیاس لیا، تمہارا کینسر جاتا رہا۔" مجھے یاد ہے کہ میں نے آپ کو کہتے ہوئے محسوس کیا کہ ممکن ہے کہ یہ محض ترکیب ہو اور حقیقت نہ ہو۔ مجھے تو ہمیشہ سے ہی یہ یقین ہے کہ ممکن ہے کہ آپ کی سچی باتیں حقیقت نہ ہوں۔ کیا میں اپنے اس یقین کے باعث محرومی کا شکار ہو چکا ہوں؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ سچ حقیقت بھی ہو۔ حقیقت ایک کم درجے کا طریقۂ کار ہے اور سچ ایک اعلیٰ درجے کا عمل ہے۔ بعض اوقات سچائی، حقیقت پر مبنی ہوسکتی ہے اور بعض اوقات سچائی کا حقیقت کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں حقیقت فیصلہ کن حیثیت کی حامل نہیں ہے۔ زندگی میں ایسی اعلیٰ و ارفع وارداتیں بھی رونما ہوتی ہیں جو حقائق پر مشتمل نہیں ہوتیں۔

لیکن میں یہ بات سمجھ سکتا ہوں۔ یہ سوال چمنیا کی طرف سے ہے۔ مغربی ذہن کو حقائق کی بہت زیادہ لت ہے۔ جو چیز حقیقت ہو، اصلی دکھائی دیتی ہے اور جو چیز حقیقت نہ ہو، اصلی دکھائی نہیں دیتی۔ یہ مغربی نظریہ اور موقف ہے۔ سچائی بعض اوقات حقیقت پر مبنی ہوتی ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتی...... یہی وجہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ سچائی، حقیقت کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے مغربی سائنسدان، انسانی روح کو قبول نہیں کرسکتا کیونکہ روح، کوئی حقیقی چیز نہیں ہے۔ بدن حقیقت ہے لیکن روح حقیقت نہیں بلکہ سچ ہے۔

اور جس طرح حقائق کا علم حاصل کیا جاتا ہے، سچائی کے متعلق اس طرح علم نہیں حاصل کیا جا سکتا، اس کا طریقہ مکمل طور پر مختلف ہے۔ مثال کے طور پر آپ باغ میں کھلے ہوئے ایک گلاب کو دیکھتے ہیں، اس کی خوبصورتی ایک سچائی ہے لیکن حقیقت نہیں ہے آپ اسے ثابت نہیں کرسکتے۔ گلاب کی خوبصورتی ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ آپ اس کے رنگ، وزن، اس کی ہیئت ترکیبی کا معیار مقرر کرسکتے ہیں لیکن اس کے حسن و جمال کا احاطہ نہیں کرسکتے۔

کیوں کہ ایک چیز ایسی بھی جو اس کے حسن سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ ٹینی سن نے ایک دفعہ کہا تھا: "اگر مجھے ایک پھول...... اس کی جڑ کی سمجھ آسکتی تو پھر میں تمام کائنات کو سمجھ لیتا۔" کیونکہ پھول ایک ایسی چیز پر مشتمل ہے جو حقیقت سے کہیں ماورا ہے۔ پھول کی پوشیدہ اصلیت، اس کی

جبلت، حقیقت سے کہیں سوا ہے لیکن اس حقیقت کو سائنسی تجربات کے آلات سے قطعاً جانچا نہیں جا سکتا۔ سچائی کو جانچنے کے لئے ایک مختلف طریقہ درکار ہے، اس کے لئے بصیرت، غور وفکر اور محبت و چاہت درکار ہے۔

چمنیا کا کہنا ہے: چار سال قبل میں نے کہا تھا کہ میرے مرشد/گرو کی دعائے خیر کے باعث میرے خون کا کینسر جاتا رہا۔ جب میں نے اس کے متعلق آپ کو بتایا تو آپ نے کہا: ''جس دن سے تم نے سنیاس لیا، تمہارا کینسر جاتا رہا۔''

کینسر، دراصل ایک نفسیاتی بیماری ہے، بنیادی طور پر یہ جسمانی نہیں بلکہ ذہنی مرض ہے۔ جب ذہن اس قدر پریشان ہو جاتا ہے، کہ یہ بدن کے ریشوں کو متاثر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کینسر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب معاشرہ انتہائی بدحال ہو جاتا ہے اور بہت بگڑ جاتا ہے۔ قدیم معاشروں میں کینسر کا وجود تک نہ تھا۔ لوگ اس قدر پریشان نہیں تھے اور نام نہاد ترقی کے لئے بے مہار دوڑ نہیں رہے تھے۔ میرے کہنے سے مراد یہ ہے کہ معاشرہ اس قدر پیچیدہ نہیں تھا۔ معاشرہ جس قدر پیچیدہ اور پریشان ہوگا، معاشرہ میں کینسر اسی قدر زیادہ ہوگا۔

لہٰذا جب میں نے چمنیا سے کہا ''جب سے تم نے سنیاس لیا، تمہارا کینسر جاتا رہا۔'' اس سے مراد بہت سی چیزیں ہیں۔ سنیاس یہ ہے کہ آپ اپنے ذہن کو خالی کر دیں، سنیاس یہ ہے کہ آپ اپنے ذہن کو اپنے تابع کر دیں۔ سنیاس یہ ہے کہ آپ اپنی تمام پریشانیوں، بے چینیوں، ذہنی تناؤ اور دباؤ کو جھٹک دیں۔ سنیاس سے مراد یہ ہے کہ اب آپ ایک سادہ اور معمولی زندگی بسر کرنے کے لئے تیار ہیں۔ سنیاس یہ ہے کہ آپ ایک معصوم، پاکباز اور بچہ جیسا بننے کے لئے تیار اور راضی ہیں۔

اس صورت حال میں کینسر کو ختم ہو جانا چاہئے۔ کینسر صرف ذہنی خلجان کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ کا ذہن پُرسکون ہے، تو پھر جلد یا بدیر آپ کا بدن بھی ذہن کے نقشِ قدم پر چلے گا اور وہ بھی پُرسکون ہو جائے گا۔

اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ سائنسی تحقیق ابھی تک کینسر کا علاج نہیں ڈھونڈ سکی۔ کینسر کے علاج کی تلاش تقریباً ناممکن ہے...... اور جس دن وہ کینسر کا علاج ڈھونڈ لیں گے...... وہ اس دنیا میں کینسر سے بھی کہیں زیادہ بیماری پیدا کر دیں گے کیونکہ علاج سے مراد جبر اور روک تھام ہوگا۔ اور

جس دن وہ کینسر کے علاج کے لئے کینسر سے زیادہ مفید دوا ڈھونڈ نکالیں گے، کوئی اور بیماری پیدا ہو جائے گی اور زہر کسی اور ذریعے سے بدن میں سرایت ہونا شروع ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ سادہ امراض کا علاج کیا جاتا ہے اور پیچیدہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ آپ ایک بیماری کا علاج کرتے ہیں تو دوسری بیماری لاحق ہو جاتی ہے، اور یہ دوسری بیماری پہلی بیماری سے زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے۔ پہلی بیماری بدن کا فطری ردِعمل تھا اور دوسری بیماری، بدن کا غیر فطری اور غیر معمولی ردِعمل ہے۔ آپ دوسری بیماری کا علاج کرتے ہیں اور تیسری بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا علاج پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اس طرح انسانی بدن اور ذہن کو زیادہ سے زیادہ پیچیدہ بیماریاں لاحق ہو جائیں گی۔

جب میں نے چمنیا سے کہا ''جب سے تم نے سنیاس لیا، تمہارا کینسر جاتا رہا۔'' میں کسی حقیقت کے متعلق بات نہیں کر رہا بلکہ میں تو سچ کی نشاندہی کر رہا ہوں، اور اگر وہ مجھ پر اعتماد کرتا تو یہ مرض جاتا رہتا۔ لیکن اس کے ذہن میں ایک خفیف سا شک موجود تھا۔ وہ کہتا ہے ''مجھے یاد ہے کہ میں نے آپ کو کہتے ہوئے محسوس کیا کہ ممکن ہے یہ محض ایک ترکیب ہو اور حقیقت نہ ہو۔'' ایک ترکیب حقیقت سے کہیں افضل ہوتی ہے۔ حقیقت تو نہایت عام سی چیز ہے لیکن ترکیب نہایت اعلیٰ چیز ہے۔ ہیئت ترکیبی حقیقت ہے لیکن اس کا حسن و جمال، اس کی شاعری، اور اسے دیکھ کر حاصل ہونے والی خوشی، اور پھر آپ کے دل میں پیدا ہونے والی حیرانی، یہ سب حقیقت نہیں بلکہ سچائی ہے، لیکن یہ سب کچھ سچ نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے؟ نہیں، یہ تو ایک نہایت اعلیٰ سچائی ہے۔

ضروری نہیں کہ کوئی بڑھیا چیز گھٹیا چیز کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے لیکن ایک گھٹیا چیز کو اپنے وجود کی برقراری کے لئے اعلیٰ چیز کو اپنے ساتھ شامل کرنا پڑتا ہے...... یہ ایک مغربی سوچ اور تصور ہے۔ مغربی سوچ اور تصور یہ ہے کہ اعلیٰ کو گھٹیا کے درجے پر لایا جائے لیکن مشرقی سوچ اور تصور یہ ہے کہ گھٹیا کو اعلیٰ درجے تک لایا جائے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کنول کے پھول کے اُگنے کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ پھول کیچڑ میں اُگتا ہے۔ اگر آپ یہ کنول کسی مغربی مفکر کو دکھائیں تو وہ یہ کہے گا ''یہ کیا ہے، یہ تو کیچڑ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔'' اور یہ حقیقت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ تو کیچڑ میں سے اُگا ہے، اس لئے وہ کہتا ہے ''یہ کہاں سے آیا ہے، یہ جہاں سے آیا ہے، اسے وہیں پھینک دو، وجہ دیکھو کہ یہ کہاں سے اُگا ہے۔ اس کی وجہ کیچڑ

ہے، لہٰذا یہ کنول، کیچڑ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

مشرقی سوچ اور تصور یہ ہے کہ یہ کیچڑ بھی قابلِ احترام ہے کیونکہ اس میں گلاب پوشیدہ ہو سکتا ہے، اس میں کنول پوشیدہ ہوسکتا ہے۔ مغربی ذہن کے مطابق کنول قابلِ مذمت ٹھہرتا ہے کیونکہ یہ کیچڑ میں سے پیدا ہوتا ہے۔ مشرقی سوچ اور تصور کے مطابق یہ کیچڑ مقدس ہے کیونکہ اس میں سے کنول پیدا ہوتا ہے۔ ہم نتیجے کو دیکھتے ہیں، ہم ماضی کی طرف نہیں دیکھتے رہتے۔ ہم آگے کی طرف دیکھتے ہیں، ہم حتمی امکان کو نظر میں رکھتے ہیں۔ مغربی ذہن، وجوہات کو دیکھتا ہے لیکن ہم اہداف و مقاصد پر نظر رکھتے ہیں۔ ہم حالات واقعات پر نظر نہیں رکھتے بلکہ ہم آخری نتیجے پر یقین رکھتے ہیں کہ سچائی کیا ہے۔

مغربی ذہن کے مطابق، ایک انسان، محض بدن اور جسم ہے جبکہ مشرقی ذہن کے مطابق، انسان ایک روحانی وجود ہے۔ مغربی سوچ اور تصور کے متعلق یہ دنیا مادی ہے اور اس دنیا میں مادے کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ مشرقی سوچ اور تصور کے مطابق، انسان محض روح کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مادہ بھی ایک روح ہے لیکن خوابیدہ۔ مادہ ایک مخفی روح ہے، ایک دن اس کی حقیقت ظاہر ہوگی اور یہ روح کی حیثیت سے سامنے آئے گا۔ یہ مختلف نظریات اور فلسفے ہیں۔ اور اگر آپ نے ان میں سے کسی کا انتخاب کرنا ہے تو پھر مشرقی فلسفے اور نظریے کا انتخاب کیجئے کیونکہ اس میں زندگی کے لئے، سچ کے لئے عزت و تکریم کا جذبہ موجود ہے۔ حقیقت ایک معمولی اور عام چیز ہے، اس میں الجھ کر نہ رہ جایئے۔

آپ کہتے ہیں "مجھے یاد ہے کہ میں نے آپ کو کہتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ ممکن ہے کہ یہ محض ترکیب ہو"...... جب چمنیا یہ کہہ رہا ہو کہ یہ ترکیب تو ایک جھانسا ہوسکتی ہے۔ ایک ترکیب نہ تو سچ ہوتی ہے اور نہ ہی جھوٹ، یہ تو ایک مفید طریقہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اس پر یقین ہے تو یہ کارآمد ثابت ہوتی ہے، اور اگر آپ کو اس پر یقین نہیں ہے تو یہ بیکار ثابت ہوتی ہے۔ اس کا انحصار آپ پر ہے۔ آپ اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور یہ موقع ضائع بھی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ترکیب تو محض ایک جھوٹ اور دھوکا ہے تو پھر آپ کا یہی خیال، آپ کے راستے کی رکاوٹ ثابت ہوسکتا ہے۔

یاد رکھئے، ایک ترکیب و طریقہ، حقیقت سے افضل ہوتا ہے۔ یہ سچ سے کم تر تو ہے لیکن

حقیقت سے اعلیٰ ہے۔ یہ آپ کو حقیقت سے سچ کی طرف لے جاتا ہے، یہ ایک پل ہے، یہ نہ تو حقیقت ہے اور نہ ہی سچائی ہے، یہ تو ایک راہ نما ہے۔

ایک قصہ سنئے:

ایک مقامی کسان، اپنی بھینس کو سرحد پار ملک میں فروخت کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے اچھی قیمت ملے۔ سرحد پر محصول وغیرہ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے اس نے بھینس کو اپنے کالے رنگ کے کپڑے پہنائے، آنکھوں میں دھوپ کا چشمہ لگایا، سر پر ٹوپ پہنایا اور اسے اپنے ٹرک کے عقبی حصے میں بٹھا دیا۔

سرحد پر کسٹم آفیسر نے ٹرک کے پچھلے حصے میں نظر ڈالی اور جانے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اپنے دوست کی طرف مڑا اور قہقہہ لگایا۔

اس کے دوست نے پوچھا "کیا ہوا؟"

اس نے بے تحاشا ہنستے ہوئے جواب دیا "ٹرک کے پیچھے بیٹھا ہوا آدمی بالکل بھینس کے مانند معلوم ہوا تھا۔"

یہ ایک ترکیب ہے جو کارآمد ثابت ہوئی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ ترکیب کامیاب ہوگئی۔ خواہ یہ سچی تھی یا جھوٹی، اس امر کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ حقیقت بھی نہیں ہے اور یہ سچ بھی ہے، یہ سچ بھی نہیں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے، یہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

اور مرشد کی صحبت میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ مرشد کے احکامات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔

آخری سوال:

آپ کسی واقعہ کو بیان کرنے کے لئے لفظ "حادثہ" یا "حادثاتی" یا پھر "اتفاق" یا "اتفاقیہ" استعمال کرتے ہیں۔ کیا حقیقی زندگی میں ایسی کوئی چیز موجود ہے؟

حقیقی زندگی محض حادثات و اتفاقات ہی کا تو نام ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ حقیقی زندگی، "وجہ اور اثر" کی زندگی ہے۔ سچ کی زندگی، آزادی کی زندگی ہے۔ آزادی سے مراد یہ ہے کہ وجوہات کا کہیں وجود نہیں ہے۔ آزادی کا مطلب یہ ہے کہ اب ہر چیز اتفاقیہ، یعنی ہر چیز ممکن ہے۔ حقائق کی اس دنیا میں کوئی بھی چیز ناممکن نہیں ہے۔ جب آپ کو بصیرت و شعور حاصل ہو جاتا ہے تو

ہر چیز ممکن ہو جاتی ہے، اب کسی وجہ اور اثر کا آپ پر تسلط نہیں ہے۔

لیکن میں آپ کا سوال سمجھ چکا ہوں...... اس کے پیچھے بھی وہی نظریہ ہے کہ کوئی بھی چیز کیسے حادثاتی یا اتفاقیہ ہو سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بی ایف سکِنہ یا پَیو لا وَ اور انسانی نفسیات کے دیگر ماہرین کا یہی موقف ہے کہ آزادی کا تصور و نظریہ محض نامعقول اور احمقانہ ہے۔ زندگی میں کوئی آزادی موجود نہیں ہے۔ انسان کو کوئی اختیار حاصل نہیں کیونکہ وجہ اور اثر کے نظریے کی رُو سے پہلے ہی سب کچھ آپ کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔ اگر سکِنہ درست کہتا ہے تو پھر گوتم بدھ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر سکِنہ درست ہے تو پھر مذہب کا تمام تصور ہی غلط ہے۔ ہر چیز وجہ اور اثر کے تحت پہلے ہی متعین کی جا چکی ہے۔ آپ اپنا کام ایک مشین کے مانند انجام دیتے ہیں، آپ کو کسی بھی قسم کی آزادی حاصل نہیں ہے۔

اور یہ لوگ نوے فیصد افراد کے لئے درست کہتے ہیں۔ اگر وہ عام لوگوں کا مشاہدہ کریں تو پھر انہیں ہر قسم کی مدد مہیا ہوگی ...... کہ وہ کس طرح ان نتائج پر پہنچے ہیں۔

جب میں کوئی بات کہتا ہوں تو پھر دو مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے کہتا ہوں جو آپس میں منسلک ہوتے ہیں۔ آپ اس دنیا کے مکین ہیں جو وجہ اور اثر کے تحت متعین کی گئی ہے۔ میں اس دنیا کا مکین ہوں جو آزادی کی دنیا ہے۔ جب میں آپ کو دیکھوں تو میں وجہ اور اثر کی بات کروں گا، اور جب میں خود کو دیکھوں تو میں آزادی کی بات کروں گا۔ حقیقی دنیا میں، سچ کی دنیا میں، سب کچھ آزادی ہی ہے، کوئی بھی چیز پہلے سے متعین شدہ نہیں، اور یہی اس دنیا کی خوبصورتی ہے۔

فطری لحاظ سے انسان نہ اچھا ہے اور نہ ہی بُرا ہے۔ وہ آزاد ہے اور اپنی آزادی کو کس طرح قبول کرتا ہے اور کس طرح مسترد کرتا ہے، اس کے مطابق ہی وہ اچھا یا بُرا بنتا ہے۔ زندگی آزادی کی مرہون منت ہے۔ ہمارے ہاتھ تو وہ طریقہ آتا ہے کہ جس کے ذریعے ہم آزادانہ کام کر سکیں۔ اور آخر میں ہمارے پاس محض یہ دو راستے ہی باقی رہ جاتے ہیں کہ ہم آزادی کو آزادی کے خلاف یا اس کے لئے استعمال کریں۔

انسان کی زندگی کی موجودگی کا انحصار، اس کے زندہ رہنے کے امکان پر ہے یا پھر اس امکان

پر ہے کہ وہ زندہ نہیں رہتا۔ انسان، آزادی کا نام ہے، نہ صرف انسان آزاد ہے بلکہ انسان خود آزادی کا نام ہے۔ آزادی تو انسان کا اصل ہے اور انسان کا وقار بھی ہے۔ جانوروں کو اس قدر آزادی حاصل نہیں ہے، درخت اس سے بھی کم بااختیار ہیں، پتھر بہت ہی کم بااختیار ہیں۔ اس طرح ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آزادی کے لحاظ سے کس نے زیادہ ترقی کی ہے۔

ایک پتھر بہت کم آزاد ہے۔ درخت کو قدرے آزادی حاصل ہے کیونکہ یہ اپنے بیج کے لحاظ سے اُگ سکتا ہے۔ اسے خوشی یا غمی محسوس ہو سکتی ہے۔ اس میں کوشش کرنے کی قدرے صلاحیت موجود ہے۔ یہ جدوجہد کر سکتا ہے، یہ مقابلہ کر سکتا ہے، لیکن یہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا، اس لحاظ سے یہ بے اختیار ہے۔ اس کی جڑیں زمین میں پیوست ہیں۔ جانور قدرے زیادہ آزاد ہیں، وہ جسمانی طور پر حرکت کر سکتے ہیں، پرندوں کو کچھ اور آزادی اور اختیار حاصل ہے، وہ آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر سکتے ہیں، انسان کو تو بہت زیادہ آزادی حاصل ہے، وہ نہ صرف جسمانی طور پر حرکت کر سکتا ہے بلکہ ذہنی طور پر بھی متحرک ہو سکتا ہے۔

بدھ مت کا پیروکار مکمل طور پر آزاد ہے کیونکہ نہ صرف اس کا ذہن بلکہ اس کی روح بھی آزاد ہے۔ آزادی تہہ در تہہ زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب آزادی آپ کو قطعی طور پر حاصل ہو جاتی ہے تو آپ گھر پہنچ چکے ہوتے ہیں۔

آپ مجھ سے یہ سوال پوچھتے ہیں ''آپ کسی واقعے کو بیان کرنے کے لئے بعض اوقات لفظ، حادثہ (اتفاق) یا حادثاتی (اتفاقیہ) استعمال کرتے ہیں، کیا حقیقی دنیا میں ایسا ہوتا ہے؟

ایک دفعہ علی الصباح جنت میں تین اشخاص بیک وقت جا پہنچے۔ سینٹ پیٹر حیران رہ گئے کہ اس وقت بمشکل ہی یہاں کوئی آتا ہے، لہٰذا انہوں نے پہلے آدمی سے پوچھا ''تم یہاں کیسے آئے؟''

وہ کہنے لگا: ''میں ایک دفعہ جب سفر سے گھر واپس آیا تو دیکھا کہ ایک شخص کا کوٹ لٹکا ہوا ہے، اس کے جوتے بھی پڑے ہوئے ہیں، اور میری بیوی بستر میں نہایت خوش دکھائی دے رہی ہے۔ پھر میں نے اس شخص کی تلاش شروع کر دی لیکن وہاں مجھے کوئی بھی نہیں ملا۔ میں مشتعل ہو گیا اور ٹی وی کو زمین پر دے مارا، فریج کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ پھر میں نے بندوق اٹھائی اور خود کو گولی مار دی۔''

''اور تم یہاں کیسے آئے؟'' سینٹ پیٹر نے دوسرے شخص سے پوچھا۔

میں اپنی سیکریٹری سے رومان میں مصروف تھا کہ اچانک اس نے کہا ''اوہ، میرا خاوند!'' اس لئے میں نے فریج میں چھلانگ لگائی اور وہیں چھپ گیا۔ لیکن اس کے شوہر نے یہ فریج تیسری منزل سے نیچے پھینک دیا، اور اس طرح میں یہاں پہنچ گیا۔''

تیسرے شخص نے کہا ''مجھے کچھ نہیں معلوم، میں بس کے انتظار میں کھڑا تھا کہ اچانک ایک فریج میرے سر پر آن پڑا اور میں یہاں پہنچ گیا!''

☆☆☆

ساتواں باب

خاموش اور پُرسکون معبد

فیض شہر کے ایک صوفی بزرگ عبدالعلیم نے درس و تدریس سے انکار کر دیا تھا لیکن وہ گاہے بگاہے لوگوں کو اس ضمن میں نصیحتوں سے نوازتے رہتے کہ وہ صراطِ مستقیم پر کس طرح چل سکتے ہیں۔

ایک دفعہ ان کا ایک مرید جو کچھ بھی سیکھنے کے قابل نہ تھا اور دوسرے وہ ''عارفانہ محفلوں'' میں شرکت کے باعث قدرے ذہنی خلل میں مبتلا ہو گیا تھا، اس کے پاس حاضر ہوا۔

اس نے پوچھا ''میں نیک لوگوں کی تعلیمات سے کس طرح زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکتا ہوں؟''

صوفی بزرگ نے کہا ''مجھے تمہیں یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میرے پاس تمہارے لئے ایک ایسا تیر بہدف طریقہ ہے جو تمہاری استعداد کے عین مطابق ہے۔''

''اگر مجھے سننے کی اجازت ہو تو وہ طریقہ مجھے بتا دیجئے؟''

''بس یہ کہ اپنے کان بند کر لو اور مولیوں کے متعلق سوچو!''

''درس و تدریس اور عارفانہ محفلوں میں شرکت سے پہلے، دوران یا بعد میں؟''

''ان میں شرکت کی بجائے اپنے کان بند کر لو اور مولیوں کے متعلق سوچو!''

انسان سراپا تجسّس ہے...... انسان سراپا خواہش و حرص ہے، انسان کوئی سوال نہیں ہے بلکہ انسان میں تجسّس اور جستجو کا مادہ اور خواہش بدرجہء اتم پائی جاتی ہے۔ ایک سوال، عالمانہ اور حکیمانہ طور پر حل کیا جا سکتا ہے لیکن تجسّس کے جذبے اور خواہش کی تسکین، مزید سوالات کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ہم کچھ سوالوں کے جواب کی تلاش میں ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے بارے میں کچھ جوابات کی تلاش میں ہیں۔

یہ تجسس ہی ہوتا ہے جس کے باعث ہم دوسروں کے بارے سوال پوچھتے ہیں۔ تجسس، اپنے آپ کو تلاش کرنے کا نام ہے۔ انسان خود کو ڈھونڈتا ہے۔ اسے اپنے متعلق علم تو ہوتا ہے لیکن اسے یہ بھی علم ہے کہ اسے یہ نہیں معلوم کہ وہ کون ہے؟ کیوں اپنی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے اندر گہرائی میں اپنے متعلق جاننے کی جستجو پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم اس تجسس اور جستجو کو دبا سکتے ہیں، اس کا رُخ کسی اور طرف موڑ سکتے ہیں، اسے تبدیل کر سکتے ہیں لیکن اس کا گلا نہیں گھونٹ سکتے۔ اسے ہم ختم نہیں کر سکتے کیونکہ یہ انسان کی جبلت میں شامل ہے۔ انسان کی عقل و شعور جبلی طور پر تحقیق و جستجو کے مادے سے لبریز ہے۔

تجسس کا یہ مادہ انسان کی فطری جبلت ہے، اور جب تک انسان کے اس جذبے کی تسکین نہیں ہوتی، انسان ادھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے۔ بلاشبہ، بھٹکنے کے لئے نو سو ننانوے راستے موجود ہیں لیکن صراطِ مستقیم صرف ایک ہی ہے...... لہٰذا، اس انسان کی اس تلاش میں ہزاروں خطرات پوشیدہ ہیں۔ یہ کوئی سادہ عمل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک نہایت پیچیدہ عمل ہے اور انسان شاذ و نادر ہی صراطِ مستقیم کو تلاش کر پاتا ہے۔ لیکن جب تک آپ اس راستے کو تلاش نہیں کر پاتے، آپ پریشان رہتے ہیں۔ آپ اس وقت تک ویرانے میں ایک سسکی کی حیثیت سے موجود رہیں گے۔ آپ کو علم ہو جائے گا کہ خوشی و مسرت کیا ہے؟ جب آپ کو یہ معلوم ہی نہیں کہ آپ کون ہیں، آپ کس طرح خوشی محسوس کر سکتے ہیں، اور پھر آپ کو یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ روحانی خوشی اور برکت کسے کہتے ہیں۔ جب تک آپ یہ نہیں معلوم کر لیتے کہ آپ کون ہیں؟ آپ روحانی مسرت و برکت سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

آپ ''قناعت''، ''خوشی'' اور ''مسرت'' جیسے الفاظ سنیں گے لیکن یہ محض الفاظ ہی رہیں گے۔ ان کی آپ کے لئے کوئی اہمیت نہ ہوگی۔ ان الفاظ کی اہمیت آپ کو اپنے تجربات کے ذریعے ہی معلوم ہوگی ورنہ یہ خالی خولی الفاظ ہی رہیں گے۔ یہ آپ کے اردگرد شور وغل تو بہت کریں گے لیکن ان کے کوئی معنی نہیں ہوں گے۔

تحقیق و جستجو، خواہش و حرص، انسان کی جبلت میں شامل ہے لیکن پھر مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ بھٹکنے کے لئے بے شمار راستے موجود ہیں۔ آپ صراطِ مستقیم کس طرح تلاش کریں گے۔

یہ چھوٹی سی حکایت انتہائی قابلِ اہمیت ہے۔ اس کا ہر لفظ غور کا متقاضی ہے۔

کارلائل کا کہنا ہے: ''انسان کی بدقسمتی اس کی عظمت میں پوشیدہ ہے کیونکہ انسان میں تحقیق و جستجو کا ایک ایسا لامحدود جذبہ موجود ہے کہ وہ خود کو مکمل طور پر محدودیت میں قید نہیں کر سکتا۔''

انسان کے اندر ایک ایسی چیز موجود ہے جو انسان سے کہیں افضل، اس سے کہیں برتر ہے، اور انسان کسی بھی طرح اس چیز کو محدودیت میں بند نہیں کر سکتا۔ آپ دولت اور اقتدار حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اپنی ہر کامیاب کوشش پر آپ محسوس کریں گے کہ آپ ناکام ہو چکے ہیں۔ جب ہر دفعہ آپ کامیابی حاصل کرتے ہیں، تو اس کامیابی کے ذریعے آپ کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھ ناکامی کے سوا کچھ نہیں آیا۔ آپ کے پاس بے شمار دولت موجود ہے لیکن آپ ہمیشہ کے مانند، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ غیر مطمئن ہیں۔ آپ کے پاس طاقت و اختیار موجود ہے لیکن آپ ہمیشہ کے مانند کمزور اور ناتواں ہیں۔ طاقت و اختیار سے زیادہ اور کوئی چیز آپ کو بے بسی کا احساس نہیں دلاتی۔ امارت کے علاوہ انسان کو کوئی اور چیز اس کی اندرونی محرومی اور غربت کا احساس نہیں دلاتی کیونکہ امارت اور غربت، ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دولت مند لوگ ایسے بھی ہیں جو اندر سے گداگر ہیں اور مزید دولت کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔

ایک پہلو کے لحاظ سے یہ انسان کی بدقسمتی معلوم ہوتی ہے، اور اس کی رذالت اور تحقیر محسوس ہوتی ہے اور دوسرے پہلو کے لحاظ سے یہ اس کی عظمت ہے۔ کارلائل اس وقت درست معلوم ہوتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے: ''انسان کی بدقسمتی ہی میں اس کی عظمت پوشیدہ ہے۔'' یہ عظمت کیا ہے؟ یہ عظمت یہ ہے کہ اس میں خود سے اعلیٰ ہونے کی استعداد موجود ہے، اس میں خود سے افضل اور ماوراء ہونے کی صلاحیت موجود ہے، اپنی زندگی کے لئے سیڑھی بنانے اور خود میں سے باہر نکلنے کی اہلیت موجود ہے۔ جب تک وہ خود سے باہر نکلنے کے لئے جست نہیں بھرتا، وہ ویرانے ہی میں رہتا ہے، اس کی زندگی میں کبھی بھی بہار نہیں آئے گی اور خزاں کا عالم چھایا رہے گا۔ آپ اپنی ہر ممکن کوشش کریں گے لیکن صحرا، صحرا ہی رہے گا، آپ کبھی چمن کی خوشبو نہیں سونگھ سکیں گے۔

یہ پھول اس وقت کھلنا شروع ہوتے ہیں جب آپ سچائی کے قریب پہنچنے کا آغاز کرتے ہیں۔ یہی تو انسان کی تلاش ہے جس میں وہ سرگرداں رہتا ہے۔ انسان کی یہی تو خواہش ہے کہ وہ خدا کی حیثیت حاصل کر لے۔ انسان کی خواہش ہے کہ وہ سچائی بن جائے، انا الحق! انسان اسے محسوس کرنا چاہتا ہے کہ میں سچائی ہوں، اس سے کم کوئی اور چیز اسے مطمئن نہیں کر سکے گی۔

اب حکایت ملاحظہ کیجئے۔

فیض کے صوفی بزرگ، عبدالعلیم نے درس وتدریس سے انکار کردیا تھا لیکن گاہے بگاہے لوگوں کواس ضمن میں نصیحتوں سے نوازتے رہتے کہ وہ صراطِ مستقیم پر کس طرح چل سکتے ہیں۔

آہستہ آہستہ اور غور وفکر کرتے ہوئے چلئے۔

عام طور پر انسانی کردار دو اقسام پر مشتمل ہوتا ہے، ایک منفی یعنی مجرمانہ، سماج مخالف کردار، باغیانہ کردار۔ دوسرا مثبت کردار، روایتی کردار، قابلِ احترام کردار۔

مجرم کو سزا ملے گی، اگر وہ پکڑا گیا تو اسے قید خانے میں پھینک دیا جائے گا۔ معاشرہ اسے ختم کرنے کی کوشش کرے گا کیونکہ وہ معاشرے کے لئے خطرے کا باعث ہے۔ وہ معاشرے کا نافرمان ہے۔ وہ خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن معاشرے کو یہ چیز پسند نہیں ہے۔ معاشرے کی بقاء افراد کی تباہی میں پوشیدہ ہے اور صرف اسی طرح معاشرہ قائم رہ سکتا ہے۔ اگر معاشرے میں اس طرح کے افراد نہ ہوں تو معاشرہ مزید طاقت ور ہو جاتا ہے۔ اگر معاشرے میں اس طرح کے افراد موجود ہوں تو معاشرہ کمزور سے کمزور تر ہوتا جاتا ہے۔ اگر تمام معاشرہ اس قسم کے افراد پر مشتمل ہو تو پھر حکام کسی بھی قسم کے اختیار سے محروم ہوں گے، مذہبی راہ نما یا سیاستدان، اختیار وطاقت سے محروم ہوں گے، لہٰذا معاشرہ ان سماج دشمن، غیر اخلاقی افراد کو کچلنے کی کوشش کرتا ہے جو اپنی اخلاقیات قائم کرنا چاہتے ہیں، جو اپنی مرضی چلانا چاہتے ہوں۔ معاشرہ منفی کردار کے حامل افراد کے لئے خطرناک اور جان لیوا ہے۔ اور پھر فطری طور پر، دوسری طرف، معاشرہ مثبت کردار کے حامل افراد کا احترام کرتا ہے۔

اگر آپ معاشرتی قوانین پر عمل کرتے ہیں تو معاشرے کے نزدیک آپ قابلِ احترام ہیں۔ اس لئے، مجرمانہ کردار، ایک مجرم بن جاتا ہے اور دوسرا مثبت کردار، ایک قابلِ احترام شخص بن جاتا ہے۔ اگر مجرم اپنے کردار کو منطقی انتہا تک پہنچا دیتا ہے تو وہ شیطان بن جائے گا، اور اگر مثبت کردار کا حامل شخص، اپنے کردار کو منطقی انتہا تک پہنچاتا ہے تو وہ نیک اور پرہیزگار بن جاتا ہے۔ نیک اور پرہیزگار شخص وہ ہے جسے معاشرے کی ضرورت ہے نہ کہ اسے معاشرے کی ضرورت ہے۔ اور شیطانی کردار کا حامل وہ شخص ہے جو معاشرے کی ضرورت نہیں ہے، وہ صرف اپنے لئے ہے، اس لئے معاشرہ قدرتی طور پر اس کے خلاف ہوتا ہے، لیکن ایک چیز ان دونوں

افراد میں مشترک ہوتی ہے، یہ دونوں افراد نصف ہوتے ہیں۔ اس نکتے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک نہایت ہی اہم صوفیانہ نظریہ ہے، دونوں افراد نصف ہیں، علیحدہ ہیں۔

نیک اور پرہیزگار فرد، صرف مثبت کردار کا حامل ہوتا ہے، اس میں منفی کردار نہیں پایا جاتا ہے، نیک اور پرہیزگار فرد میں صرف اچھائیاں ہی ہوتی ہیں، اس میں برائیاں موجود نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیک اور پرہیزگار افراد، بیزارکن ہوتے ہیں۔ آپ اس قسم کے افراد کو نہایت سردمہر اور بے امنگ پائیں گے۔ آپ کا ان کے ساتھ چوبیس گھنٹے گزارنا بھی آپ کے لئے کارِ دارد ہوگا۔ یہ شخص ہر قسم کی خوشی سے محروم ہوگا اور ہر وقت اس پر افسردگی تیرتی رہے گی۔ وہ کبھی بھی برائی میں ملوث نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ اچھے کام کرے گا، لیکن اس کے دل میں کوئی امنگ نہیں ہوگی، اس کے لبوں پر کبھی کوئی نغمہ نہیں مچلے گا۔ اس کی کوئی چیز انوکھی نہیں ہوگی، وہ ایک روایتی کردار ہوگا۔ اسے کبھی اپنی ذات کا انوکھا مزہ محسوس نہیں ہوگا، وہ تو اپنی اسی حالت میں خوش ہوگا۔ وہ تقریباً مردہ ہوگا کیونکہ مثبت کردار کو، تو مرنا ہی ہوتا ہے۔ جب تک مثبت کردار میں منفی کردار، اٹھکیلیاں نہیں کرتا، خوشی کا تصور ہی عبث ہے۔ زندگی، مثبت اور منفی، اچھائی اور برائی کے درمیان، ایک تغیر پذیر عنصر ہے۔ آپ نیک اور پرہیزگار شخص کو اکمل نہیں بنا سکتے کیونکہ صوفی یہ نہیں کہے گا کہ یہ نیک اور پرہیزگار شخص، تقدیس کا حامل ہے کیونکہ وہ اکمل نہیں ہے، وہ تو نصف ہے۔

اس کا نصف حصہ، اس کا منفی حصہ دب جاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے۔ منفی حصے کے ساتھ تمام روابط کٹ چکے ہیں۔ منفی خیالات، لاشعور کے کوڑے دان میں پھینک دیئے گئے ہیں۔ نیک اور پرہیزگار افراد نے اپنی ہستی سے آشنا ہونے کی کوشش بھی نہیں کی ہے لیکن اس کی ہستی موجود ہے۔ اسے ترک کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس سے ماوراء ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اسے خود میں جذب کرلیا جائے، اسے ترک نہ کیا جائے۔ مجھے اپنی بات دہرانے دیں۔ اس کو ترک کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اسے خود میں جذب کرلیا جائے، لیکن اس کے لئے انتہائی ذہانت فہم، دانش، غور وفکر درکار ہے کہ زہر کو تحلیل کردیا جائے۔

منفی کردار تو زہریلا ہوتا ہے لیکن اگر زہر صحیح ہاتھوں میں ہو تو یہ تریاق بھی بن سکتا ہے۔ نیک اور پرہیزگار فرد قدرے احمق اور بے وقوف ہوتا ہے۔ آپ کو اس قسم کا شخص احمق اور معمولی محسوس ہوتا ہے۔ اس قسم کے افراد حقیقتاً ذہین نہیں ہوتے، ورنہ وہ اپنے منفی کردار کو تبدیل کر چکے ہوتے،

وہ خود میں موجود تمام خطرناکیوں کو پھولوں میں تبدیل کر چکے ہوتے۔ نیک اور پرہیزگار افراد کے لاشعور میں تو منفی عنصر ہر وقت موجود رہتا ہے۔

لہٰذا، اگر آپ چپکے سے نیک اور پرہیزگار شخص کے ذہن میں اس وقت جھانکیں جب وہ سو رہا ہو تو آپ حیران ہوں گے۔ وہ ایسے کام کر رہا ہوتا ہے جن کا آپ اس کے حوالے سے گمان بھی نہیں کر سکتے۔ عالم خواب میں یہ نیک شخص، منفی کہ دار اپنا لے گا۔ اس کے کردار میں مکمل اور بھرپور تبدیلی رونما ہو جائے گی، مثبت سے منفی...... کیونکہ منفی کو بھی قدرے اٹکھیلیوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اسے بھی متحرک ہونے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح آپ کو پتا چلے گا کہ نیک اور پرہیزگار شخص کے خواب مجرمانہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیک اور پرہیزگار افراد سونے سے بہت خوفزدہ ہوتے ہیں۔ جب وہ سوتے ہیں تو یہ وقت ان کے اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ شعور سو جاتا ہے لیکن لاشعور، اس پر حاوی ہو جاتا ہے جو منفی کردار کا حامل ہوتا ہے۔

اور وہ بے حد خوفزدہ ہوتے ہیں کیونکہ لاشعوری کیفیت میں وہ شہوت زدہ، خطرناک، نفرت انگیز ہوتے ہیں، ہر قسم کے زہریلے سانپ اور زہریلی مخلوقات ان پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ یہ سب چیزیں نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ نیک اور پرہیزگار افراد کو نیند بہت تنگ کرتی ہے کیونکہ نیند کے باعث ان کی اصل حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ نیک اور پرہیزگار کو خوفناک خواب بہت زیادہ آتے ہیں۔

دوسری طرف مجرمانہ، سماج دشمن، باغی اور منفی کردار بھی نصف ہوتا ہے۔ منفی کردار کے حامل وہ لوگ ہوتے ہیں جو عظیم سیاست دان بنتے ہیں، بعض اوقات عظیم انقلابی بن جاتے ہیں اور دنیا کو عظیم منفی زہر سے آلودہ کرتے ہیں۔ ایڈولف ہٹلر ہو، جوزف سٹالن ہو یا بینٹو میسولینی یا ماؤزے تنگ ہو، یہ لوگ منفی کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے افراد نیک اور پرہیزگار افراد کے بالکل الٹ ہوتے ہیں لیکن ایک پہلو کے لحاظ سے وہ عین ان کے مانند ہوتے ہیں، وہ بھی نصف ہوتے ہیں۔ ان میں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ جو چیز نیک اور پرہیزگار افراد کے لاشعور میں موجود ہوتی ہے، وہی چیز ان لوگوں کے شعور میں موجود ہوتی ہے، اور جو چیز ان کے شعور میں موجود ہوتی ہے، وہ نیک لوگوں کے لاشعور میں موجود ہوتی ہے۔

جوزف سٹالن یا ایڈولف ہٹلر، مہاتما گاندھی سے قطعی مختلف نہیں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ

جو چیز مہاتما گاندھی میں ابھر کر سامنے نہیں آتی، وہ ایڈولف ہٹلر میں ابھر کر سامنے آ جاتی ہے اور جو چیز ایڈولف ہٹلر میں ابھر کر سامنے آتی ہے، وہ مہاتما گاندھی میں ابھر کر سامنے نہیں آتی۔ مہاتما گاندھی اپنے منفی کردار کو مسلسل دباتا چلا جاتا ہے جبکہ ایڈولف ہٹلر اپنے منفی کردار کو مسلسل سامنے لاتا جاتا ہے۔ ایڈولف ہٹلر اور مہاتما گاندھی ایک ہی قسم کے افراد ہیں۔ ایک شخص سر اٹھا کر نہایت فخر کے ساتھ کھڑا ہے...... لیکن یہ بھی اسی قسم کا شخص ہے۔ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اور آپ یہ معلوم کر کے بہت حیران ہوں گے کہ ان مجرموں کے بھی بہت خوبصورت خواب ہوتے ہیں، نیک اور پرہیزگار لوگوں سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت خواب ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مثبت کردار، ان خوابوں کے ذریعے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اپنے خوابوں میں وہ نہایت ہی پرہیزگار اور نیک شخص بن جاتے ہیں۔ وہ انسانیت کے لئے عظیم کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔

اس دنیا میں دو قسم کے عام اور معمولی افراد موجود ہیں۔ نیک اور گنہگار۔ یہ دو قسم کے افراد بیک وقت اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ جس دنیا میں گنہگار نہیں ہوں گے تو نیک افراد بھی نہیں ہوں گے، اور پھر جس دنیا میں نیک افراد نہیں ہوں گے، وہاں گنہگار لوگ بھی نہیں ہوں گے۔ یہ دونوں افراد ایک ہی کاروبار کے حصے دار ہیں، وہ ساتھ ساتھ زندہ رہتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ گنہگار کے باعث ہی نیک شخص کی پہچان ہوتی ہے اور نیک شخص کے باعث ہی گنہگار کی پہچان ہوتی ہے۔

دانا، حکیم اور عارف شخص ایک قطعی مختلف قسم کا انسان ہوتا ہے، یہ کامل اور اکمل ہوتا ہے، یہ نہ تو اچھا اور نہ ہی بُرا ہوتا ہے، یہ دونوں مثبت اور منفی کردار کا مجموعہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتیں اس میں مرتکز ہوتی ہیں۔ اسے انتخاب کا حق نہیں ہوتا بلکہ اسے مکمل طور پر قبولیت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ اور یاد رکھیں، قبولیت سے میری مراد برداشت سے نہیں ہے۔ جب آپ کسی چیز کو برداشت کرتے ہیں، آپ نے دراصل اسے قبول نہیں کیا ہوتا۔ یاد رکھئے، قبولیت، محض جبر اور برداشت نہیں ہے، قبولیت تو مسرت انگیز استقبال ہے...... "یعنی خدا نے جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے، ممکن ہے کہ اس وقت میں یہ مقصد نہ سمجھ سکا ہوں، مجھے اس مقصد کی تلاش کرنا چاہئے۔" لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ جو کچھ بھی خدا نے عطا کیا ہے، اس کا کچھ نہ کچھ مقصد ضرور ہے ورنہ یہ نعمت بن مانگے نہ مل جاتی۔

اسی فہم کے ساتھ ایک دانا، حکیم، دانشمند شخص پیدا ہوتا ہے۔ یہی شخص تقدیس کا حامل ہوتا ہے کیونکہ یہ ہر لحاظ سے کامل اور اکمل ہوتا ہے۔ وہ اپنی شہوت سے انکاری نہیں ہے، وہ اپنے اشتعال سے بھی انکار نہیں کرتا، وہ اپنی کسی بھی خامی سے انکار نہیں کرتا۔ وہ ہر نعمت کو گہری بصیرت، تشکر اور پذیرائی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔ اور پھر اس افہام و تفہیم اور تشکر کے اظہار کے باعث صورتِ حال میں تبدیلی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ایک عظیم کیمیائی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس دانشمند، حکیم اور عارف شخص میں معجزہ آرائی ہوتی ہے، اشتعال ہمدردی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

انسان کے کردار کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں غور و فکر، آگہی کے تمام بیج موجود ہوتے ہیں اور دوسرے حصے میں شہوت کے تمام بیج پائے جاتے ہیں۔ ایک گنہگار شخص خود میں غور و فکر، آگہی کے بیجوں کی موجودگی سے انکار کرتا ہے اور شہوت کے بیجوں کو قبول کر لیتا ہے جبکہ دانشمند، حکیم اور عارف شخص شہوت پر مشتمل حصے سے انکار کر دیتا ہے اور بصیرت و آگہی کے حصے کو قبول کر لیتا ہے۔ ان میں سے کبھی ایک حصہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی دوسرا حصہ بھاری ہو جاتا ہے۔ دانا، حکیم اور عارف شخص ان دونوں کو بیک وقت اپنا لیتا ہے اور خود میں ایک عظیم معجزہ آرائی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

یہ تو ایسا ہی ہے کہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ملاپ سے پانی وجود میں آتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا معجزہ ہے...... اس لحاظ سے معجزہ ہے کہ آکسیجن میں بھی پانی کی خصوصیات نہیں پائی جاتیں اور نہ ہی ہائیڈروجن میں پانی کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ لیکن جب ہائیڈروجن اور آکسیجن ایک دوسرے کے قریب آتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار بھرا معانقہ کرتی ہیں، یک جان ہو جاتی ہیں اور اچانک ایک ایسی نئی خصوصیت اور خوبی جنم لیتی ہے جو ان دونوں میں سے کسی میں بھی موجود نہیں ہوتی۔ آپ آکسیجن جس قدر مرضی پی لیں، آپ کی پیاس نہیں بجھے گی اور آپ ہائیڈروجن جس قدر مرضی پی لیں، آپ کی پیاس نہیں بجھے گی لیکن پانی ان دونوں کے مجموعے H_2O کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر پانی میں ایک ایسی خوبی پیدا ہو جاتی ہے جو ان دونوں عناصر میں سے کسی میں موجود نہیں ہے، کوئی نئی چیز وجود میں آ چکی ہے۔ یہ دونوں عناصر، ایک نئی چیز کی صورت میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ایک اعلیٰ مرکب تیار ہو چکا ہے۔

نامیاتی تبدیلی سے میری یہی مراد ہے۔ اگر دو عناصر کا ملاپ ہوتا ہے، اور اگر یہ ملاپ واقعی

حقیقی ہو تو ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب ایک مرد اور خاتون محبت بھرے انداز میں ملاپ اور اختلاط کرتے ہیں تو ایک بچہ جنم لیتا ہے۔ اب اس بچے میں نہ تو باپ جیسی خصوصیات موجود ہوں گی اور نہ ہی ماں جیسی خصوصیات موجود ہوں گی۔ اس بچے میں اپنی مثالی خصوصیات موجود ہوں گی۔ آپ اس بچے کو محض اس کے والدین کی خصوصیات تک محدود نہیں کر سکتے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے بچے میں یہ خصوصیت اس کے باپ کی طرف سے آئی ہے، وہ خصوصیت اس کی ماں کی طرف سے آئی ہے...... اور بچہ تو والدین کی خصوصیات کا مجموعہ ہے۔ اگر یہ بچہ اپنے والدین کی خصوصیات کا مجموعہ ہے تو پھر اس بچے میں روح ہی موجود نہیں ہے۔ اگر یہ بچہ اپنے والدین کی خصوصیات کا مجموعہ نہیں ہوگا تو پھر اس میں روح موجود ہوگی۔

لہٰذا، پانی بھی H_2O سے کہیں اعلیٰ خصوصیات پر مشتمل ہے۔

جب صرف دو مخالف عناصر آپس میں ملاپ کرتے ہیں تو پھر نامیاتی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ جب مرد اور عورت باہم اختلاط کرتے ہیں تو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک مرد کے دوسرے مرد یا ایک عورت کے دوسری عورت کے ساتھ اختلاط کے ذریعے بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایک ہی جیسے عناصر تخلیق کا باعث نہیں بنتے اور نہ ہی بن سکتے ہیں بلکہ صرف مخالف عناصر ہی ملاپ کے ذریعے تخلیق کا باعث بنتے ہیں اور بن سکتے ہیں۔

اب غور و فکر، گیان دھیان اور استغراق اور پھر محبت و چاہت، مخالف عناصر ہیں۔ غور و فکر، گیان دھیان اور استغراق، تنہائی کا متقاضی ہے جبکہ محبت و پیار کے لئے دوسرے فریق کی ضرورت ہے۔ شہوت اور گیان دھیان، غور و فکر، متضاد عناصر ہیں۔ شہوت ایک خواہش ہے، ایک مسلسل حرص ہے، تشنہ خواہش، جو تشنہ ہی رہتی ہے۔ اور پھر گیان دھیان اور غور و فکر، بے حرص و خواہش ہے۔ یہ دونوں باہم مخالف ہیں۔ جب ان دونوں کا ملاپ ہوتا ہے تو اچانک ایک شعلہ سا بھڑکتا ہے، کوئی چیز ایسی پیدا ہوتی ہے جو ان میں سے کسی چیز کے مانند نہیں۔

نیک اور پرہیزگار انسان، محض استغراق اور غور و فکر کا مجموعہ ہوتا ہے۔ استغراق اور غور و فکر کے لئے تنہائی درکار ہے لیکن محبت و پیار کے لئے تنہائی درکار نہیں ہوتی بلکہ ایک اور فریق کی موجودگی درکار ہے۔ نیک اور پرہیزگار انسان، صرف ایک حصے، ہائیڈروجن یا آکسیجن پر مشتمل ہوتا ہے۔ گنہگار، محض شہوت پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ دوسرے حصے پر مشتمل ہوتا ہے۔ جب نیک و پرہیزگار اور

گنہگار اشخاص کا ادغام ہوتا ہے تو دانا، حکیم اور عقلمند شخص پیدا ہوتا ہے۔ جب دو مخالف عناصر گہری محبت کے عالم میں ملاپ کرتے ہیں، ایک دوسرے میں جذب ہو جاتے ہیں، اپنی تمام پہچان کھو بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے میں سرایت اور تحلیل ہو جاتے ہیں تو پھر ایک دانا، حکیم اور عارف شخص کا ظہور ہوتا ہے۔ اس قسم کے انسان کا ظہور کبھی کبھار ہی ہوتا ہے۔ نیک اور پرہیزگار شخص، اس دانا، حکیم اور عارف شخص کی دور سے سنی جاتی گونج کے مانند ہوتا ہے اور اسی طرح گنہگار انسان بھی۔

اسی لئے صوفی کہتے ہیں کہ دانا، عارف اور دانشمند انسان، نیک اور پرہیزگار نہیں ہوتا۔ آپ کو بہت سے نیک اور پرہیزگار انسان مل جائیں گے اور ان کی تلاش نہایت آسان ہے۔ ان کی موجودگی سماجی عمل ہے لیکن دانا، حکیم اور عارف انسان کی تلاش بہت مشکل ہے کیونکہ دانا، حکیم اور عارف اسی طرح کا انسان ہوتا ہے جس طرح کا انسان ایک مجرم ہوتا ہے۔ یہ دونوں خوبیوں کا مرکب ہوتا ہے۔ ایک دانا، حکیم اور عارف انسان میں خدائی صفات اور شیطانی صفات دونوں موجود ہوتی ہیں اور ایک دوسرے میں مدغم ہو کر اپنی پہچان کھو بیٹھتی ہیں۔ اس سے اعلیٰ و ارفع ملاپ اور کوئی نہیں ہوتا۔ آپ کے اندر اچھائی اور برائی کے اختلاط کا یہی لمحہ، لمحہ ء جاوداں ہوتا ہے۔

دانا، حکیم اور عارف انسان کا ذہن متوازن ہوتا ہے۔ گنہگار انسان کا ذہن منفی اور نیک انسان کا ذہن مثبت ہوتا ہے۔ گنہگار انسان، اپنی دہری شخصیت کے ساتھ ہمیشہ برسرِ پیکار رہتا ہے، یاد رکھئے، اسے اپنے اندر موجود نیک انسان سے برسرِ پیکار رہنا پڑتا ہے۔ گنہگار انسان، اپنے اندر موجود نیک انسان سے مسلسل جنگ کرتا رہتا ہے کیونکہ نیک انسان اس کے اندر زندہ ہوتا ہے۔ جب گنہگار انسان، کسی دوسرے شخص کو قتل کرنے لگتا ہے تو اس کے اندر موجود نیک انسان اسے منع کرتا ہے اور اسے سمجھاتا ہے کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا، اسے کسی دوسرے انسان کو قتل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے، اس کی یہ جدوجہد اتنی ہی شدید اور مشکل ہوتی ہے جس قدر مشکل اور شدید جدوجہد نیک انسان کی ہوتی ہے جو اسے قتل کرنے سے روکتا ہے۔ اس نیک انسان کو گنہگار انسان کے خلاف جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی توہین کرتا ہے اور اس کے اندر اسے قتل کرنے کی شدید خواہش پیدا ہوتی ہے، اسے اس خواہش کے خلاف جنگ کرنا پڑتی ہے۔ وہ یہ نہیں کر سکتا، وہ تو نیک انسان ہے، وہ تو اچھا انسان ہے، وہ ایک مذہبی انسان ہے...... وغیرہ وغیرہ۔ یہ دونوں انسان آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ انہیں باہم جنگ کرنا پڑتی ہے

کیونکہ یہ دونوں دہری شخصیت کے مالک ہیں اور دب جانے والا حصہ مسلسل انتقام لیتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے درست وقت کا منتظر رہتا ہے۔

دانا، حکیم اور عارف انسان میں توازن ہوتا ہے، اس میں دوغلا پن موجود نہیں ہوتا۔ دانا، حکیم اور عارف انسان، ایک خاموش اور پُرسکون مزار و معبد ہے۔ اس میں کوئی بے چینی اور بے سکونی نہیں ہوتی، اس کے اندر کسی قسم کی کوئی مزاحمت، جنگ اور جدوجہد موجود نہیں ہوتی۔ مکمل امن و سکون ہوتا ہے۔ اسی چیز کو صوفی اسلام کہتے ہیں۔ مکمل سکون، سکوت اور سلامتی۔ جنگجو عناصر تحلیل ہو کر ایک ہو جاتے ہیں، ان کی ذہنی اور روحانی شادی ہو جاتی ہے۔

وہ دانا صوفی بزرگ، عبدالعلیم......

لہٰذا، جب اس حکایت میں "دانا، حکیم اور عارف" انسان کا ذکر کیا جاتا ہے، تو اس سے مراد بصیرت، روشنی اور آگہی کا حامل وہ شخص ہے جو اپنے گھر واپس آ چکا ہے۔

فیض شہر کے دانا، حکیم اور عارف، عبدالعلیم نے درس و تدریس سے انکار کر دیا تھا لیکن گاہے بگاہے وہ لوگوں کو مشورہ دیتے اور نصیحت کرتے کہ وہ صراطِ مستقیم پر کیسے چل سکتے ہیں۔

انہیں درس و تدریس سے کیونکر انکار کر دینا چاہئے؟

ایک دانا، عارف اور حکیم شخص درس و تدریس کی محفل نہیں جماتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ سچائی کو پڑھانا ممکن نہیں۔ دانا، عارف اور حکیم، مدرس اور معلم نہیں ہوتا، وہ مرشد ہوتا ہے لیکن وہ معلم و مدرس نہیں ہوتا۔

پہلے تو سچائی بتائی نہیں جا سکتی، اسے صرف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپ اسے صرف اپنے مرشد سے ایک خوشبو کے مانند حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے مرشد کے نزدیک ہو سکتے ہیں، اور ایک دن، آپ اسے حاصل کر سکتے ہیں لیکن سچائی آپ کے ذہن میں ٹھونسی نہیں جا سکتی۔ یہ کسی قسم کی معلومات نہیں ہے جو آپ کو پہنچائی جائے، یہ تو ایک روحانی واردات ہوتی ہے۔ آپ اس کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں لیکن یہ آپ کو مہیا نہیں کی جا سکتی۔ کوئی شخص بھی آپ کو سچائی فراہم نہیں کر سکتا۔ اور پھر میں آپ کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مرشد آپ کو سچائی فراہم نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے پاس سچائی نہیں ہے۔ نہیں، اگر اس کے پاس سچائی ہے بھی تو وہ آپ کو نہیں دے سکتا۔ یہ کوئی چیز یا کوئی معلومات نہیں ہے، یہ علم بھی نہیں ہے...... یہ تو ایک زندہ تجربہ ہے...... آپ کو تو مرشد کے پاس اور

اس کے اندر موجود رہنا ہے۔

آپ کے ساتھ یہ واردات انتہائی پُراسرار انداز میں پیش آتی ہے، خدا تعالیٰ عجیب و غریب راستے پیدا کر دیتا ہے۔ صرف جھوٹ ہی پڑھایا اور سکھایا جا سکتا ہے، سچ پڑھایا اور سکھایا نہیں جا سکتا۔ اس لئے دانا، حکیم اور عارف شخص کبھی بھی معلم نہیں ہوتا۔ یہ معلم اور مرشد کے درمیان فرق ہے۔ وہ آپ کو دینے کے لئے تیار ہے لیکن یہ عطا انتہائی نفیس، دقیق اور پُراسرار ہے۔ یہ آپ کو اس طرح نہیں ملتی جس طرح سائنسی علم مہیا کیا جاتا ہے، آپ اس میں سے کوئی تعلیمی فلسفہ اخذ نہیں کر سکتے، آپ اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے، آپ اسے کسی نظریے اور واضح اصولوں اور قوانین کے ذریعے بیان نہیں کر سکتے۔ اس کی نوعیت تو بہت وسیع ہے۔ جس لمحے آپ اسے اصولوں میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، آپ کو فوراً ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں سے کوئی چیز غائب ہو چکی ہے، یہ اب اس میں مزید موجود نہیں ہے۔

اصول، تصاویر کے مانند ہوتے ہیں۔ ایک اڑتا ہوا پرندہ ایک علیحدہ چیز ہے۔ اگر آپ اس کی تصویر لیتے ہیں تو پھر تصویر میں یہ نظر آتا ہے کہ پرندہ پرواز کر رہا ہے، مگر یہ تو محض تصویر ہے، پرندہ مزید پرواز نہیں کر رہا، ہر چیز ساکن ہے، کوئی بھی چیز زندہ نہیں ہے۔

میں نے یہ قصہ کہیں سے سنا تھا:

ایک حسین خاتون پیبلو پکاسو کو بتا رہی تھی، کل میں نے تمہاری وہ تصویر دیکھی جو تم نے اپنی بنائی تھی۔ یہ بہت خوبصورت تھی، پکاسو خاتون کی باتوں سے بہت بیزار ہو چکا تھا لیکن وہ اس کے کان کھائے جا رہی تھی۔ پھر وہ کہنے لگی ''یہ واقعی بہت اچھی تصویر تھی، تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ یہ تصویر مجھے اس قدر پسند آئی کہ میں نے اس کا بوسہ لے لیا۔''

پکاسو یکایک چونک گیا اور کہنے لگا: ''کیا کہا، کیا تصویر نے تمہارا بوسہ لیا؟'' خاتون کہنے لگی ''تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تصویر کس طرح میرا بوسہ لے سکتی ہے؟'' پکاسو نے کہا ''تو پھر یہ میں نہیں تھا۔''

جو پرندہ ہوا میں پرواز کر رہا ہے، وہ زندہ ہے۔ جو پھول ڈالی پر موجود ہے، وہ زندہ ہے۔ میرا متحرک ہاتھ، ہوا میں پرواز کرتے ہوئے پرندے کے مانند ہے۔ آپ اس کی تصویر لے سکتے ہیں لیکن اس میں موجود حرکت اور زندگی نہیں دکھا سکتے۔ یہ صرف ہاتھ کا محض خاکہ ہوگا، اس میں

روح نہیں ہوگی۔

سچائی بھی اسی طرح ہے۔ سچائی زندگی ہے۔ یہ ابدی زندگی ہے، جب آپ اسے الفاظ میں ڈھالتے ہیں، یہ تصویر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

لہٰذا، ایک دانا اور عارف شخص، سچ کے متعلق درس نہیں دے سکتا، وہ آپ کو صرف یہ دکھا سکتا ہے کہ آپ کہاں جائیں اور اپنے لئے پرندے کو ہوا میں پرواز کرتا ہوا دیکھیں۔ وہ آپ کو اصول و قوانین سے آگاہ نہیں کر سکتا، وہ صرف راستے کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ وہ آپ کو سچائی کے متعلق معلومات نہیں مہیا کر سکتا، وہ صرف آپ کو وہ طریقے بتا سکتا ہے جو آپ کے دل کو پاک کر سکیں، جو آپ کے ذہن کو مطمئن کر سکیں، جو آپ کے اندر کے طوفان اور بے چینی کو کم کر سکیں، جو آپ کے ذہنی خلفشار کو ختم کر سکیں تا کہ آپ کا ذہن پُرسکون اور پُرسکوت ہو کہ سچ کا مشاہدہ کر سکے...... کیونکہ سچائی تو آپ کے اردگرد موجود ہے...... صرف ذہن کا سکوت اور خاموشی درکار ہے۔ مرشد آپ کو سچائی کا درس نہیں دے سکتا بلکہ وہ آپ میں خواہش، امنگ و ترنگ پیدا کر سکتا ہے۔ مرشد آپ کو تعلیم نہیں دے سکتا، لیکن آپ میں تحریک پیدا کر سکتا ہے۔ مرشد آپ کو پڑھا نہیں سکتا لیکن وہ آپ میں حوصلہ اور ترغیب پیدا کر سکتا ہے۔ مرشد وہ انگلی ہے جو چاند کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ مرشد، معلم یا مدرس نہیں ہے۔

اور دوسری چیز یہ ہے کہ تعلیم اور پڑھائی ایک عمومی چیز ہے، یہ ہمیشہ زبانی الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے۔ تعلیم، کھانوں کی فہرست کے مانند ہے، نہ تو آپ اسے کھا سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے غذائیت حاصل کر سکتے ہیں۔ تعلیم، ایک فحش تصویر کے مانند ہے۔ یہ کوئی اصلی مرد یا عورت نہیں ہے، آپ اس کے ساتھ پیار نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ آپ کے ساتھ پیار کر سکتی ہے۔

مرشد، ایک دانا اور حکیم ہوتا ہے، وہ آپ کو درس نہیں دے سکتا لیکن آپ کو نصیحت کر سکتا ہے۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ نصیحت ذاتی ہوتی ہے، یہ عمومی نہیں ہوتی۔ نصیحت، انسان کی طرف سے انسان کو ہوتی ہے، دل سے دل کو ہوتی ہے، یہ زبانی نہیں بلکہ عملی ہوتی ہے۔ نصیحت فلسفیانہ نہیں بلکہ تجرباتی ہوتی ہے۔ نصیحت، خوراک ہے اور تعلیم کھانوں کی فہرست ہے۔ نصیحت ایک اصلی مرد یا عورت کے مانند ہے، اور تعلیم، محض فحش تصویر ہے۔

فیض شہر کے صوفی بزرگ، عارف، عبدالعلیم نے درس و تدریس سے انکار کر دیا تھا لیکن

گا ہے بگا ہے وہ لوگوں کو نصیحت کرتے اور مشورہ دیتے کہ صراطِ مستقیم کون سا ہے۔

گا ہے بگا ہے وہ لوگوں کو نصیحت کرتے ...... لیکن صرف اس وقت جب کوئی نصیحت سننے کے لئے تیار ہوتا، جب انہیں معلوم ہوتا کہ لوگوں میں نصیحت سننے کی شدید خواہش موجود ہے، صرف اس وقت وہ نصیحت کرتے جب انہیں پتا چل جاتا کہ لوگوں میں تجسس کا جذبہ موجود ہے، جب لوگ سچائی کے لئے قربانی دینے کے لئے، خود کو وقف کرنے کے لئے تیار ہیں، جب وہ دیکھ لیتے کہ جواری، جوا کھیلنے کے لئے رضامند ہے، وہ کوئی کاروباری شخص نہیں جو ہر قدم پر حساب کرتا ہے۔

سچائی تو صرف جواریوں کے لئے ہے جو خطرہ مول لے سکیں، یہ کاروباری لوگوں کے لئے نہیں جو خطرہ مول لینے سے گھبرائیں۔

اس لئے جب وہ دیکھتے کہ کسی کو واقعی نصیحت درکار ہے، تو پھر وہ نصیحت کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ مرشد ہمیشہ عوام سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ عوام کو اپنے پاس آنے سے روکنے کے لئے ایک ہزار ایک طریقے وضع کرتے ہیں۔ وہ تو صرف ان چند افراد کے لئے دستیاب ہوتے ہیں جنہیں واقعی نصیحت کی تلاش ہوتی ہے۔ پھر مرشد ایسے طریقے استعمال کرتے ہیں کہ وہ عوام کی نظروں سے اوجھل رہیں۔ مثال کے طور پر، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ میں یہاں ہوں لیکن میں پونا کے لوگوں کو نظر نہیں آتا۔ یہ میرا دانستہ عمل ہے۔ میں تو صرف یہاں ان لوگوں کے لئے موجود ہوں جو واقعی سچائی کی تلاش میں ہیں۔ اگر انہیں نصیحت مہیا نہیں بھی ہوتی لیکن وہ پھر بھی سچائی کی مسلسل تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ اس تلاش میں اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں لیکن اگر انہیں نصیحت درکار ہو تو وہ بے شمار مشکلات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

تعلیم اور نصیحت کے درمیان یہی فرق ہے۔ میں جو کچھ بھی آپ سے کہتا ہوں، وہ سبق نہیں بلکہ نصیحت ہے۔ یہ ترغیب ہے، یہ حوصلہ ہے۔ میری باتیں آپ میں تحریک پیدا کرتی ہیں، آپ میں امنگ و ترنگ پیدا کرتی ہیں، تاکہ آپ میں زیادہ جوش اور حوصلہ پیدا ہو، آپ زیادہ توانائی کے ساتھ کوشش کریں، تاکہ آپ امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ سچائی کا راستہ بے شمار غلط راستوں کی طرف جاتا ہے لیکن مرشد آپ کو صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔

ایک دفعہ ایک مرید جو کچھ بھی سیکھنے کے قابل نہ تھا، اور دوسرے وہ "عارفانہ محفلوں" میں شرکت کے باعث قدرے ذہنی خلجان میں مبتلا ہو گیا تھا، ان کے پاس حاضر ہوا۔

اس مرید کے بارے چند معلومات یہ ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ مرید نہیں ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ مرید ہے لیکن وہ طالب علم ہے۔ معلم اور مرشد کے درمیان بھی وہی فرق ہے جو طالب علم اور مرید کے دوران ہے۔ ایک طالب کچھ معلومات حاصل کرتا ہے، ایک طالب علم زیادہ علم حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن وہ کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لیتا، وہ قربانی نہیں دیتا، خود کو وقف نہیں کرتا اور نہ ہی وہ علم حاصل کرنے کی خاطر کسی قسم کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی اسی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ دانش ور بننا چاہتا ہے، وہ عالم بننا چاہتا ہے، وہ پنڈت بننا چاہتا ہے، وہ ڈاکٹر بننا چاہتا ہے لیکن وہ خود کو تبدیل نہیں کرنا چاہتا۔ وہ سچ کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سچائی کو اپنے اندر جذب نہیں کرنا چاہتا۔ وہ سچ کو تو حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن وہ سچ کے زیرِ اثر نہیں آنا چاہتا۔

مرید وہ ہے جو سچ کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتا ہے۔ ایک مرید یہ نہیں سمجھ سکتا "مجھے سچ اپنے اندر سمو لینا چاہئے، میں سچ کو کیسے اپنے اندر سمو سکتا ہوں۔" دراصل، "میں" مسیح کی طرف جانے میں واحد رکاوٹ ہے۔ "میں" سچائی کو کیسے پا سکتا ہوں؟ سچ کی کوئی انتہا نہیں، سچ لامحدود ہے، میں اسے اپنے چھوٹے سے ذہن میں کیسے سمو سکتا ہوں؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ سمندر کو اپنی مٹھی میں قید نہیں کر سکتے لیکن آپ سمندر میں غوطہ لگا کر ڈوب سکتے ہیں۔ یہی وقت ہے جب ایک مرید تیار ہوتا ہے، وہ سمندر کے اندر جانے اور ڈوب جانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر بھی وہ ڈوبنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

جب کوئی چیز آپ کی زندگی سے زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے تو آپ مرید کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں، ورنہ آپ مرید نہیں بن سکتے۔ اگر آپ کسی چیز کے لئے اپنی زندگی قربان کر سکتے ہیں تو آپ مرید بن سکتے ہیں، ورنہ آپ طالب علم ہی رہتے ہیں ...... محض علم کے لالچی اور حریص۔ آپ کچھ ایسا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ اسے اپنی زندگی میں استعمال کر سکیں تاکہ آپ زیادہ بہتر طور پر کامیابی حاصل کر سکیں۔

حالانکہ میں نے اپنے اردگرد بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں لیکن پھر بھی کافی لوگ میرے پاس آتے ہیں۔ بعض اوقات، کسی نہ کسی طرح وہ میرے پاس آنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور مجھ سے وہ سوالات پوچھتے ہیں جو انہیں نہیں پوچھنا چاہئے۔ وہ مجھ سے پوچھتے ہیں

''اگر ہم گیان دھیان، غور وفکر اور استغراق میں مگن ہو جائیں تو ہمیں دنیاوی طور پر کیا فوائد حاصل ہوں گے؟ کیا ہم اس کے باعث زیادہ صحتمند اور کامیاب ہو جائیں گے؟ کیا اس کے باعث ہم اس دنیا میں کامیاب ہو جائیں گے؟'' یا پھر کوئی شخص میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے ''کیا اس کے باعث میری یادداشت زیادہ تیز ہو جائے گی، کیا میں زیادہ ذہین ہو جاؤں گا؟'' یہ لوگ غور وفکر، گیان دھیان اور استغراق میں نہیں بلکہ کسی اور چیز ہی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے کہ اگر غور وفکر، استغراق اور گیان دھیان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ وہ تو محض طالب علم ہیں۔

مرید وہ ہے جو اس حقیقت کو سمجھ جاتا ہے ''مجھے علم نہیں کہ میں کون ہوں۔'' اور یہ ایک ایسی بنیادی چیز ہے جس کے متعلق سب سے پہلے علم حاصل کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ ہر چیز ثانوی حیثیت رکھتی ہے: ''مجھے لازمی طور پر علم ہونا چاہئے کہ میں کون ہوں تو پھر زندگی کا کچھ مفہوم بنتا ہے...... ورنہ زندگی کے کوئی معنی نہیں۔ میں تو دولت اور شہرت حاصل کرنے کے لئے مسلسل کوشش میں مصروف رہتا ہوں۔ لیکن یہ سب مجھے کیسے تسکین دے سکتا ہے؟...... کیونکہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ میں کون ہوں۔ سب سے پہلے تو مجھے اپنے متعلق ادراک وشعور حاصل کرنا چاہئے، تب ہی میں صراطِ مستقیم اختیار کر سکتا ہوں۔''

اس دنیا میں ہر شخص خوشی ومسرت کا متمنی اور آرزومند ہے لیکن آپ کس طرح خوش رہ سکتے ہیں جب آپ کو علم ہی نہ ہو کہ آپ کون ہیں؟ اس دنیا میں ہر شخص کو اپنی مخصوص فطرت سے واقف ہونا چاہئے، تب ہی اسے خوشی ومسرت حاصل ہو سکتی ہے۔ ورنہ آپ کسی ایسی چیز کے تعاقب میں رہیں گے جو آپ کو خوشی مہیا نہیں کر سکتی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو وہ چیز نہ حاصل ہو سکے جو آپ کے اردگرد ہی ہو اور اس میں آپ کی تمام خوشی ومسرت مضمر ہو! لیکن آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ آپ کو اپنے متعلق کچھ علم نہیں، آپ کو اپنی مخصوص فطرت کے متعلق علم نہیں۔ ایک مرید کی صرف ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اپنی ذات کے متعلق ادراک وشعور حاصل ہو جائے، اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے قربانی کے لئے تیار ہوتا ہے، وہ غیر مشروط طور پر کوئی بھی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ایک مرید جو کچھ سیکھنے کے قابل نہ تھا اور دوسرے وہ ''عارفانہ محفلوں'' میں شرکت کے باعث قدرے ذہنی خلجان میں مبتلا ہو چکا تھا، ان کے پاس حاضر ہوا۔

اب اس کی مرید کی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ مرید ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بے شمار لوگوں کے پاس جاتا ہو، اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ وہ مرید ہے۔ لیکن پھر بھی وہ سیکھنے کے قابل نہیں ہے۔

''مرید'' کا لفظ ایک ایسے لفظ سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی ''سیکھنے کی استعداد کا حامل'' ہیں۔ لیکن اس میں سیکھنے کی استعداد نہیں ہے۔ اس کے سیکھنے میں کون سی چیز مانع ہے؟ کس وجہ سے لوگ سیکھنے سے معذور ہیں؟

چند چیزیں...... پہلے تو یہ کہ سیکھنے کی استعداد حاصل کرنے کے لئے آپ کے بے خبر ہونے کی کیفیت بہت ضروری ہے۔ آپ کو بچے کے مانند معصوم ہونا چاہئے، پھر اسی وقت آپ سیکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کو پہلے ہی سے علم حاصل ہے تو آپ سیکھ نہیں سکتے۔ آپ کو یہ شعور وادراک ہونا چاہئے کہ آپ لاعلم ہیں۔ آپ کو علم کی ''اَنا'' سے معمور نہیں ہونا چاہئے کہ ''میں بہت کچھ جانتا ہوں۔'' دوسری بات یہ ہے کہ آپ میں بہت زیادہ حساسیت موجود ہونا چاہئے کیونکہ آپ کو علم خود میں جذب کرنا ہوتا ہے۔ آپ کو کھلے دل کے ساتھ علم حاصل کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ آپ کو تنگ نظری اختیار نہیں کرنا چاہئے، آپ اپنے پرانے نظریات تصورات، تعصبات پر مبنی تنگ نظری اختیار نہیں کرنا چاہتے۔

اور جب میں ذہانت کے متعلق بات کرتا ہوں، تو یاد رکھئے کہ اس سے میری مراد ہرگز فکر ودانش نہیں ہے۔ فکر ودانش، ذہانت کی متبادل ہے۔ جو لوگ ذہین ہونے کی اداکاری کرتے ہیں، وہ فکر ودانش کے حامل ہوتے ہیں۔ حقیقی ذہانت کا حامل شخص کسی بھی طرح دانشور نہیں ہے۔ اسے قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ فکر ودانش تو غیر تخلیقی ہے کہ اس سے کوئی چیز تخلیق نہیں ہو سکتی۔ زندہ رہنے کے لئے تو یہ اچھی چیز ہے لیکن یہ غیر تخلیقی ہے۔ دنیا کی ہر چیز کسی اور چیز کی تخلیق ہے جسے ذہانت کہتے ہیں، اسے آپ وحدانیت بھی کہہ سکتے ہیں لیکن یہ ایک علیحدہ چیز ہے۔ اس کا آپ کی فکری اور دانشوری صلاحیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یونیورسٹی میں آپ کی فکری ذہنی صلاحیت کو تربیت فراہم کی جاتی ہے۔ آپ کو پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے کہ آپ نے دلائل کیسے دینا ہیں، اپنے موقف کو ثابت کیسے کرنا ہے، گفتگو کیسے کرنا ہے، بحث ومباحثہ کیسے کرتا ہے۔ آپ کو منطق پڑھائی جاتی ہے۔ منطق کے ذریعے دانشوری پیدا

ہوتی ہے۔اب یہ منطق بھی بذات خود غیر منطقی ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط نہیں ہے۔ زندگی ،منطق سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے،اس میں پُر اسراریت اور انوکھا پن موجود ہے۔اس لئے جب آپ منطق کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں تو آپ زندگی کا راستہ گم کر بیٹھتے ہیں۔آپ زیادہ سے زیادہ دانشور اور کم سے کم ذہین ہوتے جائیں گے۔ایک ذہین شخص، منطقی اور غیر منطقی، دونوں چیزوں کو تسلیم کر لیتا ہے۔ایک ذہین شخص، ہمیشہ مختلف چیزوں کو قبول کر لیتا ہے۔وہ یہ نہیں کہتا: ''میں منفی یا مثبت، کسی ایک کا انتخاب کروں گا، یا میں اس چیز کو قبول کروں گا اور اُس چیز کو قبول نہیں کروں گا۔'' ذہانت، ہر چیز کو قبول کر لیتی ہے۔

ذہانت کے پاس انتخاب کرنے کا حق نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ کرشنا مورتی، ذہانت کو بے انتخاب شعور وادراک سے تعبیر کرتا ہے۔آپ کو ایک ایسا غیر دانشور شخص مل سکتا ہے جو مکمل طور غیر تعلیم یافتہ ہوتا ہے، وہ ایک گاؤں میں رہنے والا جاہل اور گنوار شخص ہو سکتا ہے، لیکن اس میں ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔آپ اس کی آنکھوں میں ذہانت،ضیاء، روشنی دیکھ سکتے ہیں، اس کے افعال واعمال میں آپ کو ذہانت نظر آتی ہے۔اور پھر آپ کو ایک یونیورسٹی میں ایک شخص نظر آ سکتا ہے جس میں ذہانت نام کو نہیں ہوتی لیکن وہ عظیم دانشور کہلاتا ہے۔

ذہانت سے مراد، شعور وادراک ہے۔ذہانت تو ہر طرف موجود ہے۔میں آپ کو بھی دیکھتا ہوں، اور ایک دانشور کو بھی دیکھتا ہوں۔مجھے فوراً ہی یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ وہ ایک غیر محسوس دیوار کے اندر بند ہے۔وہ سنتا تو ہے لیکن اَن سنی کر دیتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ صحیح یا غلط کے خیال میں مگن رہتا ہے، مسلسل یہ سوچتا رہتا ہے کہ اسے مجھ سے اتفاق ہے یا نہیں اور وہ مستقل طور پر ہاں یا نہیں کے خیال میں مستغرق رہتا ہے،اور انتخاب کے اس تمام عمل کے دوران، وہ اصل نکتے کو فراموش کر دیتا ہے۔

ایک ذہین شخص غیر جانبداری کے ساتھ سب کی باتیں سنتا ہے، اسے فوری فیصلہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔وہ میرے ساتھ ہوتا ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ مجھ سے اتفاق کرتا ہے، اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ رضامند ہے یا انکار کر رہا ہے۔وہ تو محض سن رہا ہے۔اس میں اتفاق یا اختلاف کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔اس کا فیصلہ تو بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے۔اور پھر ایک معجزہ رونما ہوتا ہے، اگر آپ نہایت توجہ اور استغراق کے ساتھ سنیں، تو پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کیا سچ ہے اور کیا سچ نہیں ہے۔اس بارے غور کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔توجہ اور استغراق کے

ساتھ سننے پر مبنی آپ کی یہ خوبی آپ کو سچائی کے متعلق شعور وادراک مہیا کرے گی۔سچائی کی ایک اپنی ہی روشنی ہے، اس کا ایک اپنا ہی ظہور ہے۔جب سچائی موجود ہوتی ہے، آپ کو اس کا احساس ہونا شروع ہو جاتا ہے، جب سچائی موجود نہیں ہوتی تو ایک ہزار ایک دلائل بھی اس کی موجودگی ثابت نہیں کر سکتے۔سچائی کی ایک اپنی پہچان ہے، آپ کو تو صرف اس کے حصول کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اس لئے سیکھنے کی استعداد اور اہلیت، ذہانت کہلاتی ہے، وہ معصومیت، بچے کا وہ تجسس، جس کے تحت معلومات حاصل کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، آپ نامعلوم دنیاؤں کی تلاش میں رہتے ہیں، ستاروں سے آگے جانا چاہتے ہیں، زندگی کی پُر اسرار ماہیت کو محسوس کرنا چاہتے ہیں۔یہ سیکھنے کی خواہش اور استعداد ہی تو ہے جو کسی انسان کو مرید کی حیثیت دے دیتی ہے۔

اور پھر اس خصوصیت کے برعکس سیکھنے کی عدم استعداد ہے، انسان علم ودانش حاصل کرنے سے معذور ہوتا ہے......اسے احمقانہ پن بھی کہا جا سکتا ہے......دانشوری اور احمقانہ پن ایک ہی چیز ہے، تنگ نظری، تعصب، ماضی کے خیالات میں گم، کوئی جدت نہیں، کوئی کھلا ذہن نہیں۔

مرید بہت حساس ہوتا ہے، سچائی کو قبول کرنے کے لئے ہمیشہ تیار ہوتا ہے، مرشد کو اپنانے کے لئے ہمیشہ تیار ہوتا ہے، توانائی اور روشنی جذب کرنے کے لئے ہمیشہ تیار ہوتا ہے۔یاد رکھئے، جب مرید اپنے مرشد کے پاس ہوتا ہے تو اس میں مرشد کی توانائی اور لطافت منتقل ہو جاتی ہے جو آپ کو نظر بھی نہیں آتی، آپ اسے چُھو بھی نہیں سکتے، آپ پر توانائی کی لہریں مستقل طور پر لہراتی رہتی ہیں۔اگر آپ انہیں قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، آپ کی قطعی طور پر تسکین ہو جائے گی۔ آپ کی پیاس بجھ جائے گی، لیکن اگر آپ زبانی جمع خرچ ہی کرتے رہیں گے، الفاظ ہی بولتے اور نگلتے رہیں گے، دلائل بازی میں مشغول رہیں گے، اتفاق اور عدم اتفاق سے خیالات میں مصروف رہیں گے، تو پھر آپ کی موجودگی، عدم موجودگی ہوگی۔آپ جسمانی طور پر تو یہاں موجود ہوں گے لیکن نفسیاتی طور پر یہاں موجود نہیں ہوں گے اور نہ ہی روحانی طور پر یہاں موجود ہوں گے۔

ایک دن ایک مرید جو کچھ بھی سیکھنے کے قابل نہ تھا اور دوسرے وہ ''عارفانہ محفلوں'' میں شرکت کے باعث قدرے ذہنی خلل میں مبتلا ہو گیا تھا، ان کے پاس حاضر ہوا۔

اب اس عارفانہ واردات کے متعلق بھی ہمیں شعور وادراک حاصل کرنا ہوگا۔

سب سے پہلے تو یہ ہے کہ دنیا بھر میں صدیوں سے ہی یہ ”عارفانہ وارداتیں“ ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ یہ ایک ایسی واردات اور محفل ہے جس کے دوران آپ اپنی ذات کا اظہار کرتے ہیں، اور آہستہ آہستہ، آپ اپنے اظہار سے سحر زدہ ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ، آپ از خود سحر زدگی کی عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر آپ کسی عارفانہ واردات اور محفل میں شرکت کرتے ہیں تو پھر ابتدائی طور پر محض ایک رسم ثابت ہوگی۔ مختلف مذاہب میں مختلف اقسام کی رسوم رائج ہوتی ہیں۔ اگر آپ ایک ایسی عارفانہ محفل میں شرکت کرتے ہیں جس کی بنیاد روحانی طاقت ہے تو پھر سب سے پہلے آپ کو یہ مطالعہ کرنا ہوگا کہ روحانی طاقت کیا ہوتی ہے۔ فطری طور پر آپ کو روحانی طاقت کا علم ہونا چاہئے تاکہ آپ روحانی طاقت کے فلسفے کو سمجھ سکیں۔ آپ گوپی کرشن اور اس جیسے لوگوں کے متعلق پڑھتے ہیں۔ اور پھر آپ کو علم ہو جاتا ہے کہ آپ کی ریڑھ کی ہڈی میں بہت سے مقامات اور راستے ایسے ہیں جہاں سے یہ طاقت و توانائی ابھرتی ہے۔ اور پھر آپ کو یہ بھی علم ہے کہ یہ طاقت و توانائی اوپر کی طرف مسلسل بڑھتی رہتی ہے، اور پھر یہ آپ کے سر یعنی ذہن میں اور پھر آپ کا تمام بدن تھرتھرا اٹھتا ہے، لرز اٹھتا ہے، اور پھر روشنی کا عظیم جھپاکا ہوتا ہے اور آپ پر وجد و کیف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان چیزوں کے متعلق آپ پڑھتے ہیں اور پھر فطری طور پر آپ میں ان وارداتوں میں شریک ہونے کی حرص پیدا ہوتی ہے، اور پھر اچانک آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ میں کسی چیز کی کمی ہے کہ دوسرے لوگ تو ان وارداتوں میں بہت زیادہ طور پر شریک ہو رہے ہیں اور آپ اس سے محروم ہیں۔ اس کے باعث ایک قسم کا حسد، مسابقت، حرص، خواہش اور حسرت پیدا ہوتی ہے۔

چند سال قبل ویٹکن کے پوپ نے اعلان کیا کہ اس دنیا میں ایک سو تریسٹھ گناہ موجود ہیں۔ اور پھر فوراً ہی اسے ہزاروں خطوط موصول ہوئے جن میں کہا گیا تھا ”جناب، از راہ مہربانی، ہمیں مکمل فہرست عنایت فرمایئے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہم سے کون سے گناہ سرزد نہیں ہوئے۔“ ایک سو تریسٹھ اقسام کے گناہ؟ آپ حیران ہوں گے کہ کون سے گناہ اب باقی رہ گئے ہیں۔ ممکن ہے آپ سے دو، تین، چار یا پانچ گناہ سرزد ہوتے ہوں، زیادہ سے زیادہ سات، لیکن ایک سو تریسٹھ گناہ؟ لوگ واقعی ایک بہت ہی اچھے زمانے میں ہیں۔ بہت سے لوگوں نے پوچھا ”ہمیں بتایئے

کہ یہ ایک سو تریسٹھ گناہ کیا ہیں؟“

لوگ اس وقت تجسس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب وہ کسی دوسرے کے پاس کوئی چیز دیکھتے ہیں۔ ان میں شدید خواہش اور حرص پیدا ہو جاتی ہے۔

لہٰذا، آپ سب سے پہلے روحانی طاقت کے متعلق مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے بدن میں موجود ان مقامات سے واقف ہو جاتے ہیں جہاں یہ روحانی طاقت موجود ہوتی ہے، پھر آپ ان مقامات کو تصور میں لاتے ہیں۔ پھر آپ اس عارفانہ واردات میں شرکت کرتے ہیں۔ اس واردات کے دوران آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن سے روحانی طاقت خارج ہوتی ہے۔ کوئی روحانی خوشی و کیف سے سرشار ہوتا ہے، اور آپ بہت ہی زیادہ افسردہ اور دل گرفتہ ہو جاتے ہیں کہ آپ اس قسم کی خوبصورت واردات اور چیز سے محروم ہیں۔ آپ وہاں بیٹھتے ہیں اور آپ تصور کرتے ہیں کہ لوگ وجد و کیف میں مبتلا ہیں، لوگ آنسوؤں سے رو رہے ہیں، ان کے چہرے تاباں و فرحاں ہیں۔ جلد یا بدیر آپ بھی اس عمل میں شریک ہو جاتے ہیں۔ آپ بھی کیف اور وجد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انسان بہت اچھا نقال ہے۔

روحانیت کے طالب کو بہت اچھا نقال ہونا چاہئے۔

عارفانہ واردات کے دوران آپ بھی وجد میں آ جاتے ہیں اور آپ کو یہ علم ہوتا ہے کہ آپ یہ عمل خود اپنے طور پر کر رہے ہیں۔ پھر جلد یا بدیر آپ اس میں مگن ہو جاتے ہیں، آپ از خود سحر زدہ ہو جاتے ہیں۔ آپ کے اردگرد بہت لوگ ہوتے ہیں، اور آپ کے اردگرد سحر اپنے زوروں پر موجود ہوتا ہے۔ آپ کا اندر ہلکا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ کا ذہن تخلیقی ہو جاتا ہے اور ہر چیز اس کے تصور و تخیل میں آ سکتی ہے اور یاد رکھئے، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ روحانی طاقت غلط چیز ہے، یاد رکھئے، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ روشنی نظر نہیں آتی اور میں یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ عارفانہ وارداتیں رونما نہیں ہوتیں، نہیں، نہیں، کم از کم میں یہ نہیں کہہ رہا۔ لیکن ایک سو افراد میں سے ننانوے افراد ان کو اپنے تصور کے ذریعے دیکھتے ہیں، اور یہ درست نہیں ہے۔

ایک حقیقی روحانی اور عارفانہ واردات کا آپ کے تصور کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقی روحانی اور عارفانہ واردات کا آپ کی روحانی طاقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقی روحانی اور عارفانہ واردات کا روحانی طاقت کے متعلق نصابی کتب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ حقیقی

روحانی اور عارفانہ واردات ہمیشہ انوکھی ہوتی ہے اور کبھی بھی دو افراد کے ساتھ ایک ہی طرح رونما نہیں ہوتی۔ یہاں ایک ہزار افراد موجود ہیں اور اگر کوئی شخص ایک اوسط قامت کے فرد کے متعلق سوچتا ہے، تو پھر یہ اوسط قامت پانچ فٹ پانچ انچ یا پانچ فٹ ساڑھے پانچ انچ کے قریب ہوتی ہے۔ یہ اوسط قامت ہے...... آپ اس اوسط قامت کا فرد ڈھونڈیں گے لیکن یہ شخص آپ کو نہیں ملے گا۔ کوئی شخص پانچ فٹ چھ انچ، کوئی پانچ فٹ چار انچ اور کوئی پانچ فٹ سات انچ کا ہوگا۔ ہر قامت کے لوگ ہوں گے۔ اوسط تو ایک عمومی چیز ہے۔

روحانی واردات بھی ایک ایسی ہی صورت حال ہے۔ روحانی اور عارفانہ وارداتیں رونما ہوتی ہیں لیکن دو اشخاص کے ساتھ ایک جیسی پیش نہیں آتیں...... یہ وارداتیں مختلف اقسام میں پیش آتی ہیں۔ لہٰذا، روحانی طاقت کی ہیت ترکیبی سمجھنے کی ضرورت نہیں اور یہ بھی سمجھنے کی ضرورت نہیں کہ آخر میں کیا صورت حال پیش آتی ہے...... کیونکہ اگر آپ کو اس کے متعلق علم ہو گیا تو آپ خود کو سحر میں لانا شروع کر دیں گے، اور پھر آہستہ آہستہ آپ اس معمول کے عادی ہو جائیں گے۔ اور آپ اپنے گرد ایک خواب سا تخلیق کر لیں گے۔ پھر جب بہت سے لوگ ایک ہی کام میں مصروف ہوں گے تو پھر آپ کا ذہن بھی ان کے ساتھ مل جائے گا۔ آپ بھی ان کے ساتھ ہی وجد و کیف میں مبتلا ہو جائیں گے۔

کیا آپ نے کبھی اس منظر کا مشاہدہ کیا ہے...... کہ آپ کس طرح ہجوم میں مدغم ہو کر ایک ہو جاتے ہیں؟ ہندوؤں کا ایک ہجوم ایک مسجد کو جلا دینا چاہتا ہے یا پھر مسلمانوں کا ایک گروہ مندر کو تباہ کر دینا چاہتا ہے۔ آپ ہندو ہیں اور آپ ہندوؤں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ آپ کو واقعتاً مسجد کو جلانے کا خیال کبھی نہیں آیا، آپ نے ایسے پہلے کبھی نہیں سوچا، اب اس قسم کے آدمی نہیں ہیں، آپ تخریب کار نہیں ہیں، نہ ہی متشدد ہیں اور نہ ہی جارح ہیں۔ آپ ایک...... ایک شائستہ اور مہذب شخص ہیں۔ آپ نے کبھی بھی کسی چیز یا شخص کو نہیں جلایا۔ اور جب آپ ہجوم میں شامل ہو گئے تو آپ کے دل میں کسی بھی قسم کا کوئی خیال موجود نہ تھا، آپ کو صرف یہ تجسس تھا کہ یہ ہجوم کیا کرنا چاہتا ہے۔ آپ صرف یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اب کیا صورت حال پیش آنے والی ہے۔ آپ تو صرف ایک تماشائی کی حیثیت سے اس ہجوم میں شامل تھے۔

اور آہستہ آہستہ اس ہجوم کے باعث آپ کے دل میں بھی جوش پیدا ہونے لگا...... یہ لوگ

تمام اطراف سے نہایت جوش و جذبے کے ساتھ اکٹھا ہو رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ نعرے بھی لگا رہے تھے اور احتجاج کر رہے تھے۔ ان کا یہ جوش و جذبہ آپ کو بھی برانگیختہ کر دیتا ہے۔ آپ بھی مشتعل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ بھی آہستہ آہستہ جوش میں آ رہے ہیں۔ یہ تمام جوش و خروش آپ کو گھیرے میں لئے ہوتا ہے، آپ اس سے الگ کیسے رہ سکتے ہیں۔ آپ بھی مشتعل ہو جاتے ہیں، اور جب آپ مسجد یا مندر کے پاس پہنچتے ہیں اور جب لوگ اسے جلانے لگتے ہیں، اچانک آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ وہ کام کر رہے ہیں جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ آپ مسجد جلا رہے ہیں، مندر کو تباہ کر رہے ہیں یا کسی شخص کو قتل کر رہے ہیں۔

جب آپ کسی ہجوم میں شامل ہوتے ہیں تو آپ کی ذہنی کیفیت بھی ہجوم کی ذہنی کیفیت جیسی ہو جاتی ہے۔

مذہب تو آپ کا ذاتی معاملہ ہے، اس کا ہجوم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس ہجوم میں شامل ہو کر آپ اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں اور ہجوم میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ ایک مذہب کو اپناتے ہیں، آپ اس وقت بھی اپنی شناخت سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن آپ اعلیٰ مقام حاصل کر لیتے ہیں۔

اس فقرے کو ہمیشہ یاد رکھیں: صوفی کہتے ہیں کہ مذہب، لاشعوری بے خبری سے شعوری بے خبری کی طرف ایک سفر ہے۔ لاشعوری بے خبری...... جو کچھ ہجوم کرنے جا رہا ہے، آپ اپنے شعور سے بے خبر اور لاعلم ہو جاتے ہیں، آپ اپنی اَنا سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اپنی اَنا سے بھی نیچے گر جاتے ہیں اور آپ میں حیوانی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی فرد کی نسبت ایک ہجوم، زیادہ جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔

فریڈرک نطشے نے کہا ہے: ''کسی فرد میں پاگل پن کبھی کبھار ہی رونما ہوتا ہے لیکن ایک ہجوم اکثر پاگل پن کا مظاہرہ کرتا ہے۔'' ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ کوئی فرد پاگل ہو جائے، لیکن اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہجوم مجموعی طور پر پاگل پن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہجوم میں شامل ہوتے ہوئے آپ میں غیر معمولی اشتعال پیدا ہوتا ہے...... آپ گھیراؤ جلاؤ میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور یہ سب کچھ آپ لاشعوری طور پر کرتے ہیں۔ پھر آپ پر مزید کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور آپ کو اپنے شعور و ضمیر کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی...... آپ کسی کو ہلاک نہیں کر رہے ہوتے بلکہ ہجوم

اسے ہلاک کر رہا ہوتا ہے۔ آپ تو محض اس لئے شریک ہیں کہ آپ وہاں موجود تھے۔ کوئی بھی شخص آپ کو پکڑ کر یہ نہیں کہہ سکتا "تم نے اس شخص کو قتل کیا!" بلکہ اسے تو ہندوؤں نے قتل کیا، مسلمانوں نے قتل کیا، کمیونسٹوں نے قتل کیا، آپ ذاتی اور انفرادی طور پر اس قتل کے ذمہ دار نہ تھے۔

عارفانہ واردات میں بھی یہی صورت حال واقع ہوتی ہے، آپ محفل میں شریک دیگر افراد کے ذہن کے مطابق عمل کرتے ہیں، اس لئے عارفانہ واردات سے خبردار اور ہوشیار رہئے۔

عارفانہ واردات کے ضمن میں آپ کو تین چیزوں کے متعلق یاد رکھنا چاہئے۔ روحانی اپنائیت کی تین اقسام ہوتی ہیں۔ جسمانی معذوری، دماغی خلل، نفسیاتی خلل اور پاگل پن۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک پاگل شخص مہاتما بن جاتا ہے۔ وہ پاگل ہو جاتا ہے، اس کے منہ سے جھاگ نکلنا شروع ہو جاتی ہے، وہ اپنے شعور سے بے خبر ہو جاتا ہے، مغلظات بکتا ہے۔

جب آپ کسی عارفانہ واردات کے دوران جسمانی یا ذہنی خلل میں مبتلا ہوتے ہیں، تو آپ بھی پاگل ہو جاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ پر وجد و کیف کی کیفیت طاری ہے، اور وہ آپ کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب آپ اپنے ہوش و حواس میں واپس آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ لوگ آپ کے پاؤں چھو رہے ہیں، آپ کے قدموں میں پھول نچھاور کر رہے ہیں، مٹھائیاں آپ کی نذر کر رہے ہیں...... تو پھر آپ کو ایک ترکیب سوجھ جاتی ہے۔ اب آپ اپنے اس پاگل پن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور آپ بھی یہ یقین کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور اس امر کی آگہی اور شعور کس قدر مسرت انگیز ہے کہ آپ ایک روحانی شخصیت بن رہے ہیں۔ آپ جسمانی طور پر زیادہ معذور اور کاہل ہو جائیں گے۔ آپ اس کام کو غلط سمجھنے کے بجائے آپ یہ سمجھتے ہیں کوئی عظیم واردات رونما ہو رہی ہے۔ اور ایک شخص زیادہ سے زیادہ اس دلدل میں اتر سکتا ہے۔

یاد رکھئے، مشرق میں جسمانی طور پر کاہل اور معذور کئی ایسے افراد ہیں جنہیں مہاتما سمجھا جاتا ہے اور پھر مغرب میں واقعی عارف لوگوں کو پاگل خانوں میں پھینک دیا جاتا ہے کیونکہ انہیں پاگل سمجھا جاتا ہے۔ یہ دونوں رویے غلط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روحانیت کی اپنائیت کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ مغرب میں بے شمار ایسے عارف و زاہد موجود ہیں جو ہسپتالوں میں داخل ہیں اور ان کا بجلی کے جھٹکوں، انسولین کے جھٹکوں کے ذریعے علاج کیا جا رہا ہے کیونکہ انہیں پاگل سمجھا جاتا ہے۔

ذرا سوچئے کہ اگر رام کرشن امریکہ میں پیدا ہوتا تو اسے کسی پاگل خانے پھینک دیا جاتا

کیونکہ اس کی عارفانہ کیفیت بظاہر پاگل پن محسوس ہوتی تھی، وہ بے ہوش ہو جاتا، اس کا بدن اکڑ جاتا، اس کے منہ سے جھاگ نکلنا شروع ہو جاتی، اس کی آنکھیں الٹ جاتیں۔ جو کچھ بھی پاگل پن کے دوران واقع ہوتا، درست ہی ہوتا۔

روحانیت کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ اگر رام کرشن مغرب میں ہوتا تو اس کا علاج کیا جاتا۔ اور مغرب میں علاج کے ایسے ایسے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں کہ رام کرشن صحیح ہو جاتا۔ لیکن یہ ایک عظیم بدقسمتی ہوتی!

مشرق میں اس صورت حال کے بالکل الٹ ہے۔ بے شمار افراد کے ساتھ میری ملاقات ہوئی ہے۔ بعض دفعہ انہیں اس لئے میرے پاس لایا گیا کہ میں ان کی کیفیت معلوم کروں لیکن میرے نزدیک وہ محض پاگل تھے، یہ پاگل پن کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ دماغی خلل میں مبتلا تھے، انہیں علاج کی ضرورت تھی۔ ان کی ذہنی حالت معمول سے گر چکی تھی۔ لیکن معمول کی ذہنی حالت سے گر جانا یا بلند ہو جانا، ایک ہی جیسا عمل دکھائی دیتا ہے۔ صرف ایک مرشد ہی اس کے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے ورنہ یہ فیصلہ بہت مشکل ہے کہ کون کیا ہے۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن سے آپ راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر کوئی شخص جسمانی طور پر معذور اور کاہل ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ افسردہ، بیزار، پریشان، فکر مند، بے چین اور سُست ہو جائے گا، ذہنی طور پر غیر حاضر ہو جائے گا اور اس میں تخلیقیت ختم ہو جائے گی۔ اس کے بدن کو بے شمار امراض لاحق ہونا شروع ہو جائیں گے۔ معاشرے کے نزدیک اس کی تخلیقی اہمیت ختم ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص جسمانی معذوری اور کاہلی میں مبتلا نہیں ہے تو اس میں زندگی اور زندہ دلی کی رمق زیادہ ہوگی، وہ زیادہ سے زیادہ محبت آمیز ہوگا، ہمدردی کا جذبہ اس میں زیادہ ہوگا، وہ زیادہ ذہین ہوگا، اس کا ذہن زیادہ حاضر ہوگا۔ اس شخص کے اندر امنگ اور جاودانی موجود ہوگی۔ وہ روحانیت سے سرشار ہوگا لیکن اس کی سرشاری اور مدہوشی، شعور و ادراک اور آگہی کی ایک قسم ہوگی۔ وہ قطعی طور پر مدہوش بھی ہوگا لیکن قطعی طور پر ہوش میں بھی ہوگا۔ اس میں تخلیقیت موجود ہوگی۔ اس کا وجود اس کرہ ارض پر لوگوں کے لئے فیض کا باعث ہوگا۔

لہٰذا، سب سے پہلی چیز تو جسمانی کاہلی اور معذوری ہے۔ دوسری چیز اداکاری ہے۔ اس دنیا

میں اداکار بھی موجود ہیں جو اداکاری کر سکتے ہیں۔ آپ یہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ کوئی چیز آپ کے ساتھ واقع ہو رہی ہے۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ آ کر آپ کے پاؤں چھوتے ہیں اور آپ بہت نیچے ہوتے ہیں، تو پھر کیوں نہ اس چیز کی اداکاری کریں؟ یہ ایک اچھا کاروبار ہے۔ آپ اداکاری کا آغاز کر سکتے ہیں۔

یاد رکھئے، آپ کا ذہن اس قدر مکار ہے کہ یہ ہر پہلو کے لحاظ سے مکاری کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔

تیسری چیز، اصلی اور حقیقی روحانیت کی اپنائیت ہے لیکن اس میں ایک اور مشکل اور پیچیدگی ہے، اگر کسی وقت کسی صحیح شخص کو راہ نمائی میسر نہ آ سکے تو وہ پاگل ہو سکتا ہے، اور اگر پاگل کو درست راہ نمائی میسر آ جائے تو وہ صحیح حقیقی روحانی شخصیت بن سکتا ہے۔ اب ایک اور مشکل اور پیچیدگی سامنے موجود ہے۔ بعض دفعہ ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ روحانیت کی اداکاری کرنے والا شخص بھی پاگل ہو سکتا ہے۔ اداکاری کرتے کرتے اس کے ذہن میں خلل واقع ہو گیا اور وہ پاگل ہو گیا۔ اس نے یہ اداکاری اپنی مرضی سے شروع کی تھی، اس نے دانستہ یہ عمل شروع کیا تھا۔ لیکن ایک دن یہی چیز اس کے بس میں نہیں رہتی۔ اور بعض اوقات ایسی صورت حال بھی پیدا ہوتی ہے کہ صحیح اور درست راہ نمائی میسر آ جانے کے باعث روحانیت کی اداکاری کرنے والا شخص حقیقی طور پر روحانیت حاصل کر لیتا ہے...... کیونکہ اگر اداکار کو یہ بتا دیا جائے کہ وہ کیا کر رہا ہے، اور اگر اسے درست راہ نمائی اور مرشد کامل میسر آ جائے تو وہ حقیقی روحانیت حاصل کر سکتا ہے۔

اور تیسری چیز یہ ہے کہ بعض اوقات ایک حقیقی روحانی شخص اداکار بن سکتا ہے کیونکہ روحانی واردات اس قسم کی ہوتی ہے کہ یہ اپنے وقت پر ہی رونما ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، اچانک ایک دن آپ پر واردات وارد ہوتی ہے اور آپ اس میں گرفتار ہو جاتے ہیں، آپ اس میں مکمل طور پر مگن اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور آپ قطعی طور پر روحانی خوشی اور مسرت سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ پھر لوگ آپ کے گرد اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور پھر وہ روحانی اور عارفانہ واردات کا مشاہدہ کرنے کے لئے آپ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ایک دن لوگ تو وہاں موجود ہوتے ہیں لیکن یہ روحانی اور عارفانہ واردات موجود نہیں ہوتی اور پھر آپ کی تمام شہرت داؤ پر لگ جاتی ہے۔ آپ اداکاری کر سکتے ہیں، آپ اداکار بن سکتے ہیں۔

لہٰذا، یہ پیچیدگی دگنی یا تگنی ہو جاتی ہے۔ آپ کو درست راہ نمائی درکار ہے ورنہ آپ ذہن کے جال میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔

ایک دن ایک مرید جو مزید کچھ سیکھنے کے قابل نہ تھا اور وہ "عارفانہ محفلوں" میں شرکت کے باعث قدرے ذہنی خلل میں مبتلا ہو گیا تھا، ان کے پاس حاضر ہوا۔

اس نے پوچھا "میں عارف اور زاہد لوگوں کی تعلیمات سے کس طرح زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہو سکتا ہوں؟"

اب اس سوال پر غور کیجئے "میں کس طرح زیادہ سے زیادہ فیض یاب......"

اصل نکتہ "فائدہ اور مفاد ہے" ہے۔ اصل نکتہ "حصول" ہے کہ زیادہ سے زیادہ طاقت کیسے حاصل کی جائے۔ اصل بات یہ نہیں ہے کہ اپنی ذات کو کس طرح تحلیل کیا جائے، کس طرح اپنی ذات کو فنا کیا جائے۔

"میں عارف اور زاہد لوگوں کی تعلیمات سے کس طرح زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہو سکتا ہوں؟"

اور اب یہاں ایک غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے...... کیونکہ حکیم اور عارف لوگ درس نہیں دیتے۔ یہ لوگ نصیحت کرتے اور مشورہ دیتے ہیں لیکن درس نہیں دیتے۔ عارف اور زاہد لوگ نصیحت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن وہ کچھ پڑھاتے نہیں ہیں۔

اس عارف اور حکیم نے کہا "مجھے تمہیں یہ بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ میرے پاس تمہارے لئے ایک ایسا تیر بہدف نسخہ ہے جو تمہاری استعداد کے عین مطابق ہے۔"

"اگر مجھے سننے کی اجازت ہو تو وہ طریقہ مجھے بتا دیجئے؟"

"بس یہ کہ اپنے کان بند کر لو اور مولیوں کے متعلق سوچو!"

اب آپ یہ طریقہ سن کر حیران ہوں گے۔ کیا یہ عارف اور حکیم مذاق کر رہا ہے؟ کیا وہ اس شخص کو بے وقوف اور تضحیک آمیز بنا رہا ہے؟ نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ جو شخص ہمدرد ہو، اس کے لئے یہ چیز ناممکن ہے بلکہ وہ اسے ایک طریقہ بتا رہا ہے جو بظاہر عجیب و غریب محسوس ہوتا ہے۔

"بس یہ کہ اپنے کان بند کر لو اور مولیوں کے متعلق سوچو!"

لیکن یہ عین وہی طریقہ ہے جو مہاریشی مہیش یوگی نے مغرب والوں کو بتایا ہے۔ یہ ایک

ماورائی استغراق ہے: ''اپنی آنکھیں بند کرلو اور مولیوں کے متعلق سوچو!'' کوئی بھی چیز آپ کے لئے نسخہ بن سکتی ہے، کسی بھی خاص چیز کا کام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

عظیم شاعر ٹینی سن نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ جب وہ ابھی بچہ ہی تھا تو جب اس کے والدین گھر پر نہ ہوتے وہ بہت زیادہ خوف محسوس کرتا۔ لہٰذا، اکیلے میں کچھ کام نہ ہونے کے باعث وہ اپنا نام ٹینی سن...... ٹینی سن...... ٹینی سن...... دہرانا شروع کردیتا تاکہ اسے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس تو ہو...... یا پھر ایسا محسوس ہو کہ اس کی ماں اسے بلا رہی ہے...... ٹینی سن...... یا پھر اس کا باپ وہاں موجود ہے جو اسے بلا رہا ہے...... ٹینی سن...... ٹینی سن!! جب وہ اکیلا ہوتا اور اس کے کرنے کے لئے کچھ کام نہ ہوتا تو وہ اپنے نام کا ورد شروع کردیتا اور اس طرح اسے تسلی سی محسوس ہوتی اور وہ سو جاتا۔ اس طرح اس نے ''ماورائی استغراق'' کا طریقہ ڈھونڈا۔ اور پھر وہ اس طرح اس طریقے میں اس قدر مگن ہوا کہ یہ طریقہ اس کی تمام زندگی کے لئے گیان دھیان، غور و فکر کا طریقہ بن گیا۔ لہٰذا، جب بھی وہ اپنی زندگی میں کوئی پریشانی اور خوف محسوس کرتا تو وہ چند مرتبہ اپنا نام دہراتا اور پھر تمام صورت حال پُرسکون ہو جاتی۔ یا پھر جب اسے محسوس ہوتا کہ وہ سو نہیں سکتا تو وہ اپنا نام دہراتا اور سو جاتا۔

بالکل ایسا ممکن ہے، کوئی بھی چیز یا نام، آپ کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ صورت حال ایسی ہو کہ آپ کسی بھی چیز کے نام کو دہرائیں، اگر آپ صرف اسی چیز کے متعلق سوچیں، تو پھر دیگر تمام چیزیں معدوم ہو جائیں گی۔ آپ کی توجہ مرتکز ہو جاتی ہے۔ اس ارتکاز توجہ کے دوران، آپ خاموش اور ساکن ہو جاتے ہیں لیکن یہ استغراق کا سب سے کم درجہ ہے۔

وہ بزرگ دانا، اس شخص کا مذاق نہیں اڑا رہے تھے، وہ اس شخص پر ہنس نہیں رہے تھے۔

''مجھے تمہیں یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میرے پاس تمہارے لئے ایک ایسا تیر بہدف نسخہ ہے جو تمہاری استعداد کے عین مطابق ہے۔''

دراصل یہ بزرگ دانا کہہ رہے ہیں ''یہی تمہارا مقام ہے، اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ تمہارے لئے کافی ہوگا۔ تم تو ابھی نوخیز اور معصوم ہو، تم کسی بھی چیز کی طرف اپنی توجہ مبذول کرلو، یہی کافی ہوگا۔''

مہاریشی مہیش یوگی کا بھی انداز استغراق بہت بچگانہ اور معصوم ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے

ہے جو ابھی ابتدا کر رہے ہیں۔ بالکل درست، اس کے ذریعے ایک قسم کی تسلی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ یہ خواب آور دوا کے مانند ہے۔ اور جو لوگ ابھی کسی چیز کی تلاش میں ہیں...... یہ ایک ابتدائی طریقہ ہے...... خاص طور پر امریکی کچھ پانے کچھ تلاش کرنے کی حسرت میں مبتلا ہیں کیونکہ انہیں ہر چیز، دولت، اختیار میسر ہے جو ان کے نزدیک بے معنی ہے۔ یہ سب کچھ اپنے معنی کھو چکا ہے۔ ان کے پاس سب کچھ ہے، یہ پہلی دفعہ ہے کہ ایک معاشرہ مکمل طور پر خوشحال اور خود کفیل ہے۔ ہر چیز ان کے پاس موجود ہے لہٰذا، ان چیزوں میں امید نہیں ہے اور ہر شخص یہ سوال کر رہا ہے ''اب کیا چاہئے؟'' لہٰذا، لوگ تلاش میں ہیں۔ اور جب لوگ تلاش کرتے ہیں، اور تلاش کرنے کی روایت موجود نہیں ہوتی...... اور امریکی معاشرہ...... سب سے زیادہ بچگانہ اور احمق معاشرہ بھی ہے کیونکہ اسے وجود میں آئے ہوئے صرف تین سو سال ہوئے ہیں۔ اس کا کوئی ماضی نہیں ہے اور نہ ہی اس ماضی کا کوئی پس منظر ہے، کوئی سلسلہ موجود نہیں ہے جسے صوفی ''سلسلہء روحانیت'' کہتے ہیں۔ یہ تو ابھی ابتدا ہے۔ روحانیت کے اعتبار سے امریکہ تو محض کنڈرگارٹن کے مانند ہے۔ اس لئے کوئی بھی شخص امریکہ جا سکتا ہے اور گرو بن سکتا ہے۔ امریکہ میں گرو بن جانا بہت آسان ہے۔ کیونکہ وہاں کے لوگ کسی چیز کی تلاش میں ہیں...... کوئی بھی چیز، خواہ وہ نقصان دہ ہو، بامقصد ہو، بے مقصد ہو...... بے معنی ہو...... کوئی بھی چیز ہو۔

امریکہ میں دو بڑے گرو ہیں۔ مہاریشی حشیش یوگی اور مہاریشی مہیش یوگی۔ وہاں کے لوگ خدا تک پہنچنے کے لئے حشیش بھی استعمال کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ ان کی منزل کس سمت میں ہے۔

یہ شخص تو محض ایک بچہ، ایک نوخیز ہے۔ اس نے کئی ایک عارفانہ وارداتوں میں شرکت کی ہے اور بے شمار عارف اور مرشد اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پھر کر معلومات اکٹھا کرتے رہے اور اپنے ذہن میں کوڑا کرکٹ بھرتے رہے۔

جب ان بزرگ دانا نے کہا کہ تم صرف اپنے کان بند کرلو اور صرف مولیوں کے متعلق سوچو، تو وہ مذاق نہیں کر رہے تھے۔ وہ ایک نسخہ بتا رہے تھے جو اس مرید کی صلاحیتوں کے عین مطابق تھا۔ اس وقت اس شخص کے لئے کچھ بھی نہیں ممکن تھا۔ اس سے زیادہ اس کے لئے خطرناک ہوتا۔ اسے اس مقام سے روحانیت کی دنیا میں داخل ہونا تھا۔

امریکہ میں کوئی بھی چیز مفید ثابت ہوسکتی ہے۔اس کی سادہ وجہ یہ ہے کہ لوگ تلاش میں ہیں لیکن انہیں کوئی سمت نظر نہیں آتی، اور نہ ہی ان کے پاس ان کے ماضی کا حوالہ اور پس منظر موجود ہے۔ان کے والدین کبھی بھی روحانیت کی تلاش میں نہیں نکلے تھے کیونکہ ان کے والدین تو مال و دولت کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ان کے والدین مال و دولت کی تلاش میں رہے اور اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔اور پھر اس کامیابی میں ان کی تمام ناکامی پوشیدہ تھی۔ان کے والدین کے پاس صرف ایک چیز تھی جو انہیں مدہوش کرنے کے لئے کافی تھی اور وہ تھی طاقت، اختیار، اقتدار۔کس طرح ایک شاندار اور بڑا گھر حاصل کیا جائے؟ کس طرح نئی اور شاندار کار حاصل کی جائے؟ کس طرح زیادہ سے زیادہ دولت...... طاقت...... اختیار...... اقتدار حاصل کیا جائے؟ اور بطور مذہب، ان کے پاس صرف ایک چیز موجود تھی، کام، مصروفیت، کاروباری سرگرمیاں۔یہ کام، مصروفیت اور کاروباری سرگرمیاں ہی امریکیوں کی اقدار ہیں۔سخت محنت کرو تاکہ تم دنیاوی اشیاء حاصل کرسکو، اور بدقسمتی سے وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔اور اب ان کے بچے روحانیت کی دولت سے محروم ہیں...... کس لئے؟ ان کے پاس دولت، مکان، کار، دنیا کی ہر چیز موجود ہے...... اور اب ان کی تلاش کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے کہ ان کے پاس ہر چیز موجود ہے، وہ اب کیوں بھاگ رہے ہیں؟ ان کے پاس ہر چیز دستیاب ہے۔اب کچھ بھی چاہئے، کوئی بھی چیز مفید ثابت ہوگی۔نفسیاتی طریقے کارگر ثابت ہوں گے، یوگا ٹھیک رہے گا، کوئی بھی چیز کارآمد ثابت ہوسکتی ہے اور کوئی بھی اداکار گرو بن سکتا ہے۔

ایک چھوٹا سا قصہ سنئے:

خاکستری بالوں والی ایک خاتون تین تین سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی آئی، خوبصورت نقش و نگار کا حامل مہاگنی کا دروازہ کھولا اور ایک نہایت خوبصورت انداز میں استقبالیے میں داخل ہوئی۔ گھنٹے کی آواز گونجی اور خوشبوؤں کے بادل میں سے ایک حسین مشرقی نسوانی چہرہ نمودار ہوا۔

نہایت ہی مترنم آواز میں پوچھا گیا'' کیا آپ مہاراج، دانا، حلیم اور گرو مہارشی نارو سے ملنا چاہتی ہیں؟''

ادھیڑ عمر خاتون نے جواب دیا'' ہاں، ارون کو بتاؤ کہ برونکس سے اس کی ماں یہاں پہنچ چکی ہے!''

ایسی صورت حال موجود ہے، ایک خاص وجہ کے باعث یہ صورت حال واقع ہو رہی ہے۔ لوگ کسی چیز کی تلاش میں ہیں اور انہیں نہیں معلوم کہ وہ کیا تلاش کر رہے ہیں۔اس صورت حال میں کوئی بھی اداکار، ان کے ساتھ سبز باغوں اور جنت کا وعدہ کرسکتا ہے؟ اور اس کا یہ وعدہ کارآمد ثابت ہوگا۔اور امریکی جانتے ہیں کہ کس طرح وعدہ کرنا ہے، انہیں علم ہے کہ کس طرح اشتہار دینا ہے، انہیں یہ بھی خبر ہے کہ لوگوں کو کوئی چیز خریدنے کے لئے کس طرح ترغیب دینی ہے، اس معاملے میں وہ ماہر ترین افراد میں سے ہیں، اور اب اس طرح '' خدا'' بھی ایک چیز ''نعوذ باللہ'' بن چکا ہے۔

لیکن جب تک آپ خود میں سیکھنے کی صلاحیت اور استعداد نہیں پیدا کر لیتے، تلاش کرنے کی اہلیت نہیں پیدا کر لیتے، آپ اپنی تلاش کو سچائی کی تلاش کہہ سکتے ہیں لیکن یہ کچھ اور ہی چیز ہوگی۔

انسان تو محض احمق، جاہل اور نالائق تھا جو اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کر رہا تھا لیکن وہ اِدھر اُدھر سے معلومات جمع کر رہا تھا اور خود پرستی کے عالم میں یہ سوچ رہا تھا'' میں تو عالم و فاضل بنتا جا رہا ہوں۔'' اب اتفاق یہ ہوا کہ وہ خوش قسمتی سے اس مرد دانا کے دروازے پر لڑکھڑاتا ہوا حاضر ہوا۔مرد دانا نے کہا:

''بس یہ کہ اپنے کان بند کرلو اور مولیوں کے متعلق سوچو!''

''درس و تدریس اور عارفانہ محفلوں میں شرکت سے پہلے، دوران یا بعد میں؟''

''ان میں شرکت کے بجائے اپنے کان بند کرلو اور مولیوں کے متعلق سوچو!''

مجھے ایک خاتون یاد ہے جو اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی۔اس خاتون کے باعث ڈاکٹر بہت پریشان ہوا۔ہر سال وہ ایک بچے کی ماں بن جاتی۔اس کے پہلے ہی ایک درجن بچے تھے اور اب تیرہویں کی آمد تھی۔

بالآخر ڈاکٹر نے کہا'' اب کافی ہو چکا، اب بس بھی کر دو!''

خاتون کہنے لگی'' مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے میں تھک چکی ہوں۔کیا تم مجھے کسی ایسی چیز بتا سکتے ہو جو مجھے حاملہ ہونے سے روک سکے۔''

ڈاکٹر نے کہا'' بالکل، میرے پاس ایک تیر بہدف نسخہ ہے، وہ یہ کہ تم گرم پانی پی لیا کرو۔''

خاتون نے کہا'' پہلے یا بعد میں؟''

ڈاکٹر نے کہا" حاملہ ہونے کے بجائے تم ایک پیالی گرم پانی پی لیا کرو!"

درس وتدریس اور عارفانہ وارداتوں کے نہ تو پہلے، نہ ہی درمیان میں اور نہ ہی بعد میں بلکہ ان کے بجائے۔ درس وتدریس اور عارفانہ محفلوں کو چھوڑ دیں، یہ تو احمقانہ ہیں۔ سب سے پہلے تو آپ خود کو قدرے پُرسکون کریں۔ اپنے کان بند کر لیں، یہ سب سے بہترین تدبیر ہوگی۔ آپ کے کان پہلے ہی بے شمار باتیں سن چکے ہیں۔ آپ پر پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔

"لہٰذا" اپنے کان بند کر لیں" محض علامتی ہے، اور مزید معلومات حاصل مت کریں، یہ معلومات آپ کے پاس پہلے ہی سے بہت موجود ہیں، آپ اس وجہ سے پاگل ہو رہے ہیں!"

اپنے کان بند کر لینے سے مراد یہ ہے کہ آپ کو سچ کے متعلق جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ سچ کے متعلق علم حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ سچ کے متعلق علم حاصل نہ کریں، لہٰذا اس چکر در چکر سے باہر نکل آئیں۔ اپنے کان بند کر لیں، اور بلاشبہ مرد دانا کہتے ہیں "صرف مولیوں کے متعلق سوچو!" ممکن ہے کہ اس شخص میں محض اس قدر استعداد موجود ہو۔

ایک ہندوانہ حکایت ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شخص ایک عارف کے پاس حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ وہ کیا کرے۔ وہ ایک سادہ لوح شخص تھا۔ بزرگ دانا نے پوچھا" کیا تم کسی سے محبت کرتے ہو؟"

وہ شخص کہنے لگا" میں ایک غریب آدمی ہوں، اور آپ دیکھ سکتے ہیں، میں ایک گندا مندا شخص ہوں، اس لئے کوئی عورت میرے ساتھ شادی کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ میں غیر شادی شدہ ہوں، میں کنوارہ ہوں، کسی کو مجھ سے محبت نہیں، کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا۔"

بزرگ دانا کہنے لگے" پھر تو یہ کچھ مشکل ہوگا، کیا تم ابھی بھی سمجھتے ہو کہ تم سے کسی کو محبت نہیں ہے، ٹھیک ہے لیکن تمہیں کسی سے محبت ہے؟ کوئی بھی چیز...... درخت، کتا...... کوئی بھی چیز، جس سے تمہیں پیار ہے۔"

اس شخص نے کہا:" مجھے اپنی بھینس سے پیار ہے۔"

بزرگ دانا نے کہا:" یہی کافی ہے۔ اب تم گھر جاؤ اور اپنی بھینس کو اپنے استغراق کا مرکز بناؤ، اپنے خدا کو بھینس میں سے تلاش کرو۔ بھینس کی طرف توجہ کرو اور روحانیت حاصل کرنے کی کوشش کرو...... کیونکہ جہاں تمہاری محبت ہوگی، تم عین وہیں پہنچو گے۔ تم سمجھو کہ تمہارے سفر کا لفظ

آغاز تمہاری بھینس ہے، اور نقطہ اختتام بھی یہی ہے۔"

کچھ لوگ فطرت سے پیار کرتے ہیں، یہ ان کے استغراق اور محویت کا آغاز ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کو موسیقی سے محبت ہوتی ہے، یہ ان کے گیان دھیان کا ابتدائی لمحہ ہوتا ہے۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں موسیقی پسند نہیں، اگر آپ انہیں کہیں کہ وہ موسیقی کو اپنا استغراق اور محویت بنا لیں تو یہ ناممکن ہوگا، یہ ان کے لئے رکاوٹ بن جائے گی۔ وہ خدا تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے فطرت کی طرف سے مکمل طور پر آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ انہیں فطرت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس دنیا میں ہر طرف مختلف قسم کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ سبزہ، سرخ پھول، پتے...... یہ سب کچھ انہیں متاثر نہیں کرتے۔ یہ چیزیں انہیں نظر نہیں آتیں، وہ ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ خوبصورتی کے معاملے میں وہ اندھے ہیں، اور پھر وہ اس طریقے کے ذریعے روحانیت حاصل نہیں کر سکتے۔

روحانیت کے حصول کا طریقہ بہت ہی عملی ہے۔ آپ کو ابتدا سے ہی اس کا آغاز کرنا ہوگا، اس کے علاوہ آغاز کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ ہر شخص کو اس عمل کا آغاز اپنے طریقے کے مطابق کرنا ہوگا اور جب آپ اس راستے پر آگے بڑھتے ہیں تو پھر آپ کے استغراق اور محویت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی استعداد کے مطابق گیان دھیان اور استغراق میں مگن ہوں۔ جب آپ اس راستے پر آگے بڑھتے جائیں گے، آپ کو گہری اور اعلیٰ سطح محویت اور استغراق حاصل ہوتا جائے گا۔ اور پھر آخری مرحلہ وہ ہے جب آپ واقعی روحانیت میں کمال حاصل کر لیتے ہیں، پھر آپ تمام محویت، گیان دھیان اور استغراق کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ گیان دھیان، غور وفکر اور استغراق کا آخری مرحلہ وہ ہے جب آپ ان تمام چیزوں سے دامن چھڑا لیتے ہیں۔ جب آپ گیان دھیان اور استغراق میں کمال مہارت حاصل کر لیں تو اسے ترک کر دیں۔ اس مرحلے پر گیان دھیان اور استغراق کی اپنائیت، روحانیت کے ماننے پر آخری رکاوٹ ہوگی، آپ کو چاہئے کہ یہ رکاوٹ بھی دُور کر لیں۔

آپ کا یہ گیان دھیان، غور وفکر اور استغراق، ایک دن اس قدر فطری اور قدرتی نوعیت اختیار کرے گا جیسے آپ سانس لیتے ہیں...... جسے دانستہ آپ کو اختیار کرنے اور اپنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو ہمیشہ سے آپ کے ساتھ ہے۔ یہ آپ کے اردگرد ایک ہالے کی حیثیت

سے موجود ہے، یعنی سوتے، جاگتے، چلتے پھرتے، باتیں کرتے بلکہ ہر کام کرتے، آپ گیان دھیان اور استغراق میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ استغراق و محویت، آپ کو اکیلا نہیں چھوڑتی، یہ آپ کا سایہ بن چکی ہے اور آپ اس میں واقعی کمال حاصل کر چکے ہیں۔

یہ عجیب و غریب بات یاد رکھئے: ''جب آپ گیان دھیان اور محویت میں کمال حاصل کر لیں تو اسے ترک کر دیں اور ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق اس عمل کا آغاز کرنا چاہئے۔''

مرشد نے کہا'' پہلی بات تو یہ ہے کہ سچ کے متعلق سننا بند کر دو، تم نے اس کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ سن رکھا ہے۔''

عشائیے کے بعد آنے والا مقرر بیزار کن بلکہ پریشان کن تھا۔ ایک ایک کر کے تمام مہمان اپنی نشستوں پر سوتے گئے۔ اس صورت حال کے باعث تقریب کا منتظم نہایت ہی خوفزدہ اور پریشان ہوا، اور اس پر ہیجانی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اپنی اس جنونی کیفیت میں اس نے اپنے ساتھ بیٹھے اور سوتے ہوئے مہمان کے سر پر چپت لگائی۔

سوتے ہوئے مہمان نے کہا: ''مجھے نہ اٹھاؤ، اس کتے کے بچے کی آواز ابھی بھی میرے کانوں میں آ رہی ہے!''

مرشد کہتے ہیں ''تم کافی کچھ سن چکے ہو، تم کافی کچھ پڑھ چکے ہو۔ تم پہلے ہی ضرورت سے زیادہ علم حاصل کر چکے ہو۔ اب اپنے کان بند کر لو، اور اب تمہاری استعداد اس قدر کم ہے کہ اب تم جو کچھ بھی سنو گے، تم اسے درست طور پر سمجھ نہیں پاؤ گے۔ مزید علم تمہارے کسی کام کا نہیں ہوگا، کیونکہ تمہاری استعداد بہت کم ہے اور تمہارا علم بہت زیادہ ہے۔ تمہاری استعداد اور تمہارے علم میں کوئی نسبت نہیں۔ یہ علم تمہارے متعلق نہیں اور کسی نسبت کے بغیر ہوگا۔ ممکن ہے کہ انسان اس کتاب کو جو وہ پڑھ رہا ہو، اسے اپنے متعلقہ سمجھے، لیکن یہ کتاب آپ کے مطابق نہیں ہوگی، یہ آپ پر ایک بوجھ ہوگی۔ یہ آپ کو روشنی اور شعور نہیں بخشے گی۔ یہ آپ کے لئے مزید بوجھ کا باعث ہوگی۔''

ایک خاوند اور اس کی بیوی، ایک چڑیا گھر میں گوریلے کے پنجرے کے سامنے کھڑے تھے۔ اچانک گوریلا اپنے پنجرے میں سے آگے بڑھا، اسے پنجرے کے اندر کھینچ لیا اور اس کے کپڑے اتارنے لگا۔

وہ چلانے لگی ''ہرمن، اب میں کیا کروں؟''

ہرمن نے اپنے کاندھے اچکائے اور جواب دیا ''ڈارلنگ اسے بتاؤ کہ تمہارے سر میں درد ہے!''

ایک چیز ایک تناظر میں متعلقہ ہو سکتی ہے لیکن ایک چیز ہر قسم کے تناظر میں درست نہیں ہو سکتی، لیکن یہ بنیاد اور تناظر آپ کے اندر سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا، اپنی استعداد سے زیادہ علم مت حاصل کیجئے۔ کوشش بے شک زیادہ کریں لیکن کم علم حاصل کریں، اور آپ ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رہیں گے۔ تھوڑا علم حاصل کریں، لیکن اسے خود میں جذب کریں، اسے خوب جانیں، اس میں مہارت حاصل کریں۔ ورنہ یہ علم آپ کے لئے بوجھ بن جائے گا، آپ کو ہضم نہیں ہوگا، آپ کو قے آ جائے گی۔

کھانا کم کھائیں، اسے اچھی طرح ہضم کریں تاکہ یہ آپ کے خون، ہڈیوں اور گردے میں شامل ہو جائے۔

صوفیائے کرام نہایت عملی لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں بہت گہرائی ہوتی ہے۔ ان بزرگ دانا نے اس مرید کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ اس کی استعداد بہت کم ہے۔ اگر اس کی مدد کرنا ہے تو اسے ابتدا سے آغاز کرنا ہوگا۔ یہ اس کے لئے توہین آمیز بات نہیں ہے، بزرگ دانا اس کے ساتھ مذاق نہیں کر رہے تھے۔ انہیں اس شخص سے ہمدردی تھی اس لئے انہوں نے کہا ''تم دو کام کرو...... ایک تو زیادہ علم حاصل کرنا ترک کر دو، اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ تم نے اب تک سیکھا ہے، اسے بھول جاؤ۔ اپنے کان بند کر لو، اور اپنی پسندیدہ چیز کے متعلق سوچو، اس چیز کے متعلق سوچو جس سے تمہیں پیار ہو، یہ تمہارے اور خدا کے موجود ہونے کی پہلی نشانی ہوگی، اور صراط مستقیم کے سفر کی ابتدا یہاں سے ہی ہوتی ہے۔''

☆☆☆